تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ

پر

ایک نظر

مرتبہ

جلال الدین شمس

انچارج تالیف وتصنیف صدرانجمن احمدیّہ پاکستان

پیش لفظ

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک کتابچہ ''محاسبہ'' اور دوسرا ''تبصرہ'' شائع ہو چکے ہیں ۔ان دونوں کتابچوں میں سارا زورِ قلم احمدیوں کو ملزم گردانتے پر صرف کیا گیا ہے اور مؤلفینِ تبصرہ نے تو رپورٹ کی قدر و قیمت کم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ۔

ہم نے اِس کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ ہر معاملہ میں تحقیاتی عدالت کی رائے بلا کم و کاست درج کر دی جائے ۔تا بہی خواہانِ مملکتِ پاکستان معزز عدالت کی رائے کی روشنی میں ان وجوہ کو جو فسادات کا باعث ہوئیں پھر پیدا نہ ہونے دیں ۔

اِس جگہ مَیں مکرم چوہدری اسداللہ خان صاحب اور مکرم مولانا عبدا لرحیم صاحب دردؔ کا شکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں اپنے قیمتی مشورہ سے امداد دی اور مسودہ کو اوّل سے آخر تک پڑھا۔ اِسی طرح مکرم شیخ بشیر احمد صاحب کا بھی کہ انہوں نے مسودہ کا ایک حصّہ سُنا اور مفید مشورہ دیا۔ نیز مکرم ومحترم حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا بھی ممنون ہوں ۔ کہ انہوں نے مسودہ پڑھ کر بعض ضروری امور کے اضافہ کی طرف توجہ دلائی ۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

خاکسار

جلال الدّین شمسؔ

(مرتب کتاب ہذا)

۱۴/اپریل ۱۹۵۵ء

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہٖ الکریم

تمہید

۱۹۵۳ء کا سال تاریخ پاکستان میں اَس لحاظ سے ایک غیر معمولی سال شمار ہوگا کہ اس میں اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے اور کہنے والی ایک چھوٹی سی جماعت کو اختلاف مذہبی کی بناء پر مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔اور اسکی تباہی و بربادی کے لئے تمام مخربانہ طاقتیں جمع ہو گئیں۔اور فسادات کا وہ شدید طوفان اٹھا۔جس کی نظیر صرف اور صرف ازمنۂ قرون وسطیٰ میں ہی مل سکتی ہے۔

۶ مارچ ۱۹۵۳ء کے دن کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''اُس دن کے واقعات کو دیکھ کر''سینٹ بارتھولو نیوڈے''یاد آتا تھا۔'' [1]

ہاں وہ دن جس میں

''سِول کے حکام جو عام حالات میں قانون وانتظام کے قیام کے ذمہ دار ہوتے ہیں کاملاً بے بس ہو چکے تھے۔اور ان میں ۶ رمارچ کو پیدا ہونے والی صورتِ حالات کا مقابلہ کرنے کی کوئی خواہش اور اہلیت باقی نہ رہی تھی۔نظمِ حکومت کی مشینری بالکل بگڑ چکی تھی۔اور کوئی شخص مجرموں کو گرفتار کر کے یا ارتکابِ جُرم کو روک کر قانون کو نافذ العمل کرنے کی ذمہ واری لینے پر آمادہ یا خواہاں نہ تھا۔انسانوں کے بڑے بڑے مجمعوں نے جو معمولی حالات میں معقول اور سنجیدہ شہریوں پر مشتمل تھے۔ایسے سرکش اور جنون زدہ ہجوموں کی شکل اختیار کر لی تھی۔جن کا واحد جذبہ یہ تھا کہ قانون کی نافرمانی کریں۔اور حکومت وقت کو جھکنے پر مجبور کر دیں۔اسکے ساتھ ہی معاشرے کے ادنیٰ اور ذلیل عناصر موجودہ بدنظمی اور ابتری سے فائدہ اُٹھا کر جنگل کے درندوں کی طرح لوگوں کو قتل کر رہے تھے۔ان

* مسٹر ولیم ہاؤٹ اپنی کتاب ''ہسٹری آف پریسٹ کرافٹ اِن آل ایجز'' میں اس دن کے متعلق لکھتا ہے:۔''سینٹ باردو اور رینو کا قتل عام ہمیشہ فرانس کی بدنامی کا باعث رہے گا۔قتل عام کا بھیانک منظر جس

[1] رپورٹ ص ۱۷۱

کی املاک کولوٹ رہے تھے اور قیمتی جائداد کو نذر آتش کر رہے تھے۔ محض اس لئے کہ یہ ایک دلچسپ تماشا تھا۔ یا کسی خیالی دشمن سے بدلہ لیا جا رہا تھا۔ پوری مشینری جو معاشرت کو زندہ رکھتی ہے۔ پُرزہ پُرزہ ہو چکی تھی اور مجنون انسانوں کو دوبارہ ہوش میں لانے اور بے بس شہریوں کی حفاظت کرنے کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ سخت سے سخت تدابیر اختیار کی جائیں''1۔

اِن حالات کے پیش نظر قیامِ امن کی خاطر مارشل لاء کے اعلان کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ فوج نے نہایت حزم و احتیاط لیکن جرأتمندانہ اور دلیرانہ مضبوط اقدام کے ساتھ شر پسند طاقتوں کو بہت جلد زیر کرلیا۔

اِن روح فرسا واقعات اور اس حالت زار کی خبریں دنیا کے پریس میں شائع ہوئیں اور پاکستان کی بدنامی کا باعث بنیں۔ صوبہ پنجاب کی نئی حکومت نے اِن فسادات کی وجوہ و اسباب اور ان جماعتوں کا علم حاصل کرنے کے لئے جو اِن فسادات کی ذمہ وار تھیں ایک تحقیقاتی عدالت کا تقرر مناسب خیال کیا۔ اور گورنر پنجاب نے اپنے مخصوص اختیارات کو

بقیہ حاشیہ:۔ کا مقصد ایک ہی وار میں پروٹسنٹ فرقہ کے عیسائیوں کو ختم کرنا تھا۔ ۲۴ اگست ۱۵۷۶ء کو پیرس میں چارلس نہم کے حکم کے ماتحت دیکھنے میں آیا۔ ملکہ نوور کو زہر دیا گیا اور علی الصباح تھانس کے بیان کے مطابق سینٹ جرمین کے چرچ کی گھنٹی بجتے ہی یہ قتل عام شروع ہو گیا۔ فرانس کا امیر البحر کولگنی اپنے گھر میں قتل کر دیا گیا۔ اس کا سر کاٹ کر لاش کھڑکی سے باہر گلی میں پھینک دی گئی۔ اسکا جُثّہ کئی رنگ میں بے حرمتی کرنے کے بعد اُلٹا لٹکا دیا گیا۔ اس کے بعد وحشی قاتلوں نے شہر کا صفایا کر دیا۔ تین دن میں دس ہزار لورڈ اور شرفا اور دیگر لوگ تہ تیغ کئے گئے۔ قاتلوں کے شور مظلوموں کی آہ وفغاں اور زخمیوں کی چیخ پکار سے قیامت برپا تھی۔ مقتولوں کے جسم کھڑکیوں سے باہر پھینکے اور بازاروں اور سڑکوں پر گھسیٹے گئے اور اس سلسلہ میں بچوں اور بوڑھوں، مردوں اور عورتوں میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا گیا۔ پیرس سے اُٹھ کر یہ طوفان سارے ملک میں پھیل گیا۔ جا بجا پرٹسٹنٹ مردوں اور عورتوں پر طرح طرح کی زیادتیاں اور سختیاں کی گئیں۔ انکے ناک کان وغیرہ کاٹے گئے۔ اور یہ سب کچھ خدا کی عزت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا۔'' (کتاب مذکور صفحہ نمبر ۱۳۰)

1۔ رپورٹ صفحہ نمبر ۱۹۳

استعمال کرتے ہوئے ہائی کورٹ کے دو معزز ججوں یعنی چیف جسٹس محمد منیر اور جسٹس محمد رستم کیانی پر مشتمل تحقیقاتی عدالت کا اعلان کر دیا۔ اور ہدایت کی کہ مندرجہ ذیل دائرہ شروط کے اندر رہ کر فسادات کی تحقیقات کریں۔

ا۔ وہ کیا کوائف تھے جن کی وجہ سے ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء کا اعلان کرنا پڑا۔

۲۔ فسادات کی ذمہ واری کس پر ہے۔

۳۔ صوبے کے سول حکام نے فسادات کے حفظ ماتقدّم یا تدارک کے لئے جو تدابیر اختیار کیں آیا وہ کافی تھیں یا ناکافی۔'' ۱

تحقیقاتی عدالت نے یکم جولائی ۱۹۵۳ء کو اپنا کام شروع کیا۔ پہلے شہادتیں قلمبند کی گئیں۔ جن کا سلسلہ ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء تک جاری رہا۔ پھر بحث کی سماعت کی گئی۔ جو ۲۸ فروری ۱۹۵۴ء کو ختم ہوگئی۔ فاضل ججوں نے کار مفوضہ کی تکمیل کے لئے نو ماہ تک جس لگاتار کوشش و مصروفیت سے کام کیا اور جس دلی توجہ اور محنت سے انجام دیا وہ ہر پاکستانی کے لئے لائق صد شکریہ ہے۔ انہوں نے تحقیقات کے متعلق ایک ضخیم رپورٹ تیار کر کے پاکستان کی ایک ناقابل فراموش خدمت سرانجام دی ہے۔ اگر اس رپورٹ کے حسب منشاء پاکستان کی گورنمنٹیں صوبائی ہوں یا مرکزی قانون و انتظام کے مسائل کو سیاست' خود غرضی اور ہر دلعزیزی کی خواہش سے مبرّا رکھیں اور عدل و انصاف کی میزان کو ہر حال میں قائم رکھیں۔ تو بفضلہٖ تعالیٰ پاکستان میں اس قسم کے فسادات کا کریہ منظر پھر کبھی دیکھنے میں نہیں آ سکتا۔ لیکن اگر یہ نصیحت پسِ پشت ڈال دی گئی تو پھر جیسا کہ فاضل ججوں نے رپورٹ کے آخری فقرہ میں لکھا ہے :۔

اگر جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ قانون و انتظام کو سیاسی اغراض کے ماتحت کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ہی علیم و خبیر ہے کہ کیا ہوگا۔'' ۲*

---

* ہم نے اس تحقیقاتی عدالت کی اس رپورٹ کے صفحات دیئے ہیں جو اُردو زبان میں گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

---

۱ رپورٹ صفحہ ۲ ۲ رپورٹ صفحہ ۴۲۵

حِصّہ اوّل

(۱) تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک طائرانہ نظر

اور

(۲) دو ۲ کتابچوں ''محاسبہ'' اور ''تبصرہ'' کا مختصر جائزہ

سہو ونسیان لازمۂ بشریّت ہے۔اجتہادی غلطی ہر بشر سے ممکن ہے۔سچّوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِی [۱]

کہ میں تو ایک بشر ہوں جیسے تم بُھول جاتے ہو مَیں بھی بُھول جاتا ہوں۔جب مَیں بُھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔

نیز فرماتے ہیں۔میں بشر ہوں بہت ممکن ہے کہ تمھارے دو فریق میرے پاس مقدمہ لے کر آئیں۔اور ایک اُن میں سے اپنے دلائل کو خوب بنا سنوار کر پیش کرنے والا ہو۔اور دوسرا ویسا نہ کر سکے۔تو اگر میں اُس کی بحث سے متاثر ہو کر اسکے حق میں اُس چیز کا فیصلہ کر دوں جو اس کی نہیں۔تو میں اُس کے لئے آگ کا ٹکڑا کاٹتا ہوں۔[۲] یعنی صرف میرے فیصلے سے وہ جو اُسکا حق نہیں۔حق نہیں بن جائے گا۔

فاضل ججوں سے انتہائی دیانتداری اور محنت کے باوجود اپنی رپورٹ میں بعض ایسی باتیں درج ہو گئی ہیں جو بعض اوقات حالات سے ناواقفیت کی بناء پر کبھی سہو ونسیان سے اور کبھی ایک غلط ریکارڈ کو درست خیال کر لینے سے ہو جایا کرتی ہے۔مثلاً فاضل ججوں نے

---

[۱] ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ مجتبائی دہلی [۲] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ مجتبائی دہلی

حضرت بانیٔ جماعت احمدیّہ مرزا غلام احمد کو حضرت مرزا غلام مرتضٰی کا پوتا[۱] لکھا ہے حالانکہ وہ آپکے بیٹے تھے۔[۲]

اسی طرح لکھا ہے کہ احرار نے ۱۴ اگست کو یوم کشمیر منانے کا انتظام کیا۔[۳] حالانکہ ۱۴ اگست کو یوم کشمیر منانے کا انتظام آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے کیا تھا جس کے صدر حضرت امام جماعت احمدیہ اور ممبر ڈاکٹر سر محمد اقبال اور خان بہادر رحیم بخش اور سیّد محسن شاہ ایڈوکیٹ وغیرہ تھے۔[۴]

لیکن اس قسم کی غلطیاں رپورٹ کی اہمیت اور اسکی قدر و قیمت کو کم نہیں کرتیں۔

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ بلا شبہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس رپورٹ سے فسادات پنجاب کے جو مذہب کے نام پر کیئے گئے تھے بہت سے ایسے پہلو منظرِ عام پر آگئے ہیں جو بصورت عدم تحقیقات ہمیشہ کے لئے پردۂ خفا میں رہتے اور کبھی منظرِ عام پر نہ آتے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فاضل ججوں نے نہایت محنت اور اخلاص سے یہ رپورٹ تیار کرکے پاکستان کی ایک بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ کاش کہ پاکستانی معاشرے کے مختلف طبقات اور گروہ اس کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھیں۔ اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں۔ اور اربابِ سیاست اور ارکانِ حکومت اور قوم کے لیڈر اُن غلطیوں، غفلتوں اور کوتاہیوں کا پھر شکار نہ ہوں جن کا نتیجہ فسادات کی صورت میں نکلا۔ تا مستقبل میں پھر کبھی مملکتِ پاکستان میں ایسے فسادات ظہور پذیر نہ ہوں۔

رپورٹ پر ایک طائرانہ نظر

رپورٹ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے احراری تحریک کے متعلق جو منتج فسادات ہوئی مندرجہ ذیل حقائق نیّرِ تاباں کی طرح سامنے آجاتے ہیں۔

---

۱ رپورٹ صفحہ ۸ ۲ دیکھو تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد ۲ صفحہ ۲۶ مترجم سید نوازش علی و کتاب البریّہ مؤلفہ بانیٔ جماعت احمدیہ صفحہ ۱۳۴ حاشیہ ۳ رپورٹ صفحہ ۱۰ ۴ الفضل ۶ اگست ۱۹۳۱ء

(۱) تحریک کے بانی احرار تھے

رپورٹ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ احمدیّت کے خلاف تحریک کے بانی اور اسکے چلانے والے احرار تھے۔ فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''مرکزی حکومت کے سرکاری اعلان میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ احمدیوں کے خلاف شورش کو احراریوں نے منظّم کیا۔''[۱]

ہوم سیکرٹری صوبہ پنجاب نے اپنی یادداشت میں لکھا:۔''اس میں کوئی شک نہیں کہ اس معاملے میں جارحیت کے ذمہ وار احرار ہیں۔ اور اس پورے مناقشے کے بانی مبانی بھی وہی ہیں... حکومت صرف احرار کی برپا کی ہوئی شورش کو روکنے کی غرض سے احرار ہی کو لگام دینا چاہتی ہے۔''[۲]

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''سِول عدالت کا سارا سروسامان احرار ہی کا کیا دھرا تھا۔ آل مسلم پارٹیز کانفرنس بھی احرار ہی کی ساختہ پرداختہ تھی۔ اور اسکی کاروائیوں پر بھی انہی کا غلبہ رہتا تھا۔ مجلس کے بعض ممبر جو دوسری جماعتوں کے نامزد کئے ہوئے تھے وہ بھی اصل میں احراری ہی تھے۔''[۳]

۲۔ احرار اب بھی پاکستان کے دُشمن ہیں

تحقیقاتی عدالت اپنی رپورٹ میں ایک ثابت شدہ حقیقت کے طور پر یہ تسلیم کرتی ہے کہ احرار قیامِ پاکستان کے مخالف تھے اور اب بھی مخالف ہیں۔

(۱) فاضل جج لکھتے ہیں:۔

'خواجہ ناظم الدین نے احرار کو دشمنِ پاکستان قرار دیا۔ اور وہ اپنی گزشتہ سرگرمیوں کی وجہ سے اسی لقب کے مستحق تھے۔ ان کے بعد کے رویے سے یہ واضح ہو گیا۔ کہ نئی مملکت کے وجود میں آنے کے بعد وہ اسکے مخالف ثابت ہوئے۔''[۴]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۴۹ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۷ [۳] رپورٹ صفحہ ۲۷۷ [۴] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

(۲) حکومت کا مرکزی اعلان:۔

''احرار کے ماضی سے ظاہر ہے کہ وہ تقسیم سے پیشتر کانگرس اوران دوسری جماعتوں سے مل کر کام کرتے تھے۔جو قائداعظم کی جدوجہد کے خلاف صف آراء ہو رہی تھیں۔جو مرحوم نے دونوں کی آزادی کے لئے جاری کر رکھی تھی۔اِس جماعت نے اب تک پاکستان کے قیام کو دل سے گوارہ نہیں کیا۔'' [۱]

(۳) مسٹر دولتانہ کا اعلان۔مسٹر دولتانہ نے ۱۰/مارچ ۱۹۵۳ء کے اعلان میں کہا:۔

''پاکستان کے مخالف تفرقہ پرداز گروہ پاکستان کی سلامتی اوراستواری کو نقصان پہنچانے کی غرض سے تحریک تحفّظ ختم نبوت سے فائدہ اُٹھا کر نظمِ حکومت کو درہم برہم کرنے اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے بدنظمی کی آگ بھڑکا رہے تھے۔'' [۲]

ڈی آئی جی سی آئی ڈی نے اپنی چٹھی مؤرخہ ۲ اپریل ۱۹۵۲ء میں احرار کو کانگریس پٹھو ظاہر کرکے لکھا:۔

''اِن میں سے بعض اب بھی کانگرس ہی کے وفادار ہیں مشہور احراری حبیب الرحمٰن تقسیم کے بعد اس صوبے کو چھوڑ کر بھارت چلا گیا۔**بعض احراری اپنے دلوں کی گہرائیوں میں اب تک پاکستان کے غدّار ہیں۔** وہ بظاہر ایک مذہبی پلیٹ فارم پر کام کررہے ہیں لیکن اُن کا مقصد ملک کی خدمت کرنا نہیں بلکہ اپنی بگڑی ہوئی ساکھ کو ازسرِنو قائم کرنا ہے۔'' [۳]

(۴) فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''مولوی محمد جالندھری نے ۱۵ فروری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں تقریر کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ احرار پاکستان کے مخالف تھے اوراُن کے عقیدے کی وجوہ عنقریب لوگوں پر ظاہر ہو جائیں گی۔اس مقرر نے تقسیم سے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۵۰ [۲] رپورٹ صفحہ ۱۷۳ [۳] رپورٹ صفحہ ۴۹

پہلے اور تقسیم کے بعد پاکستان کے لئے پلیدستان کا لفظ استعمال کیا۔اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی تقریر میں کہا پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔'' ۱؎

احراری احمدیوں کے متعلق اپنی تقریروں میں کہتے رہے ہیں کہ وہ غدّار ہیں اور پاکستان کے وفادار نہیں (رپورٹ صفحہ ۲۰) لیکن اللہ تعالیٰ نے تحقیقاتی عدالت کے ذریعہ حقیقت بالکل آئینہ کردی۔

۳۔احراری تحریک کی اصل غرض سیاسی تھی نہ دینی

(۱) فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''یہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اب تک احراریوں نے احمدیوں کے خلاف نزاع کو اپنے اسلحہ خانے سے ایک سیاسی حربے کے طور پر باہر نکالا۔'' ۲؎

پھر لکھتے ہیں

''احرار کے رویّے کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔اُن کا طرزِ عمل بطور خاص مکروہ اور قابلِ نفرین تھا۔اس لئے کہ انہوں نے **ایک دنیاوی مقصد کے لئے ایک مذہبی مسئلے کو استعمال کرکے اس مسئلہ کی توہین کی۔**'' ۳؎

(۲) مرکزی حکومت نے اپنے سرکاری اعلان میں لکھا:۔

''ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کریں۔اور پاکستان کے استحکام کے متعلق عوام کے اعتماد کو نقصان پہنچائیں۔اس شورش کا یہ مقصد بالکل واضح ہے کہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر فرقہ وار اختلاف کی آگ کو بھڑکایا جائے۔اور مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کردیا جائے۔'' ۴؎

۱؎ رپورٹ صفحہ ۲۷۵ ۲؎ رپورٹ صفحہ ۲۷۵ ۳؎ رپورٹ صفحہ ۲۷۸ ۴؎ رپورٹ صفحہ ۱۵۰

تحریک ختمِ نبوّت سیاسی مقصد کے لئے تھی

گورنر پنجاب:۔ ''یہ یقین کیا جاتا ہے اور غالباً صحیح بھی ہے کہ احرار ہر دلعزیزی حاصل کر کے اپنے سیاسی مقصد کے پیش بُرد کے لئے ختم نبوّت کی تحریک سے کام لینا چاہتے ہیں۔''[۱]

تحریک کا مقصد بدنظمی اور لاقانونی پیدا کرنا تھا

احمدیوں کی مخالفت سے جو احرار کی اصل غرض تھی وہ ماتحت افسروں کو بھی نظر آ رہی تھی

(۱) مثلاً سپرنٹنڈنٹ پولیس سرگودھا نے احراریوں کی تقریروں کے متعلق اپنی رپورٹ میں لکھا ''احراری کارکن امن اور سلامتی کو برباد کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ان کا ظاہری مقصد تو احمدیوں کی مذمّت کرنا ہے لیکن اندرونی مقصد یہ ہے کہ بدنظمی اور لاقانونی پیدا کی جائے۔''[۲]

یہ تحریک آئینی نہیں

(۲) مسٹر انور علی ڈی آئی جی سی آئی ڈی نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو صورتِ حالات کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

''اضلاع کے جاہل اور ناخواندہ ملاّؤں نے جرأت پا کر صوبے کے دُور دست مقامات پر بھی احمدیوں پر حملے شروع کر دئے ہیں۔ یہ تحریک آئینی نہیں ہے۔اور اس کے پھیلانے کے لئے قابلِ اعتراض طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں۔''[۳]

اور ہوم سیکرٹری نے لکھا کہ احرار اور بعض دوسرے مسلمانوں کی سرگرمیوں'' کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ملک کے باشندوں کی ایک قلیل سی

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۲۸ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۳۸ [۳] رپورٹ صفحہ ۱۱۶

جماعت کو جسمانی یا مذہبی اعتبار سے نابود کر دیا جائے۔“ [۱]

۴۔لوگوں کو احمدیوں کے خلاف مشتعل کرنے کے لئے احرار کی چالیں

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ سے احرار اور اُن کے رفیق کار علماء کی بعض اُن چالوں کا بھی پتہ لگتا ہے۔ جو اُنہوں نے احمدیوں کے خلاف لوگوں کو اُکسانے اور اشتعال دلانے کے لئے اختیار کیں۔

(۱) سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر مذہب کا ناجائز استعمال

رپورٹ اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ احراریوں نے اپنے سیاسی اور دنیوی اغراض کے حصول کے لئے مذہب کو آلۂ کار بنایا۔اور اپنے حریفوں کو مغلوب کرنے کے لئے اسلام کو بطور حربہ استعمال کیا۔اور عوام کے جزبات اور حسّیات کو مذہب کے نام پر مشتعل کر کے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔فاضل جج اُن کی اس چال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”اسلام اُن کے لئے ایک حربے کی حیثیت رکھتا تھا۔جسے وہ کسی سیاسی مخالف کو پریشان کرنے کے لئے جب چاہتے بالائے طاق رکھ دیتے۔اور جب چاہتے اُٹھالیتے۔کانگرس کے ساتھ سابقہ پڑنے کی صورت میں تو اُن کے نزدیک مذہب ایک نجی معاملہ تھا۔اور وہ نظریۂ قومیت کے پابند تھے لیکن جب وہ لیگ کے خلاف صف آراء ہوئے تو ان کی واحد مصلحت اسلام تھی۔جس کا اجارہ انہیں خدا کی طرف سے ملا ہوا تھا۔اُن کے نزدیک لیگ اسلام کیطرف سے بے پرواہی نہ تھی بلکہ دشمن

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۷۰

اسلام بھی تھی اُن کے نزدیک ''قائداعظم''، ''کافراعظم'' تھے۔ اسلامی طرز زندگی صرف اُنہی کو معلوم تھی اور مسلم لیگ کا ہر شخص مذہب سے سخت بیگانہ ہوکر زندگی بسر کررہا تھا۔''[1]

انہوں نے کہا کہ مسٹر جناح کی زندگی غیر اسلامی اور مسلم لیگ کے لیڈر ''بےعملوں'' کی ٹولی ہے۔''[2]

نیز اُن کے لیڈر مولانا اظہر علی مظہر کا یہ شعر ہے:۔

''اِک کافر کے واسطے اسلام کو چھوڑا۔ یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافراعظم''

فاضل جج یہ شعر نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

''مولانا مظہر علی اظہر نے ہمارے سامنے نہایت خیرہ چشمی سے یہ اظہار کیا کہ (قائداعظم کے متعلق) وہ اب تک اِسی خیال پر قائم ہیں۔ احرار نے اپنی تقریروں میں صرف یہی نہیں کہا کہ قائداعظم نے ایک پارسی خاتون سے شادی کی تھی بلکہ یہ اعتراض بھی کیا کہ قائداعظم اب تک حج کے لئے مکہ معظّمہ کیوں نہیں گئے۔''[2]

اور یہی چال احراریوں نے احمدیوں کے خلاف شورش برپا کرنے کے لئے اختیار کی۔ اور ختم نبوت کے مسئلہ کو اپنی سیاسی اور دنیوی اغراض کے حصول کے لئے بطور حربہ استعمال کیا۔

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اب احراریوں نے احمدیوں کے خلاف نزاع کو اپنے اسلحہ خانے سے ایک سیاسی حربے کے طور پر باہر نکالا۔ اور جو واقعات اس کے بعد پیش آئے وہ اس امر کی بیّن شہادت ہیں کہ وہ سیاسی جماعت کی حیثیت سے نہایت فہیم اور چالاک ہیں۔ انہوں نے سوچا اگر وہ عوام کے جزبات کو احمدیوں کے خلاف برانگیختہ کردیں گے تو کوئی ان کی مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا اور ان کی سرگرمی کی جتنی بھی

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۲ [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۴

مخالفت کی جائیگی اسی قدر وہ ہر دلعزیز اور مقبول عام ہو جائیں گے اور بعد کے واقعات سے ظاہر ہو گیا کہ اُن کا یہ مفروضہ بالکل صحیح تھا۔'' [۱]

انہوں نے

''ایک دنیاوی مقصد کے لئے مذہبی مسئلے کو استعمال کر کے اس مسئلہ کی توہین کی اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے عوام کے مذہبی جزبات وحسّیات سے فائدہ اٹھایا۔'' [۲]

دوسری چال

بے بنیاد اور جھوٹے الزامات

احراریوں نے احمدیوں کے خلاف ایک نہایت مکروہ اور قابلِ نفرین یہ چال چلی کہ ان پر بالکل بے بنیاد اور خطرناک الزامات لگا کر عوام الناس کے جزبات کو ان کے خلاف حد درجہ مشتعل و برانگیختہ کر دیا بطور مثال چند الزامات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ ضلع گورداسپور کا بھارت سے الحاق

احراریوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ نہایت وسیع پیمانہ پر لغو و باطل پروپیگنڈا کیا۔ کہ ضلع گورداسپور کے بھارت سے الحاق کا باعث احمدی ہیں۔ اور اسی الحاق کی وجہ سے پاکستان کو مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ ناپاک الزام جتنا بے بنیاد تھا اُتنا ہی اشتعال انگیز اور فتنہ خیز بھی جب یہ پروپیگنڈا انتہاء تک پہنچا دیا گیا تو مرکزی حکومت کو توجہ پیدا ہوئی اور اس نے ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ اور اس الزام کا باطل اور بے بنیاد ہونا ظاہر کر کے یہ بھی لکھا کہ بونڈری کمیشن کی فائل دیکھ کر اور اس الزام کا بے بنیاد ہونا معلوم کر کے اسکے غلط ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اور جو شخص فائل دیکھنا چاہے وہ دیکھ سکتا ہے لیکن احراری اسکے بعد بھی بعض نہ آئے۔ اور اپنی تقریروں میں اس الزام کا ذکر کر کے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۷۶ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

برابر اشتعال پھیلاتے رہے۔ رپورٹ میں لکھا ہے کہ

''احراری مقررین کئی دفعہ اپنی تقریروں میں کہہ چکے ہیں کہ مرزا محمود اور چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کی غدّاری ہی کی وجہ سے ضلع گورداسپور بھارت میں شامل ہو گیا اور پاکستان کو نہ مل سکا۔'' [۱]

فاضل ججوں نے اس الزام کو احمدیوں کے خلاف معاندانہ اور بے بنیاد الزام قرار دیا ہے۔ اور تحقیقاتی عدالت کے صدر جسٹس منیر نے جو بونڈری کمیشن کے ممبر تھے اس الزام کا باطل ہونا ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ:۔

''احمدیوں کے خلاف معاندانہ اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں کہ بونڈری کمیشن کے فیصلے میں ضلع گورداسپور اس لئے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا کہ احمدیوں نے ایک خاص رویّہ اختیار کیا اور چوہدری ظفراللہ خاں نے جنہیں قائداعظم نے اس کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے پر مامور کیا تھا خاص قسم کے دلائل پیش کئے لیکن عدالت **ہذا کا صدر جو اس کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفراللہ خاں نے گورداسپور کے معاملے میں کی تھی۔** یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہے۔ اور جس شخص کو اس مسئلے سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے۔ **چوہدری ظفراللہ خاں نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ ان کے باوجود بعض** جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں اُن کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا ثبوت ہے۔'' [۲]

۲۔ جنگ شاہی کے حادثہ کی ذمہ واری کا احمدیوں پر الزام

لائکپور ۲۶۔۲۷ ستمبر ۱۹۵۲ء کو زیر اہتمام آل مسلم پارٹیز کنوشن ایک ''ختم نبوت

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۲۵ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۰۹

کانفرس''منعقد ہوئی ۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ختمِ نبوت کانفرنس کی لاج رکھنے کے لئے احمدیوں پر یہ الزام لگایا۔

''کہ لاہور چھاؤنی کے پاس اور جنگ شاہی کے قریب ہوائی جہازوں کے جو حادثے پیش آئے ہیں اور جن میں جنرل افتخار خاں اور جنرل شیرخان ہلاک ہوگئے اُن کی ذمہ واری مرزائیوں پر ہے۔''

ان تقریروں پر جولائلپور میں ہوئیں۔مسٹر انور علی ڈی۔آئی۔جی سی آئی ڈی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

''یہ بیان بالکل جھوٹ ہے کہ جنگ شاہی یا لاہور چھاؤنی کے ہوائی حادثوں میں مرزائیوں کا ہاتھ تھا کیونکہ جنگ شاہی کے حادثے میں جو اشخاص ہلاک ہوئے ۔اُن میں جنرل شیرخاں بھی تھے جوخود مرزائی تھے۔احرار کی تقریریں صرف زہریلی ہی نہیں بلکہ ناشائستہ اور مکروہ ہیں۔'' [۱]

۳جسٹس سکیمپ کی طرف ایک فیصلہ کا جھوٹا اِنتساب

فاضل جج اپنی رپورٹ میں احراریوں کے ایک پوسٹر کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:۔

''یہ پوسٹر بھی فحش و ناشائستہ مواد سے لبریز ہے۔اس میں جسٹس سکیمپ کے ایک فیصلے کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس میں جسٹس موصوف نے مرزا صاحب سے خرابیِ اخلاق منسوب کی ہے۔حالانکہ دراصل جسٹس سکیمپ نے ایک ایسی تحریر کا اقتباس نقل کیا ہے جس کے خلاف احمدیوں نے اعتراض کیا تھا یہی تحریر اس طریقے سے ایک اور قابلِ اعتراض کتاب''جانباز پاکٹ بک''میں نقل کی گئی تھی۔اور ہم میں سے ایک نے اسی بناء پر کتاب کے مصنّف کو توہین عدالت کی پاداش میں ایک ماہ کی قید کی سزادی تھی۔'' [۲]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۲۱ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۳۷

۴۔ سازش راولپنڈی کے متعلق جھوٹا پروپیگنڈا

فاضل جج لکھتے ہیں۔ ''مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۵ اپریل ۱۹۵۱ء کو منٹگمری کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

''ان کے پاس اس امر کی تحریری شہادت موجود ہے کہ سازش راولپنڈی سے احمدیوں کا تعلق ہے۔ یہ بلاشبہ ایک مہمل بات تھی اور مسٹر انور علی نے بالکل صحیح کہا کہ اس سے غیظ وغضب پیدا ہوگا۔ لہذا تنبیہ ہونی چاہئے۔''

یہ ذکر کر کے فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''یہ واضح طور پر نفرت کی تلقین تھی اور نفرت بھی نہایت مکروہ قسم کی کیونکہ نہ تو **مولوی محمد علی ایسے اہم تھے** کہ ایسی شہادت اُن کے قبضے میں ہوتی اور نہ کوئی ایسی تحریر اسکے بعد مقدمہ سازش کے ٹریبونل کے سامنے پیش کی گئی۔ لیکن اس قسم کی شبہ انگیز خبر نہایت آسانی سے لوگوں کے دماغوں میں گھر کر لیتی ہے اور اس کا کوئی ثبوت پیش کیا جائے یا نہ کیا جائے سامعین اسکو بالکل صحیح اور شک وشبہ سے بالا سمجھ لیتے ہیں۔''

فاضل جج اپنی یہ رائے ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

''ڈی آئی جی نے حسب سابق تنبیہ کرنے کی تجویز کی لیکن حسب سابق کوئی تنبیہ نہ کی گئی مسٹر دولتانہ نے اُن کی یادداشت پر محض مختصر دستخط ثبت کر دئے۔ انہوں نے اپنی شہادت میں (موجودہ یادداشت کی نسبت نہیں) یہ صراحت کی ہے کہ جو فائلیں اُن کے پاس بغرض اطلاع بھیجی جاتی تھیں اُن پر وہ صرف اپنے مختصر دستخط کر دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ فائل تو کسی قطعی اقدام کی متقاضی تھی۔'' [۱]

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۲۹

۵۔خان لیاقت علی خان کے قتل میں احمدیوں کا ہاتھ

احراریوں کی کانفرنس کے (جس کا نام ’’صوبہ کانفرنس‘‘ یا ختم نبوت کانفرنس‘‘ یا ’’دفاع کانفرنس‘‘ تھا) ایک اجلاس میں جو ڈپٹی کمشنر ضلع منٹگمری مسٹر چیمہ کی صدارت میں ہورہا تھا

’’قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے یہ کہہ دیا کہ قائد ملّت کے قتل میں (جو گزشتہ اکتوبر میں ہوا تھا) احمدیوں کا ہاتھ تھا۔‘‘ [۱]

اور کہا ’’مرزائیوں سے خبردار رہو یہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور حکومت پاکستان کو چاہئے کہ خان لیاقت علی خاں کے قتل کی تحقیقات کرتے وقت انکو ذہن میں رکھے ان کو پاکستان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔‘‘

فاضل ججوں نے اس تقریر پر طنزیہ ریمارک لکھا ہے:۔

’’ان لوگوں کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ یہ تمام قومی مصائب کی تحقیقات کے گمشدہ سلسلے دریافت کرنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔‘‘ [۲]

۶۔احمدیوں پر جاسوسی کا الزام

فاضل جج لکھتے ہیں:۔’’اکتوبر ۱۹۵۱ء میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مظفر گڑھ میں تقریر کی جس میں تقسیم کے متعلق احمدیوں کے رویّے کی نسبت اپنے اکثر خیالات کا اعادہ کیا اور ایک نیا راگ اسمیں شامل کردیا۔ کہ

’’ایک احمدی جاسوس ایک شخص گوپال داس کی معیّت میں گرفتار کیا گیا ہے اور میں نے حکومت کو اس سلسلے میں عمدہ معلومات مہیّا کی ہیں۔‘‘

اس پر فاضل جج لکھتے ہیں:۔

’’کیا عام سیدھے سادے لوگ تصوّر کرسکتے ہیں کہ یہ بذرگ اپنی کُہن

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۶ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۳۵

سالی کے بوجھ سے زیربار ہونے کے باوجود شمشیر کی طرح تیز ہے۔ گوپال داس کے ساتھی کے متعلق ایسی کہانی تصنیف کرے گا جس کو سچائی سے کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں؟ اگر یہ سچ ہو تو کیا اس سے ''غداروں'' کے خلاف شدید جزبات مشتعل نہ ہوں جائیں گے؟ اگر آپ یہ جانتے ہوئے کہ اس تقریر کی بناء جھوٹ پر ہے اس کو نظر انداز کر رہے ہیں تو یہ مقرر کے سفید بالوں کا احترام تو شاید ہو لیکن آپ اس مرض سے تغافل کر رہے ہیں جو اُس نے آپکی قوم میں پھیلا دیا ہے۔'' [۱]

۷۔ اخلاقی الزام

فاضل جج لکھتے ہیں ۲۶۔۲۷ نومبر ۱۹۴۹ء کو احرار نے سیالکوٹ میں تبلیغ کانفرنس منعقد کی اسمیں گیارہ ہزار حاظرین کے سامنے ماسٹر تاج الدین مولوی محمد حیات۔ مولوی محمد علی جالندھری۔ شیخ حسام الدین۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریریں کیں اور ان سب نے احمدیوں کو احمدیت کے بانی کو۔ احمدی لیڈروں کو اور چوہدری ظفر اللہ خان کو گالیاں دیں۔ اس جلسہ میں جو تقریریں کی گئیں اُن کا ایک نمونہ مولوی محمد حیات کی تقریر کی روداد میں ملے گا۔ (ملاحظہ ہو رپورٹ صفحہ ۱۶)

پھر مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا بہتان ملاحظہ فرمایئے:۔

''ہندوستان نے تو صرف ایک لاکھ مسلمان لڑکیوں کو محبوس کر رکھا ہے لیکن اگر مرزائی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو وہ چار لاکھ لڑکیوں کو بے آبرو کر دیں گے۔'' [۲]

ناخواندہ عوم الناس کی حالت قابل رحم ہے جبکہ علماء کی جو بچوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی گدّی پر بیٹھنے کے مدعی ہیں یہ حالت ہو کہ وہ جھوٹ بولنے اور بناوٹی واقعات کے بیان کرنے سے پرہیز نہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعید شدید سے ذرا بھی نہ ڈریں۔ کیا ان مدعیانِ علم وفضل کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ لوگ جو کسی پر زنا کی تہمت لگاتے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۳۰ [۲] رپورٹ صفحہ ۴۸

ہیں اور اسکے چار عینی شاہد پیش نہیں کر سکتے اسلام میں اُس کی سزا یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع میں اُن کے اسّی دُرّے لگائے جائیں اور آئندہ اُن کی شہادت قبول نہ کی جائے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

۸۔ علاوہ ازیں احراری مقررین نے احمدیوں پر یہ الزام لگایا کہ

''مرزائی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتے ہیں۔'' [۱]

اور ایک بے علم شخص محمدؐ اشرف نے علماء کے اس افترا و بہتان کو سچ خیال کر کے احمدی مدرس غلام محمد قتل کر دیا۔'' [۲]

نیز احمدیوں پر یہ الزام لگایا کہ:۔

''وہ غدار ہیں۔اور پاکستان کے وفادار نہیں۔'' [۳]

لیکن اللہ تعالیٰ نے عدالت کے ذریعہ ظاہر کر دیا ہے۔کہ احمدیوں پر غدّاری اور عدم وفاداری کا الزام لگانے والے درحقیقت خود پاکستان کے دشمن اور غدار ہیں اور وہ صرف پاکستان بننے سے پہلے ہی اس کے وجود میں آنے کے مخالف نہیں تھے بلکہ انہوں نے اب تک بھی پاکستان کے قیام کو دل سے گوارہ نہیں کیا ہے۔ [۴]

تیسری چال

شورش کو مرکزی وزراء کی تائید حاصل ہے

احراریوں نے عوام الناس پر اپنا رعب قائم کرنے اور اثر ڈالنے کے لئے ایک چال یہ چلی کہ انہوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ انہیں مرکزی حکومت کے بعض وزراء کی تائید حاصل ہے چنانچہ سیکرٹری حکومت پنجاب نے لکھا ہے کہ

''اس کیس میں احرار نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ انکی شورش کو مرکزی یا اسکے حکومت کے بعض وزراء وحکام کی تائید حاصل ہے۔سی آئی ڈی کی رپورٹ مظہر ہے کہ شہروں میں یہ بات سرگوشیوں کے ذریعہ سے پھیلائی

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۵ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۵ [۳] رپورٹ صفحہ ۲۱ [۴] ملاحظہ ہو رپورٹ صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۷۳

جارہی ہے۔'' ۱؎

ہوم سیکرٹری نے اپنی یادداشت میں اس پروپیگنڈے کا یہ اثر لکھا کہ:۔

''اب عوام الناس کا احساس یہ ہے (گو یہ احساس ہرگز حق بجانب نہیں) کہ عزت مآب وزیر خارجہ کے بعض رفقائے کار اس شورش کی پشت پر ہیں۔ورنہ اسکی کیا وجہ ہے کہ وہ اُن کے خلاف توہین ودُشنام کو نہایت بےفکری سے نظرانداز کررہے ہیں۔'' ۲؎

پاکستان میں احمدیوں کی حکومت

احرار نے تو ایک طرف یہ کہہ کر کہ بعض مرکزی وزراء اُن کی پشت پر ہیں لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا اور دوسری طرف یہ کہہ کرانہیں دہشت زدہ کیا کہ

''پاکستان پراحمدیوں کی حکومت ہے جو ملک کے غدّار ہیں۔اس مقصد کی خاطر فوجی اورغیرفوجی احمدی عہدیداروں کی فہرستیں اکثر شائع کی جاتی ہیں۔'' ۳؎

الغرض یہ مختلف قسم کی چالیں تھیں جو مدعیانِ علم وفضیلت احراریوں اوراُن کے رفقاء نے لوگوں کواحمدیوں کے خلاف جزبات کو برانگیختہ کرنے کے لئے اختیار کیں۔

۵۔احمدیوں کی مظلومانہ حالت

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کا دامن احمدیوں پرظلم وستم، جبروتشدّد اوراُن کی توہین وتذلیل کی داستانوں سے پُر ہے۔ان پرخطرناک بہتان باندھے اور بےبنیاد الزام لگائے گئے۔وہ طرح طرح کے سبّ وشتم اور لعن طعن کا نشانہ بنائے گئے۔انکو جلسوں،مجمعوں،سڑکوں اورگلی کوچوں میں فحش گالیاں دی گئیں۔ایک عام اشتعال اورغیظ وغضب پھیلادینے کے لئے خودساختہ باتیں اُن کی طرف منسوب کرکے مشہور کی گئیں جلوسوں میں ان کے خلاف گندے اوردل آزار نعرے لگائے گئے اورنہایت ایذاں رساں

۱؎ رپورٹ صفحہ۴۷ ۲؎ رپورٹ صفحہ۳۷ ۳؎ رپورٹ صفحہ۲۱

کارٹو ن بنائے اور پھیلائے تحریروں،تقریروں اور فتووں میں گئے اُن کومرتد زندیق قرار دے کر عوام کو کھلے بندوں اُن کے قتل وغارت کی ترغیب دی گئی ۔اور اس صدی کے علماء کرام کا دماغ انکو صفحۂ عالم سے نیست ونابود کر دینے کی جو تدابیر سوچ سکتا تھا اُن کے سوچنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش میں کوئی کمی نہ کی گئی ۔اس سلسلہ میں احراریوں اور انکے رفقاءِ کار کی چند کارروائیوں کا ذکر بطور نمونہ مشتے از خروارے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ سے درج ذیل ہے:۔

(الف) احمدیوں کے قتل کی ترغیب

ا۔رپورٹ میں بحوالہ یادداشت مرقومہ مسٹر انور علی ڈی آئی جی سی آئی ڈی لکھا ہے:۔

''احراریوں کا طرزِ عمل نہایت شر انگیز ہے اور انہوں نے جان بوجھ کر یہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے تاکہ احمدیوں کے خون سے کھیل کر ارزاں ہر دلعزیزی حاصل کریں ۔یہ کہنا کہ احمدی زندیق ہیں لہذا مستوجبِ قتل ہیں اور مسلمانوں کو صرف نمازی نہیں بلکہ غازی بھی بننا چاہئے اسکے سوا اور کوئی مطلب نہیں رکھتا کہ احمدیوں کو تہ تیغ کر دیا جائے۔'' [۱]

۲۔ ''اطلاعات کے مطابق بعض احراری مقررین نے اپنی تقریروں میں کہا ہے کہ مرزائی مرتد ہیں اور احکام اسلامی کے مطابق واجب القتل ہیں۔'' [۲]

(نیز ملاحظہ ملاحظہ ہوں احراری علماء کی تقریریں مندرجہ رپورٹ صفحہ ۱۱۹۔۱۲۴۔۳۳۷۔۳۶۲ وغیرہ)

۳۔ اسی طرح رپورٹ میں لکھا ہے۔

''سی آئی ڈی نے دورانِ مراسلت میں ایک چٹھی پکڑی جس میں لکھا تھا کہ جو شخص وزیر خارجہ کو قتل کرے گا اسکو جنت الفردوس میں جگہ ملے گی۔'' [۳]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۴۴ [۲] رپورٹ صفحہ ۱۱۳ [۳] رپورٹ صفحہ ۳۴۱

۴۔ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی ایک تقریر میں اعلان کیا
''کہ اگر مرزا غلام احمد نے آجکل کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو وہ اُنہیں اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیتے۔ اس جلسے کے حاضرین میں سے ایک آدمی سچ مُچ اُٹھ کر کہنے لگا کہ میں چوہدری ظفر اللہ خاں کو ہلاک کرنے کے لئے تیار رہوں اور ایک اَور موقع پر مرزا بشیر الدین محمود احمد کو ہلاک کر دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی گئی۔'' [۱]

(ب) احمدیوں کو گالیاں

۱۔ مسٹر انور علی ڈی آئی جی سی آئی ڈی نے یادداشت میں لکھا:۔
''جتنا وقت گزرتا گیا۔ تقریروں کا لہجہ بد سے بدتر ہوتا چلا گیا۔۔۔ احرار نے اپنی پوری توجہ احمدیوں کی بدگوئی پر مرتکز کر دی۔ اور نہایت شرمناک دُشنام طرازی کا آغاز کر دیا۔'' [۲]

۲۔ مسٹر نذیر احمد ایس پی (B) نے یادداشت میں لکھا کہ احرار
''عام طور پر اپنی تقریروں میں مرزا غلام احمد کو دجّال' کذّاب اور زانی اور چوہدری ظفر اللہ خاں کو غدّار اور دشمن پاکستان کہتے ہیں۔'' [۳]

تقریروں کا نمونہ:۔ احراری مقررین کی تقریریں اتنی گندی ہوتی تھیں کہ اُن کے ذکر سے اجتناب ہی مناسب ہے۔ ہم یہاں بطور نمونہ مولوی محمد علی جالندھری کی تقریر کو پیش کرتے ہیں۔ مولوی موصوف نے ۲۵۔ اگست ۱۹۵۲ء کو منٹگمری کے احراری جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یوں گوہر افشانی کی:۔

''مرزائیت کوئی مذہب نہیں بلکہ تماشا ہے۔ اور مرزائی چوڑوں چماڑوں سے بدتر ہیں۔۔۔ مرزائے قادیان بدچلن آدمی تھا۔ اس کی حرم سرا کے معاملات کے سلسلہ میں کئی آدمی قتل کر دئے گئے۔ مرزائیوں کو اپنے پانی کے نلوں سے پانی بھرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے۔ اور اُن کے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۲۷ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۰ [۳] رپورٹ صفحہ ۱۲۵

ساتھ ایک تانگہ میں نہیں بیٹھنا چاہئے ۔ان کو مجبور کرنا چاہئے کہ دوبارہ اسلام قبول کرلیں یہ صحیح ہے کہ وزیر اعظم کے اعلان مؤرخہ ۱۴ اگست کے جواب میں چوہدری ظفر اللہ خاں کا جواب قابل اعتراض تھا۔لیکن چونکہ اس کے چوتڑوں پر بڑے زور کی لات پڑی اس لئے اس کا چیخنا قدرتی تھا۔''

یہ ذکر کر کے فاضل جج لکھتے ہیں :۔

''چیف منسٹر نے یہ رپورٹ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۲ء کو ملاحظہ فرمائی شائد اس مرحلے پر بھی کسی ''عام تنبیہ کی فکر کرنا'' غیر ضروری تھا۔لیکن قانون ملکی کہاں تھا؟ کیا اس تقریر پر کسی شخص کو شرم نہ آئی ؟ لیکن ہم بھول رہے ہیں حکومت کوئی کاروائی کرہی نہ سکتی تھی ۔کیونکہ سی آئی ڈی یا ہوم سیکرٹری نے کسی کاروائی کی تجویز نہ کی تھی ۔باقی رہا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کا معاملہ تو غالباً یہ لوگ اپنے دوسرے فرائض میں مصروف ہوں گے جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے مطابق تقسیم کے بعد اُن کے سپرد ہوئے ہیں یعنی ''بڑے آدمیوں کے استقبال کے انتظامات ۔'' [۱]

۲۔چونکہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو قائداعظم مرحوم نے وزیر خارجہ مقرر فرمایا تھا اور وہ بانیٔ پاکستان بھی تھے ۔اس لئے احراری جو دل سے اب بھی پاکستان کے دشمن ہیں ۔قائداعظم مرحوم کے متعلق بھی اس طرح گند اچھالتے رہے ۔مثلاً صاحبزادہ فیض الحسن آلومہاری نے سیّد امام علی کے عُرس کے موقع پر ۲۷ اگست ۱۹۴۸ء کو ضلع بھکر میں جو تقریر کی اس میں کہا:۔

''مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں نے جو ایک لاکھ مسلمان عورتوں کو اغوا کرلیا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ قائداعظم پاکستان کے گورنر جنرل بننے کے لئے بے حد مضطرب تھے ۔'' * [۲]

*اسی تقریر میں اُس نے یہ بھی کہا ۔''بیگم لیاقت علی خاں اور دوسری عورتیں جو پردہ نہیں کرتیں ۔سب بازاری عورتیں ہیں ۔(صفحہ ۱۵)

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۶۰ [۲] رپورٹ صفحہ ۱۵

اور عبدالرحمٰن میانوی نے چونڈہ ضلع سیالکوٹ کے جلسہ میں ۷۔مئی ۱۹۴۸ء کو اپنی تقریر میں کہا:۔

''مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام کہ ذمہ واری قائداعظم مرحوم پر ہے۔''[۱]

(ج) احراری تحریر کا نمونہ

۱۔فاضل جج ''ایک نہایت مکروہ افتتاحیہ'' کے زیر عنوان بحوالہ آزاد مؤرخہ ۱۲۔نومبر ۱۹۵۲ء جس کے ایڈیٹر ماسٹر تاج الدین تھے لکھتے ہیں:۔

''آخر کب تک اس ملک میں ایک زانی شرابی غنڈا بدمعاش جعلساز جھوٹے اور دجّال کے متعلق نبی ۔مسیح موعود ۔احمدؐ اور محمدؐ کے نام ہمارے کانوں میں ڈالے جائیں گے۔اور کب تک ایک ایسی عورت کے لئے جو ننگِ انسانیت ہے اُمت کی پاک اور باعصمت ماؤں کو اُن کی قبروں میں بےچین اور مضطرب کیا جائیگا۔''[۲] (یہ حوالہ مرزا غلام احمد اور ان کی اہلیہ کے متعلق ہے)

منٹگمری کے احمدیوں کی ایک احتجاجی قرارداد پر حکومت پاکستان نے بتاریخ ۲۱۔نومبر ۱۹۵۲ء حکومت پنجاب کو توجہ دلائی ۔ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی رپورٹ کے مطابق ڈی آئی جی نے ۲۴۔ دسمبر کے فیصلے سے دو دن بعد ۲۸ ۔ دسمبر کو یہ یادداشت لکھی ''کہ یہ مضمون زیر دفعہ ۱۵۳الف وزیر دفعہ ۲۱ واضح طور پر قابل سزا ہے ۔لیکن مرکزی حکومت نے اب تک کوئی راہنمائی نہیں کی ۔اس لئے مرکز کی بے التفاتی کے پیش نظر صوبائی حکومت کو کوئی کاروائی نہ کرنی چاہئے۔''

اس پر فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''کسی قسم کی کاروائی نہ کرنے کی سفارش کے بعد ڈی آئی جی نے اس شدید دشنام وتوہین کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا ۔جس کا نشانہ جماعت احمدیہ کے بانی اور اس کے افراد کو مسلسل بنایا جا رہا ہے۔''

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۴ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۶۸

اسکے بعد ڈی آئی جی نے لکھا:۔

’’یہ مضمون بھی اس مہم کا ٹکڑا ہے۔ جو احرار لیڈروں اور ملاؤں نے روزانہ جاری کر رکھی ہے میں ماسٹر تاج الدین سے بات کروں گا۔‘‘

ہوم سیکرٹری نے ۲۹۔دسمبر کو اس رائے سے اتفاق کیا اور چیف منسٹر نے ۵۔جنوری کو اس یادداشت پر دستخط کر دئے۔‘‘

یہ لکھ کر فاضل جج لکھتے ہیں:۔

’’شرافت و شائستگی اس فیصلے سے بغاوت کرتی ہے۔ہم ’’آزاد‘‘ کی یہ تحریر تو اس سے قبل پڑھ چکے تھے۔لیکن اس پر ڈی آئی جی کی یادداشت ہمارے سامنے اسوقت پڑھی گئی جب مسٹر دولتانہ ہمارے سامنے بطور گواہ پیش تھے جب ہم نے اس یادداشت کو پڑھا تو ہمیں ایسا احساس ہوا جس کا ظاہر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ہمیں اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہ آیا۔فیصلہ یہ ہوا تھا کہ اُن مکروہ صورتوں میں کم سے کم معمولی قانونی چارہ جوئی ضرور کر لینی چاہئے لیکن دو ہی دن کی مدت کے اندر کیا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے یہ فیصلہ بدل دیا گیا۔کیا مرکزی حکومت نے ۲۴ اور ۲۶ دسمبر کے درمیان ہی بے التفاتی اختیار کر لی تھی؟ اگر ماسٹر تاج الدین کوئی خاص طور پر شائستہ آدمی تھے اور ان کو بری الزمہ قرار دینے کے لئے کوئی وجہ پیدا کرنا ضروری تھا تو اسکے لئے مرکز کی بے التفاتی کا بہانہ ڈھونڈنا نہایت نازیبا بات تھی۔اس صورت میں حالات کی مضحکہ خیزی اس واقعہ میں ہے کہ مضامیں کی طرف صوبائی حکومت کو توجہ دلانے والا خود مرکز ہی تھا۔‘‘ [۱]

دوسری تحریر

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳٦۹

''ایک اردو اخبار مزدور ملتان سے شائع ہوتا ہے جس کا ایڈیٹر ابو ذر بخاری ہے جو مشہور احراری لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیٹا ہے ۔۔۔۔اُس نے اپنی اشاعت مؤرخہ ۱۳ جون ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون شائع کیا جس میں جماعت احمدیہ کے امام کے متعلق عربی خط میں ایک ایسی پست اور بازاری بات لکھی کہ ہماری شائستگی اس کی تصریح کی اجازت نہیں دیتی ۔اگر یہ الفاظ کسی احمدی فرد کے سامنے کہے جاتے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ کسی کی کھوپڑی توڑ دی جاتی تو ہمیں اس پر ذرا بھی تعجب نہ ہوتا۔ جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ پرلے درجے کے مکروہ اور متبذل ذوق کا ثبوت ہیں۔اوران میں اس مقدس زبان کی نہایت گستاخانہ تضحیک کی گئی ہے جو قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی زبان ہے ۔اس مضمون کو بھی ڈائرکٹر تعلقات عامہ نے پڑھا اور صرف یہی فیصلہ کیا کہ اخبار کو تنبیہ کر دی جائے ۔تین دن کے بعد اس اخبار نے اپنی اشاعت ۱۶ ۔جون ۱۹۵۲ء میں مرکزی حکومت کو گالیاں دیں ۔ اگرچہ اس موقع پر اس اخبار سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی لیکن چیف منسٹر نے ایک وفد کی عرض معروض پر ضمانت کا حکم منسوخ کر دیا۔'' [1]

(د) کارٹون کانمونہ

فاضل جج لکھتے ہیں کہ اخبار ''آزاد'' کی اشاعت مؤرخہ ۱۱ستمبر ۱۹۵۲ء کا نام مطالبہ نمبر تھا۔

''اس اخبار نے اپنے صفحہ اول پر ایک کارٹون شائع کیا اسکا جائزہ لینے والے افسر نے اس کی حسب ذیل تصریح کی :۔

[1] رپورٹ صفحہ ۸۸، ۸۷

سرورق پر اس اخبار نے ایک رنگا رنگ کارٹون شائع کیا ہے جس میں جان بُل کو ایک سپیرا ظاہر کیا گیا ہے جو احمدیت کی ٹوکری سے سانپ نکال رہا ہے ایک بڑا سانپ ٹوکری سے اُٹھ کر قادیان پر (جس کو ایک بلند مینار سے ظاہر کیا گیا ہے) چھا گیا ہے وہاں سے وہ ایک سوراخ میں داخل ہو کر ربوہ میں مرزا بشیرالدین محمود احمد کی صورت میں نمودار ہو گیا ہے مرزا بشیرالدین محمود احمد کو اپنے مُنہ سے تین سانپ خارج کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے ۔اِن سانپوں میں سے ایک تو راولپنڈی میں قائد ملّت مرحوم کو ڈس رہا ہے دوسرا ایک ہوائی جہاز کو تباہ کر رہا ہے ۔(جنگ شاہی کے حادثہ کی طرف اشارہ)اور تیسرا ظفراللہ خاں کی شکل میں وزیراعظم پاکستان کو ڈسنے کے درپے ہے۔'' [۱]

''مرکزی حکومت نے اپنی چٹھی مؤرخہ ۱۱۔اکتوبر ۱۹۵۲ء میں حکومت پنجاب کی توجہ اس کارٹون کو طرف مبذول کرائی ۔اس چٹھی میں لکھا تھا کہ غالباً حکومت پنجاب اس کارٹون کو ملاحظہ کر چکی ہے اور اس کے خلاف مناسب کاروائی کر کے مرکزی حکومت کو اطلاع دے گی ۔اسکے جواب میں ڈائرکٹر تعلقات عامہ نے اپنی چٹھی مؤرخہ ۲۳۔اکتوبر ۱۹۵۲ء میں مرکزی حکومت کو صرف یہ اطلاع دی کہ حکومت صوبہ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ہدایت کی ہے کہ اس اخبار کے پرنٹر پبلشر کو طلب کر کے تنبیہ کر دیں کہ اگر وہ اس قسم کا مواد شائع کرنے سے بعض نہ آئے گا تو حکومت اس کے اخبار کو بند کر دے گی ۔'' [۲]

(ح) احمدیوں نے نہایت اعلیٰ صبر کا نمونہ دکھایا

احمدیوں نے گالیاں کھائیں توہین برداشت کی لیکن کسی صورت میں بھی یہ گوارہ نہ کیا کہ ملک میں لاقانونیت کا دور دورہ ہو چنانچہ آئی جی مسٹر قربان علی خاں نے ۵۔اپریل

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۰۲ [۲] رپورٹ صفحہ ۱۰۲

۱۹۵۲ء کو لکھا کہ شیخ حسام الدین نے

''وعدہ کیا تھا کہ اُن کی جماعت آئندہ احمدیوں کے خلاف پروپیگنڈا نہ کرے گی یاد رہے کہ احمدی بھی بھیڑ کے بچے نہیں ہیں وہ اس وقت چپ چاپ ہیں اور جوابی کاروائی نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنی قلّت تعداد سے آگاہ ہیں لیکن ہر شخص کے صبر کی بھی کوئی حد ہوتی ہے بہرحال حکومت کا اپنا فرض بالکل واضح ہے۔آخر حکومت کب تک اس بے دردانہ اشتعال انگیزی کو روا رکھے گی اب تو قریب قریب یہی سمجھنا چاہیئے کہ احراری احمدیوں کو مبتلائے عذاب کر رہے ہیں۔'' [۱]

(ط) احمدیوں کے مقابلے میں احرار کا طرزِ عمل

''۲۲۔اور ۲۳ ستمبر ۱۹۵۱ء کو بھلوال میں احمدی تبلیغ کانفرنس منعقد ہوئی اس کے مقابلہ پر محض چڑانے کے لئے سامنے کی مسجد میں ایک سُنّی کانفرنس فی البدیہ کر لی گئی۔ پولیس کی رپورٹ مظہر ہے کہ احمدیوں نے کوئی ناگوار بات نہیں کی لیکن احراریوں نے ایسی باتیں کیں۔'' [۲]

(ی) اثرات ونتائج

جب حکومت کی طرف سے احراریوں کو کھلم کھُلا لاقانونیت کی تلقین کرنے پر بمقتضائے قانون کوئی سزا نہ دی گئی اور عوامی ذہن کو احمدیوں کے خلاف مسموم کرتے چلے گئے ۔اُن کے مقاطعہ کی تلقین کی گئی اُن پر تشدّد کی تعلیم دی گئی ۔اُن کے قتل کی ترغیب دلائی گئی ۔افسروں نے احراریوں کی اِن امن شکن کاروائیوں اور اُن کی تقریروں اور تحریروں کے خطرناک نتائج پر مفصل یادداشتیں قلمبند کر کے مقامی حکومت سے قانونی کاروائی کے لئے بار بار درخواستیں کیں اور کچھ پرواہ نہ کی گئی تو اس کا جو نتیجہ متوقع تھا وہی ظہور میں آیا چنانچہ

ا۔ کوئٹہ میں ۱۱۔اگست ۱۹۴۸ء کو مولویوں کی تقریروں سے متاثر و مشتعل ہو کر لوگوں

[۱] رپورٹ صفحہ ۵۱ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۳۳ - ۳۳۴

نے ایک احمدی نوجوان فوجی افسر محمود کو نہایت وحشیانہ طریق سے قتل کردیا۔ پوسٹ مارٹم معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے جسم پر کُند اور تیز دھار والے ہتھیاروں سے لگائے ہوئے چھبیس ۲۶ زخم تھے۔ [۱]

۲۔ ۳؍اکتوبر کی رات کو بمقام اوکاڑہ ایک جلسہ عام میں مقررین نے بے انتہاء اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ ایک مقرر نے جلسہ کے نوجوان حاضرین سے اپیل کی کہ مرزائی فتنہ سے قوم کو نجات دلاؤ۔ دوسرے دن محمد اشرف نے جو تقریر سن چکا تھا ایک چھرے سے مسلح ہو کر ایک احمدی مدرس غلام محمد کا تعاقب کیا جو اوکاڑہ جارہا تھا۔ اور اُسکے چھرا گھونپ کر اُسے قتل کردیا۔ [۲]

۳۔ اوکاڑہ کے قتل کے بعد اسی مہینہ میں راولپنڈی میں ایک اور احمدی قتل کردیا گیا۔ دونوں وارداتوں کے درمیان صرف چند روز کا وقفہ تھا۔ راولپنڈی کے باغ گوالمنڈی میں ایک شخص ولایت خاں نے بدردین احمدی کو گولی سے مار ڈالا۔ اس قتل کا مقصد کچھ واضح نہیں۔ لیکن عینی شاہدین میں سے ایک نے جس پر سیشن جج اور ہائیکورٹ دونوں نے اعتبار کیا ہے۔ یہ بتایا کہ جب مجرم عین موقع پر گرفتار کیا گیا۔ تو اس نے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ میں نے بدردین کو اس لئے ہلاک کیا ہے کہ وہ احمدی ہے۔ [۳]

(۴) کیچڑ پھینکی اور مُنہ کالا کیا

یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک احمدی مولوی نوردین سات دوسرے احمدیوں کے ساتھ تبلیغی مہم پر چک نمبر ۵ میں گیا۔ یہاں کے غیر احمدیوں نے مبلّغوں کو گھیر لیا پھر اُن پر کیچڑ پھینکی۔ اُن کے چہروں پر کالک ملی۔ اور گندے پانی میں سے انہیں ہنکا کر ریلوے سٹیشن اوکاڑہ تک پہنچایا۔ [۴]

(۵)۔ پتھر پھینکے

۱۶۔۱۷ فروری ۱۹۵۲ء کو اپنی گراؤنڈ میں جماعت احمدیہ سیالکوٹ نے تبلیغی

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۳ - ۱۴ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۵ [۳] رپورٹ صفحہ ۲۷ [۴] رپورٹ صفحہ ۲۴

کانفرنس کی ۔احراریوں نے انتہائی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح یہ جلسہ ممنوع قرار پائے۔جب انہیں اپنے مقصد میں ناکامی محسوس ہوئی تو وہ ایک بہت بڑے ہجوم کے ساتھ جلسہ گاہ کو دل آزار نعرے لگاتے ہوئے آئے لیکن ڈی سی ۔ایس پی اور اے ڈی ایم کی موجودگی کی وجہ سے وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہوسکے ۔آخر جب جلسہ کے بعد احمدی اپنے گھروں کو واپس جارہے تھے تو احراریوں نے اُن پر پتھر پھینک کر اپنے دل کا بخار نکالا۔[1]

۶۔مسٹر انور علی نے ۲۰ مئی ۱۹۵۲ء کو ایک یادداشت میں ۱۹۵۰ء سے لے کر احرار کے افعال اور اثرات کا جو خلاصہ درج کیا ہے اُس میں لکھا ہے:۔

ا۔''جنوری ۱۹۵۱ء میں احراریوں نے سیالکوٹ میں احمدیوں کا ایک جلسہ درہم برہم کیا۔''

۲۔''فروری میں چک جھمرہ کے مقام پر مولوی عصمت اللہ احمدی کے بیٹے کو ریلوے سٹیشن پر احرار نے چھرا مار دیا۔''

۳۔''مارچ کو گوجرانوالہ کے مقام پر ایک احمدی دکاندار پر حملہ کیا گیا لیکن پولیس نے اسکی جان بچالی۔''''

۴۔اپریل میں لائلپور کے مقام پر غلام نبی جانباز کی دھمکی کے بعد ایک احمدی دکاندار پر حملہ کیا گیا۔''

۵۔''مئی میں سمندری کے مقام پر احمدیوں کی مسجد جلا دی گئی۔''

۶۔''نومبر میں پھر لائلپور میں احمدیوں کا ایک جلسہ درہم برہم کیا گیا جس کے باعث طرفین کو جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔''

۷۔اسی مہینے میں احرار نے ملتان میں احمدیوں کے ایک جلسہ کو منتشر کرنے کی کوشش کی۔''[2]

یہ اور اِسی قسم کی اَور سختیاں مختلف مقامات کے احمدیوں پر کی گئیں ۔لیکن طوالت کے خوف سے ہم اتنے پر ہی بس کرتے ہیں۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۴۰ [2] رپورٹ صفحہ ۳۴۱

۶۔صوبائی حکومت کا سلوک احمدیوں سے

مجلس عمل نے اپنے تحریری بیان میں فسادات کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے احمدیوں سے ترجیحی سلوک کیا۔ [۱]

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ اس دعویٰ کو بالکل غلط اور بے بنیاد قرار دیتی ہے۔احمدیوں سے صوبائی حکومت نے جس قسم کا سلوک روا رکھا اسکے متعلق فاضل ججوں کی رائے حسب ذیل ہے:۔

۱۔''احراریوں سے تو ایسا برتاؤ کیا گیا گویا وہ خاندان کے افراد ہیں اور احمدیوں کو اجنبی سمجھا گیا۔احراریوں کا رویّہ اس بچے سا تھا جس کو اسکا باپ اجنبی کو پیٹنے پر سزا کی دھمکی دیتا ہے اور وہ بچہ یہ جان کر کہ اُسے سزا نہ دی جائیگی۔ اجنبی کو پھر پیٹنے لگتا ہے اس کے بعد چونکہ دوسرے لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں اس لئے باپ محض پریشان ہو کر بیٹے کو مارتا ہے لیکن نرمی سے تاکہ اُسے چوٹ نہ لگے۔'' [۲]

پھر فاضل جج لکھتے ہیں:۔

۲۔''حکومت نے احراریوں سے یہ اقرار حاصل کیا کہ وہ احمدیوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کریں گے ۔حکومت نے خود احمدیوں کی جماعتی حیثیت سے مذہبی عزت اور اس جماعت کے بعض اہم افراد کی ذاتی عزت کی کوئی پرواہ نہ کی۔'' [۳]

۳۔ان اخبارات کو جو احمدیوں کے خلاف شورش کو ہوا دے رہے تھے جیسا کہ دوسری جگہ ذکر کیا جاچکا ہے ۔گورنمنٹ کا ایک محکمہ مالی امداد دے رہا تھا۔اور جیسا کہ رپورٹ کے از صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۰ سے ظاہر ہے مالی امداد کے علاوہ اُن کی قلمی امداد بھی کر رہا تھا۔

۴۔افسران پولیس نے حکومت کے سامنے بارہا احراری لیڈروں کے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۵۶   [۲] رپورٹ صفحہ ۴۴۲   [۳] رپورٹ صفحہ ۳۶۸

خلاف قانون کے مطابق مؤثر کاروائی کرنے کے لئے تجاویز پیش کیں۔لیکن حکومت نے نہایت بے پرواہی سے اُن کی تجاویز مسترد کردیں۔جب افسران پولیس نے مبیّنہ مجرموں کے خلاف قانون کے استعمال کی تجویز پیش کی۔تو حکومت نے بعض کو بڑے قرار دے کراُن کے خلاف مقدمہ کرنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ شورش میں اضافہ ہو جائیگا اور بعض کو چھوٹے قرار دے کراس لئے کہ اُن کی شہرت ہو جائیگی اور سستی شہادت حاصل کریں گے۔

فاضل جج اپنی رپورٹ میں اُنکی اِسی پالیسی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

’’ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسٹر نذیر احمد ایس پی (B) نے خود اپنی مرضی سے گلو شاہ کے مقدمے میں قانون کو معطل کردیا تھا۔انہوں نے آغاز اس عذر سے کیا کہ مقدمہ چلانے سے غیر ضروری گڑبڑ ہوگی۔اورختم اس قول پر کیا کہ مقررین اس قدر چھوٹے آدمی ہیں کہ اُن کے خلاف مقدمہ چلانا ہی فضول ہے۔تمام مقدمات میں اِن دونوں میں سے ایک حالت ضرور پیدا ہوگی یا تو مجرم ایک اہم آدمی ہوگا جس پر مقدمہ چلانے سے شورش میں اضافے کا خطرہ ہوگا اور یا وہ اتنا چھوٹا آدمی ہوگا کہ اس کے خلاف مقدمے کی ضرورت نہ ہوگی۔اور مسٹر نذیر احمد کی رائے دونوں صورتوں پر حاوی ہے۔وہ دیکھ چکے تھے کہ جولائی میں گوجرانوالہ کے مقدمات اس لئے واپس لے لئے گئے تھے کہ لوگ بہت پریشان اور مضطرب ہو گئے تھے لیکن ’’بھیرہ کے مست قلندر کا رگڑا‘‘ (بانیٔ احمدیت کے خلاف نہایت توہین انگیز اور دشنام آمیز کتابچہ) نظر انداز کردیا گیا۔کیونکہ اس پر مقدمہ چلایا جاتا تو مصنّف کی شہرت ہو جاتی۔‘‘ [1]

حد ہوگئی قانون شکن اور مجرم لوگوں سے جو صوبائی حکومت نے سلوک کیا اس کے متعلق فاضل ججوں کے چند ریمارکس اُوپر درج کر چکے ہیں لیکن مندرجہ ذیل واقعہ اُن

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۶۸

حکام کی اصل ذہنیت کا آئینہ دار ہے ۔ جو اس وقت کسی نہ کسی رنگ میں قیام امن کے ذمہ وار تھے ۔ اور وہ یہ ہے :۔

سیالکوٹ کی تبلیغی کانفرنس میں جیسا کہ رپورٹ میں لکھا ہے لیڈرانِ احرار نے ''احمدیوں کو ۔ احمدیت کے بانی کو ۔ احمدی لیڈروں کو اور چودھری ظفراللہ خاں کو گالیاں دیں ۔ اس جلسہ میں جو تقریریں کی گئیں ان کا ایک نمونہ مولوی محمد حیات کی روداد میں ملے گا ۔'' (دیکھو رپورٹ صفحہ ۱۶ جس میں نہایت گندے اور عریاں الزامات لگائے گئے ہیں ۔ ناقل)

''پراسیکیوٹنگ پولیس افسر نے جب قانونی کاروائی کی غرض سے اس تقریر کا مطالعہ کیا ۔ تو یہ رائے دی کہ اس قسم کے بیانات تو سیاسی مقررین کا شیوہ عام ہے ۔ جن سے کسی کی بھی دل آزاری نہیں ہوتی ۔'' [۱]

اس قسم کے ماہرین علم النفس اُس وقت کی صوبائی حکومت کے پُرزے تھے جن کے سپرد لوگوں کی عزت وآبرو اور مال وجان کی حفاظت کرنا تھا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

۷ ۔ اُصولی ہدایت

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں بعض مقامات پر نہایت قیمتی اصولی ہدایات پائی جاتی ہیں اُن میں سے ہم اس جگہ تین ہدایات کا ذکر کرتے ہیں :۔

ا ۔ حکام نے احرار کو بحیثیت مجموعی ''مستحق شہادت'' کا مرتبہ دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ اِس اندیشہ سے کہ پیمانہ اقتدار میں اُن کا مرتبہ بلند ہو جائیگا ۔ اور وہ قید کے بعد اہم اشخاص بن جائیں گے ۔ اسکا ذکر کر کے فاضل جج ایک اصولی ہدایت لکھتے ہیں ۔

یہ لوگ بھول جاتے ہیں کی اقدام نہ ہونے کی صورت میں لوگ بدگوئی اور گالی گلوچ کو زندگی کا عام منظر سمجھ لیتے ہیں ۔ اور بالآخر جب یہ دشنام طرازی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اور اسکو روکنے کے لئے کوشش کیجاتی ہے تو لوگ اسکو ''آزادیٔ تقریر میں ناواجب مداخلت'' قرار دینے لگتے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۶

ہیں یہی جولائی ۱۹۵۲ء میں ہوا۔مہینہ بھر قانون کی خلاف ورزی میں جلوس نکلتے رہے اور جب آخر اُن پر پابندی عائد کی گئی اور فرض شناس پولیس افسر نے اس پابندی کو نافذ کرنے کی کوشش کی تو انسانی بھڑوں کا ایک چھتّا اُس کے تھانے کے گرد جمع ہو گیا۔جس نے آہنی کٹھرا توڑ ڈالا۔انسانوں اور سامانوں پر اینٹیں پھینکیں ۔آگ لگانے کی کوشش کی۔چند سرکاری افسروں کو زخمی کر دیا۔اوراُس وقت تک ٹھنڈے نہ ہوئے جب تک چھ گولیاں چھ سینوں میں ٹھنڈی نہ ہو گئیں۔'' [۱]

۲۔منتخب شدہ لیڈروں اور عوام کا تعلق

فاضل جج اس نظریہ سے متفق نہیں کہ ایک سیاسی لیڈر اسی صورت میں نمائندہ جمہور کہلا سکتا ہے جبکہ وہ جمہور کے احساسات ،تعصّبات اور خواہشات کا احترام کرے۔ بلکہ اُن کا نظریہ جس میں پاکستان کے لئے ایک بڑا سبق پنہاں ہے یہ ہے:۔

جہاں ووٹر اپنے ووٹ کی قدرو قیمت جانتا ہو۔ اپنے ملک کے مخصوص مسائل کو اور دنیا کے واقعات کی رفتار کو سمجھنے کے لئے ضروری عقل وفراست سے بہرہ ور ہو۔اور تمام قومی واقعات پر صحیح رائے قائم کرنے والا ترقی یافتہ ذہن رکھتا ہو وہاں لیڈر یقیناً اس امر کا پابند ہوتا ہے کہ رائے عامہ کی پیروی کرے۔یا اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائے لیکن ایسے ملک میں جیسا ہمارا ملک ہے۔بلا شک وشبہ لیڈروں کا حقیقی وظیفہ یہ ہے کہ عوام کی رہنمائی کریں نہ کہ شروع سے آخر تک اُن کی مرضی پر اور بقول مسٹر قربان علی خاں کے ''ہر وقت ریوڑ کے آگے آگے'' چلیں۔'' [۲]

۳۔سیاست اور قانون وانتظام

فاضل جج لکھتے ہیں

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۳۶ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۹۵

''ہم ایک اور بات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو بے حد اہم ہے کسی خاص انتظام کے تحت جس کا اصول ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔صوبہ مسلم لیگ کا لیڈر صوبے کا چیف منسٹر بھی ہوتا ہے۔لہذا ایسا ہوسکتا ہے اوراس قصے میں ایسا ہوُا۔کہ مسلم لیگ کا لیڈر قانون وانتظام کے محکمے کا انچارج بھی تھا اگر ایک ہی آدمی دو مختلف عہدوں پر قابض ہوتو یہ امر ناگزیر ہے۔کہ جو فیصلے وہ یااس کی پارٹی سیاسی دائرے میں کرے۔وہ اگر قانون وانتظام کے دائرے کے متعلقہ معاملات کے ساتھ دور یا نزدیک کا واسطہ رکھیں تو اُن فیصلوں کا اثر آخر الذکر دائرے پر پڑے لیکن ارباب سیاست کے وظائف ایک حاکم کے وظائف سے لازماً مختلف ہوتے ہیں۔ایک شخص سیاسی آدمی ہونے کی حیثیت سے محض پالیسی وضع کرتا ہے لیکن حاکم کا کام یہ ہے کہ قانون کی موجودہ مشین کو بلالحاظ کسی سیاسی مصلحت کے اس مقصد سے استعمال کرے کہ امن وانتظام قائم رہیں اور معاشرے کی سلامتی پر جو حملے ہوں اُن کو دفع کیا جاسکے۔اس تحقیقات کے دوران میں یہ نکتہ اس حد تک ثابت و واضح ہوگیا ہے کہ اس قسم کے انتظامات کے سنگین نتائج کے متعلق شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔مسلم لیگ کے انتخابی اعلان میں اس نکتے کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ مسلم لیگ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ سے نفرت کرتی ہے اور ذمہ لیتی ہے کہ یہ قانون جو عام طور پر تشدد آمیز سمجھا جاتا ہے منسوخ کردیا جائیگا۔لیکن پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کو قانونی شکل دی گئی۔کیونکہ موجودہ حالات میں اس قسم کے غیر معمولی قانون کا نفاذ ضروری سمجھا گیا تاکہ اگرکسی خاص صورت حالات میں سلامتی عامہ اورقیام انتظام کو شدید خطرہ پیش آنے کا احتمال ہوتو ہئیت منتظمہ کے پاس کافی اختیارات محفوظ ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔

جس وقت سے احمدی غیر احمدی نزاع نے امن وامان اورسلامتی عامہ کے

لئے خطرے کی صورت اختیار کی۔ بعض افسروں نے جن کے نزدیک ان دفعات کا استعمال ضروری تھا وزارت سے پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی کسی نہ کسی دفعہ کے ماتحت کاروائی کی سفارش کی۔ لیکن جس وقت یہ معاملہ مسلم لیگ کے لیڈر کے سامنے صوبے کے چیف منسٹر کی حیثیت میں پیش ہوا۔ اس نے ایسے فیصلے کئے جن کا محرّک مسلم لیگ کا نظریّہ تھا۔ حالانکہ نظم ونسق کے نقطۂ نگاہ سے وہ فیصلے غلط تھے۔'' [1]

ایسی اور بہت سی مفید باتیں رپورٹ میں بتائی جاتی ہیں۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۹۷

تبصروں کا جائزہ

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر اس وقت تک دو تبصرے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ اِن میں سے ایک تو مولانا مرتضٰی احمد خاں میکش کا ہے جسکا نام ''محاسبہ'' ہے اور دوسرا تبصرہ مولوی محمد نعیم صدیقی اور سعید احمد ملک صاحبان ممبران جماعت اسلامی کا لکھاہوُا ہے۔

مولانا میکش کا کتابچہ ۲۰×۳۰ کے سائز پر۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے متعدد مقامات پر فاضل ججوں کی آراء اپنے الفاظ میں ناقص طور پر یا بگاڑ کر پیش کی ہیں۔

مثلاً صفحہ نمبر ۸ پر لکھا ہے کہ ''عدالت نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی مرکزی حکومت کو اس وجہ سے فسادات کا ذمہ وار قرار دیا کہ اس نے چودھری ظفراللہ خاں کو **محض** باہر کے ملکوں کی چہ میگوئیوں کے خوف سے وزارت سے برطرف نہ کیا۔'' حالانکہ تحقیقاتی عدالت نے ہرگز یہ نہیں لکھا جیسا کہ ہم تفصیل سے دوسری جگہ بیان کر چکے ہیں۔

(۲) اسی طرح عدالتی رپورٹ کے اس فقرہ کو کہ مطالبات ''بظاہر بہت معقول صورت میں پیش کئے گئے۔[۱]'' اس طرح لکھ دیا کہ ''مطالبات ایسے خوشنماء انداز میں پیش کئے گئے۔'' [۲]

(۳) اسی طرح احمدیوں کے متعلق یہ فقرہ کہ وہ ''لوگوں کو مرتد بنانے کی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔'' [۳] عدالتی رپورٹ کے حوالے سے لکھا ہے۔ بحالیکہ رپورٹ میں مرتد بنانے کے الفاظ قطعاً موجود نہیں۔

اس کتابچہ کا ایک مقصد لوگوں کو یہ بتانا بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجلسِ عمل نے احمدیوں کے خلاف جو کیس پیش کیا تھا۔ وہ فاضل ججوں نے من وعن تسلیم کرلیا ہے۔ اور احمدیوں ہی کو ملزم گردانا ہے۔

چنانچہ ذمہ واری کی بحث کرتے ہوئے جہاں باقی ساری جماعتوں کا ذکر سات [۷] صفحات میں ختم کیا ہے وہاں جماعت احمدیہ کا ذکر سولہ [۱۶] صفحات میں درج کیا ہے۔

---

۱ رپورٹ صفحہ ۲۵۴ ۲ محاسبہ صفحہ ۳۳ ۳ محاسبہ صفحہ ۲۷

اس کتابچہ پر نظر ڈالنے سے مؤلف کی ایک غرض اپنا تعارف کرانا بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ رپورٹ کی جن عبارتوں میں مؤلف کا ذکر آگیا ہے۔ وہ عبارتیں خاص طور پر اس کتابچہ میں درج کی گئی ہیں۔ (محاسبہ صفحہ ۱۶، ۵۹)

لیکن بااینہمہ مؤلف محاسبہ نے رپورٹ کے متعلق یہ تسلیم کیا ہے کہ

''فاضل جج صاحبان نے ان اہم کوائف و مسائل کو بے نقاب کرنے میں جو ہمارے ملک کو درپیش ہیں پاکستانی معاشرے کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔'' [۱]

''تبصرہ''

دوسرا کتابچہ ''تبصرہ'' ۲۰×۳۰ سائز کے ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ چونکہ جماعت اسلامی کے متعلق فاضل ججوں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ جماعت سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہاں ہے۔ اور جمہوری حکومت کو جیسی کہ پاکستان ہے شیطانی اور کفر قرار دیتی ہے اور اس میں حصہ لینے والوں کو گنہ گار سمجھتی ہے۔ اسلئے وہ مسلم لیگ کے تصوّرِ پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے جس کو ''ناپاکستان'' کہہ کر یاد کیا جاتا ہے یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کررہی ہے۔'' [۲]

اسلئے تبصرہ کے مختلف مقامات سے انتقامی جزبہ کی بُو آتی ہے۔ ہم مختصر طور پر ذیل میں اس کے محتویات کا ذکر کرتے ہیں۔

مؤلفین تبصرہ نے

(۱) سرے سے اس قانون کو ہی سراسر غلط اور ناروا قرار دیا ہے جس کے تحت یہ تحقیقات کروائی گئی۔ [۳]

(۲) ۱۹۱۹ء کے ہنگاموں کی تحقیقات کے لئے بیرونی حکومت نے جو طریق اختیار کیا تھا وہ کم از کم موجودہ قومی حکومت کے طریق کار سے تو بدرجہا زیادہ منصفانہ اور قابلِ اطمینان تھا۔ [۴]

---

[۱] محاسبہ صفحہ ۶۰ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۶۱ [۳] تبصرہ صفحہ ۱۰ [۴] تبصرہ صفحہ ۸

(۳) رپورٹ کے متعلق مؤلفین تبصرہ کی یہ رائے ہے کہ عدالت نے واقعات کے بیان اور پھر اُن سے نتائج اخذ کرنے اور فیصلے دینے میں بہت بڑی حد تک ان سرکاری اطلاعات پر انحصار کیا ہے۔ جو مختلف جماعتوں اور اشخاص کی کاروائیوں کے متعلق زیادہ تر بلکہ تمام تر سی آئی ڈی کی رپورٹوں پر مبنی تھیں۔ ان سرکاری اطلاعات میں متعدد چیزیں ایسی تھیں جو قطعی طور پر خلاف واقعہ ہیں۔ [1]

مؤلفین نے جو مثالیں غلط بیانی کی پیش کی ہیں ان میں سے ایک یہ بیان کی ہے کہ ہوم سیکرٹری پنجاب نے اپنے ایک مراسلہ میں لکھا کہ:۔

''جماعت اسلامی نے اپنے آٹھ مطالبات کے ساتھ اس نویں مطالبے کا بھی اضافہ کرلیا۔ کہ مرزائی ایک الگ اقلیّت قرار دیئے جائیں اور سر ظفراللہ خاں اپنے عہدے سے الگ کئے جائیں۔''

ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کے نویں مطالبے میں سر ظفراللہ خاں کی علیحدگی کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہ تھا۔'' [2]

رپورٹ میں متعدد جگہ ان رپورٹو ں پر فاضل ججوں نے تنقیدی بحث کر کے اپنی رائے قائم کی ہے۔ اور اُردو رپورٹ کے صفحہ نمبر ۱۱۶ پر مسٹر انور علی آئی جی پولیس نے صوررت حالات کا جو خلاصہ پیش کیا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔

''حکومت کے مخالف عناصر مثلاً جماعت اسلامی (جس نے اپنے آٹھ مطالبات پر نویں مطالبہ کا اضافہ کردیا ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے)۔''

اس میں چوہدری ظفراللہ خاں کا مطلقاً ذکر نہیں ہے۔ چونکہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دئے جانے کے ساتھ چودھری ظفراللہ خاں کی علیحدگی کا مطالبہ بھی کیا جارہا تھا۔ اسلئے ہوم سکرٹری نے اس کا ذکر بھی نویں مطالبے کے ساتھ کردیا۔

(۴) پھر مؤلفین نے یہ تنقید کی ہے کہ رپورٹ میں واقعات غیر متوازن رنگ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور یہ دلیل دی ہے کہ ''واقعات کے بیان میں از اول تا آخر مخالفین قادیانیت ہی کی تحریروں، تقریروں اور کاروائیوں کا ذکر پوری طرح چھایاہوُا ہے۔ یہ ذکر

---

[1] تبصرہ صفحہ ۱۶ [2] تبصرہ صفحہ ۱۶

خال خال ہی کہیں آیا ہے کہ اس دوران میں قادیانی حضرات کیا کہتے اور لکھتے اور کرتے رہے۔'' [۱]

کیا خوب ! جب احمدیوں نے امن شکنی کی کوئی بات ہی نہیں کی تھی اور اُن کی تحریریں اور تقریریں قانونی حدود کے اندر تھیں۔ تو کیا عدالت ازخود واقعات گھڑ لیتی ؟

مؤلفین لکھتے ہیں۔''ہمارا مدعا ہرگز یہ نہیں کسی جانبداری کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے۔'' (صفحہ ۲۰) مگر یہ جانبداری کا خیال کیوں آیا ؟

طنزیات :۔*

رپورٹ کے انداز میں طنز کا اسلوب خوب دل کھول کر استعمال کیا گیا ہے۔'' پھر چند مثالیں دے کر ناصحانہ انداز میں لکھا ہے۔''ہمارے عدلیہ کا وقار اتنی اونچی چیز ہے کہ ہم اُسے غلط فہمیوں کے امکان سے بھی بلند و بالاتر دیکھنے کے متمنّی ہیں۔'' [۲]

(٦) نیّتوں پر اظہار رائے :۔

''رپورٹ میں بہت سے لوگوں کی نیتوں کے خلاف بھی اظہار رائے کیا گیا ہے اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اس اظہار رائے کا حصہ تقریباً سارے کا سارا ان اشخاص کو ملا ہے جو قادیانی مسئلے میں ایک ہی رجحان کی حامل تھے۔'' [۳]

اس سے بھی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مؤلفین تبصرہ فاضل ججوں کی غیر جانبدارانہ حیثیت پر کوئی اعتراض کر رہے ہیں۔ یہ تو واضح بات ہے کہ ایک عدالت جب کوئی حکم لگاتی ہے تو وہ نیّتوں کو دیکھا کرتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی شخص کی نیت معلوم کرنے

---

* خود مؤلفین نے تبصرہ میں کئی مقامات پر طنز کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔''افسوس ہے مرحوم کی وہ تاریخی وصیت اس رپورٹ میں شائع نہیں ہوسکی۔ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ میرے کئے ہوئے دوسرے تقررات میں تو ردّ و بدل ہوسکتا ہے مگر ایک تقرر مَیں نے خصوصیت کے ساتھ بانئے ریاست ہونے کی حیثیت سے کیا ہے اس لئے اس میں کبھی ردو بدل نہ ہونا چاہئیے۔'' (تبصرہ حاشیہ صفحہ ۲۲)

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۰ [۲] تبصرہ صفحہ ۲۳ [۳] تبصرہ صفحہ ۲۳

میں اجتہادی غلطی ہو جائے ۔لیکن صالح ناصح مؤلفین کی نیت کے متعلق کیا کہا جائے جبکہ وہ تبصرہ کے صفحہ نمبر ۲۶ بحوالہ انگریزی رپورٹ صفحہ نمبر ۲۴۲ یہ لکھتے ہیں :۔

’’یہ بات حیرت انگیز ہے کہ پورا تعلیمات اسلامی بورڈ جو ایک سرکاری ادارہ ہے اس ڈائریکٹ ایکشن کے کاروبار میں ہمہ تن کود پڑے۔مولانا سلیمان ندوی * بورڈ کے صدر،مولانا ظفر احمد عثمانی بورڈ کے سیکرٹری اور مولانا محمد شفیع اور مولانا احتشام الحق بورڈ کے ممبر۔‘‘ [۱]

لیکن اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز یہ بات ہے کہ جو عبارت یہاں مؤلفین تبصرہ نے لکھی ہے۔وہ نہ انگریزی مطبوعہ رپورٹ میں ہے اور نہ اُردو رپورٹ میں ۔اُن کے جو نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں :۔

’’مولانا سلیمان ندوی (صدر) مولانا ظفر احمد صاحب انصاری (سیکرٹری) اور مولانا محمد شفیع ممبر بورڈ ان قراردادوں میں شامل تھے۔‘‘ [۲]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مؤلفین تبصرہ نے انصاری کی جگہ عثمانی کیوں لکھا۔اور مولانا احتشام الحق کا نام کیوں زائد کیا۔جبکہ وہ دونوں رپورٹوں میں موجود نہیں ۔اسکی وجہ مؤلفین حاشیہ میں یہ بتاتے ہیں ۔کہ

’’رپورٹ کی ابتدائی کاپی پر جو پریس کو مہیا کی گئی تھی۔اسمیں مولانا احتشام الحق کا نام بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے لکھا گیا تھا۔یہ رپورٹ پریس میں شائع ہوئی ۔ بعد میں عدالت کو معلوم ہؤا کہ مولانا احتشام الحق بورڈ کے ممبر نہیں رہے ۔اس لئے اُن کا نام اس کاپی سے حذف کیا گیا جو اب پبلک کو مہیا کی جارہی ہے ۔اس طرح مولانا ظفر احمد انصاری کی بجائے مولانا ظفر احمد عثمانی کو پہلے بورڈ کا سیکرٹری لکھا گیا۔بعد میں اسکی تصحیح

* مؤلفین تبصرہ اس پر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اس رپورٹ کی اشاعت کے وقت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم انتقال فرما چکے تھے۔تو کیا مولانا کی وفات سے واقعہ جس کا ذکر کیا گیا ہے بدل گیا تھا؟۔مؤلف

[۱] تبصرہ صفحہ ۲۶ [۲] رپورٹ اردو صفحہ ۲۶۰

کی گئی۔''[۱]

مؤلفینِ تبصرہ کا یہ اسلوب فکر صاف بتا رہا ہے کہ وہ عدل و انصاف کی رُو سے نہیں بلکہ تعصّب و انتقام کے جزبہ سے معمور ہو کر تبصرہ کر رہے ہیں۔ *

پھر ایسی غلطی ہر ایک انسان سے ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اسی رپورٹ میں دوسری جگہ مجلس عمل کے تحریری بیان کے حوالہ سے کنونشن کے ممبروں کی جو فہرست درج ہے اس میں انصاری کی بجائے مولانا ظفر احمد عثمانی کو تعلیمات اسلامی بورڈ کا سیکرٹری لکھا ہوا ہے۔[۲]

کیا اس سے فاضل ججوں کو دھوکہ لگنے کا امکان نہیں تھا اور اگر مؤلفینِ تبصرہ کا بیان صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو غلطی کی تصحیح کر دینے کے بعد اُن کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ مطبوعہ رپورٹ کی طرف عبارت منسوب کر دیں جو اُسمیں نہیں ہے۔ اب مؤلفین خود ہی بتائیں کہ یہ تحریف کرتے وقت اُن کی نیت کیا تھی تا اُنہیں یہ کہنے کا موقع نہ ہو کہ دو برابر امکانات میں سے ایک کو ساقط اور دوسرے کو اختیار کیوں کیا گیا۔

پہلے ہمیں تعجب ہوا کہ مؤلفین کو کس نے پروف ریڈری پر لگایا تھا۔ جو اُن کے پاس غیر تصحیح شدہ پروف پہنچ گیا۔ لیکن ایک دوسرے واقعہ کی یاد نے ہمارے تعجب کو دُور کر دیا جو رپورٹ میں مسٹر انور علی ڈی آئی جی سی آئی ڈی کے صورت حالات کا خلاصہ مؤرخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں درج ہے۔

''راولپنڈی میں پچھلے دنوں بہت شرارت برپا کی گئی۔ کیونکہ ایک خفیہ چٹھی جس میں ایک خاص کمانڈنگ آفیسر نے احمدیوں پر نقطہ چینی کی تھی دفتر سے چُرا کر کُھلم کُھلا شائع کر دی گئی۔ ایک کلرک نے (جو ڈی ڈی ایم آئی کے

---

*مولانا مودودی صاحب کی جرأت ملاحظہ فرمائیں۔ انہوں نے تحقیقاتی عدالت کے روبرو جو پہلا تحریری بیان دیا۔ اس میں بحوالہ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۵۲ء امام جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کر کے یہ الفاظ لکھے ''ہم فتح یاب ہوں گے۔ ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہوگے۔ اُس وقت تمھارا حشر بھی وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اُس کی پارٹی کا ہوا۔'' حالانکہ یہ عبارت الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں قطعاً موجود نہیں۔ مؤلف

---

[۱] تبصرہ حاشیہ صفحہ ۲۶　[۲] رپورٹ صفحہ ۱۳۳

دفتر سے تعلق رکھتا ہے) اپنے بیان میں احمدی افسروں کے خلاف نہایت
اُوٹ پٹانگ الزامات لگائے ۔'' [1]

جب سرکاری دفتر سے خُفیہ چٹھیاں اُڑائی جاسکتی ہیں تو پریس سے پرُوف کی کاپیاں حاصل کرنے میں کیا دِقّت ہوسکتی ہے ۔

(۷) پھر لوگوں کے مسلک کی ترجمانی وتعبیر کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ
''بعض لوگوں کے نظریہ ومسلک کی ایسی تعبیر سامنے آتی ہے یا کوئی ایسی
بات اُن سے منسوب ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو امر واقعہ سے کسی طرح
مطابقت نہیں کھاتی ۔'' [2]

اور مؤلفین نے اسکے ثبوت میں جو عبارت رپورٹ سے پیش کی ہے جس میں مولانا مودودی کی طرف یہ رائے منسوب کی گئی ہے کہ
''نئی مسلم ریاست اگر کبھی وجود میں آئی بھی تو اسکی شکل غیر دینی ریاست
کی ہوگی ۔''

اِس عبارت میں نئی ''مسلم ریاست'' سے مراد مسلم لیگ کا مجوزہ پاکستان ہے ۔اور اسلامی ریاست کے تصوّر کے مخالف ہونے سے مراد بھی یہی ہے کہ جس مسلم ریاست کا مطالبہ کیا جارہا تھا وہ مولانا مودودی کے نزدیک مسلم ریاست نہ تھی ۔اور جس قسم کی ریاست وہ خود چاہتے تھے اسکے متعلق وہ جانتے تھے کہ حاصل نہ ہوگی ۔اور وہ مجوزہ پاکستان کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ اسکی حکومت ہر کافرانہ حکومت سے بھی بڑھ چڑھ کر اُن کے مقصد میں حائل ہوگی ۔[3] اس لئے جو تنقید مؤلفین تبصرہ نے اس مقام پر کی ہے وہ برمحل نہیں ہے ۔

(۸) کچھ تضاد ۔پھر مؤلفین تبصرہ لکھتے ہیں :۔
''رپورٹ کے اندر متعدد ایسے نظریات وخیالات بھی درج ملتے ہیں جن
کو متوسط ذہن کا آدمی بھی باہم دگر متضاد محسوس کرسکتا ہے ۔اوران کے
بے جوڑ پن کو کسی تاویل سے رفع کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔'' [4]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۱۷ [2] تبصرہ صفحہ ۳۰ [3] مسلمانوں کی موجودہ کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۰۶-۱۰۸
[4] تبصرہ صفحہ ۳۵

مگر مؤلفین نے تضاد ثابت کرنے کے لئے جو عبارتیں پیش کی ہیں ان میں ہمارے نزدیک درحقیقت کوئی تضاد نہیں ۔

(۹) مؤلفین لکھتے ہیں کہ تین اہم مطالبات کو صاف نہیں کیا گیا۔ اُن میں سے اُنہوں نے ایک ''پُر اسرار جیپ'' کا ذکر بھی کیا ہے ۔ اور لکھا ہے کہ عدالت نے کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا۔ کہ ۴ مارچ کو جو پُر اسرار موٹر گاڑی مسلمانوں پر گولیاں چلاتی پھر رہی تھی اِس پر کون لوگ سوار تھے؟ ؎۱

اُردو رپورٹ کے مطابق صفحہ نمبر ۱۵۹ پر فاضل ججوں نے اُن چالوں کا ذکر کیا ہے جو شورش پسندوں نے حکام کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے اختیار کر رکھی تھیں ۔ اُن میں سے نمبر ۲ پر اُن کی یہ چال بیان کی ہے کہ

> ''یہ افواہ پھیلائی گئی کہ احمدی موٹر کاروں پر سوار ہو کر اندھا دُھند لوگوں پر گولیاں چلا رہے ہیں ۔''

فاضل جج اس پر لکھتے ہیں :۔

> ''یہ بیان کہ بعض احمدی فوجی وردیاں پہنے جیپ میں سوار ہو کر لوگوں کو اندھا دُھند گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے ۔ ہمارے سامنے موضوع ثبوت بنایا گیا۔ اور اسکی تائید میں متعدد گواہ پیش کئے گئے ۔ اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پُر اسرار گاڑی میں بعض نامعلوم آدمی اس دن شہر میں گھومتے رہے لیکن ہمارے سامنے اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ اس گاڑی میں احمدی سوار تھے یا وہ گاڑی کسی احمدی کی ملکیت تھی ۔'' ؎۲

تحقیقاتی عدالت کا فیصلہ اس معاملے میں واضح ہے کہ جو الزام احمدیوں پر عائد کیا گیا تھا وہ تحقیقات سے غلط ثابت ہؤا۔ اور حقیقتہً یہ بھی ایجی ٹیٹروں کی دوسری چالوں کی طرح جن کا ذکر فاضل ججوں نے کیا ہے ایک چال تھی اور فاضل ججوں نے یہ بھی اپنے فیصلہ میں نہیں لکھا کہ اس جیپ کے سوار اندھا دھند گولیاں چلا رہے تھے ۔ مگر مؤلفین تبصرہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہی خیال کہ جیپ کے سوار احمدی تھے قادیانیوں کے سب نقصان

؎۱ تبصرہ صفحہ ۶۰ ؎۲ رپورٹ صفحہ ۱۵۹

کا موجب ہوا۔

پھر لکھتے ہیں کہ

''اگر اُن لوگوں کے احمدی ہونے کا ثبوت شہادتوں سے نہیں ملا تو قرائن کیا کہتے ہیں؟۔'' [1]

پھر خود ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ سرکاری جیپ نہ تھی سرحد پار سے ہندو سکھ گولیاں چلانے نہ آئے تھے اور نہ ہی مسلمان ہو سکتے تھے تو الزام پھر قابل غور رہ جاتا ہے۔(تبصرہ صفحہ ۶۱ ملخصاً)

مؤلفین تبصرہ کی اس تنقید کا خلاصہ تو یہ بنتا ہے کہ شہادت موجود نہیں تھی تو نہ سہی۔تحقیقاتی عدالت کا تو یہ فرض تھا کہ وہ کسی نہ کسی کو ملزم قرار دے۔

اس سلسلہ میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرائن کی بحث میں مؤلفین تبصرہ ایک صورت لکھنی چھوڑ گئے ہیں۔جو شاید سب صورتوں سے زیادی قرین قیاس ہے۔وہ یہ کہ جن ایجی ٹیٹروں نے یہ افواہ پھیلائی تھی وہی اس پُراسرار گاڑی میں سوار ہوں گے اور یہ افواہ بھی اُسی طرح پھیلائی گئی۔جس طرح کہ اُسی روز یعنی ۴۔مارچ کو پولیس کے خلاف یہ افواہ پھیلائی گئی تھی کہ

''پولیس نے رضاکاروں کو منتشر کرتے ہوے قرآن مجید کی توہین کی۔اسکو ٹھوکریں لگائیں۔اُس کے اوراق پھاڑ دئے اور ایک چھوٹے سے لڑکے کو ہلاک کر دیا۔دہلی دروازے کے باہر جلسہ ہوا جسمیں ایک لڑکا پیش کیا گیا۔جو اپنے ہاتھ میں قرآن مجید کے چند پھٹے ہوئے اوراق لئے ہوئے تھا۔اُس نے بیان کیا کہ میں کلام الٰہی کی اس توہین کا عینی گواہ ہوں۔ایک مولوی نے یہ اوراق ہاتھ میں لے کر حاضرین کو دکھائے اور ایک نہایت پُرتشدّد تقریر کی جس سے غصے میں بھرا ہوا مجمع اور بھی زیادہ غضبناک ہوگیا۔واقعہ کی بناوٹی کہانی ہر جگہ جوش میں بھرے ہوے لوگوں کا موضوع گفتگو بن گئی۔اور چند ہی گھنٹوں کے اندر جنگل کی آگ

---

[1] تبصرہ صفحہ ۶۱

کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی جس سے پولیس کے خلاف غیظ ونفرت کے جزبات برانگیختہ ہوگئے۔''

فاضل ججوں نے اس افواہ کو بھی زیر بحث لاکراور متعدد شاہدوں کی شہادت لینے کے بعد یہ فیصلہ دیا۔

''چونکہ اس بارے میں غیر سرکاری شہادت مایوس کن حد تک ناکافی اور قلیل ہے اس لئے ہم قبول نہیں کرسکتے کہ کسی نے قرآن مجید کو ٹھوکر ماری تھی یا کسی لڑکے کو مار مار کے ہلاک کردیا تھا۔'' ؁۱

اور اسی غلط افواہ سے اشتعال کے نتیجہ میں سید فردوس شاہ ڈی ایس پی کی وفات کا حادثہ ہوا۔ اُن پر چھروں اور لاٹھیوں سے حملہ کر کے ہلاک کیا گیا۔ سید فردوس شاہ کے جسم پر باون زخموں کے نشان تھے۔'' ؁۲

(۱۰) پھر مؤلفین تبصرہ لکھتے ہیں :۔

''کہ عدالت نے بعض ایسے معاملات پر پورے زور کے ساتھ اور بڑی تفصیل کے ساتھ اظہار رائے کیا ہے جو رپورٹ کے ایک عام قاری کو شرائط تحویل سے باہر معلوم ہوتے ہیں۔ ؁۳

اسکا جواب فاضل ججوں نے ابتدائے رپورٹ میں مسائل کا ذکر کرکے یہ دیا ہے

''یہ تمام مضامین جیسا کہ تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ وہ کسی اعتبار سے بھی تحقیقات سے بے تعلق نہ تھے۔'' ؁۴

(۱۱) مؤلفین اپنے کتابچہ کے آخری حصہ میں لکھتے ہیں کہ قادیانی مسئلہ کے سلجھانے میں رپورٹ نے کوئی حل پیش نہیں کیا۔ اُس نے صرف اس منفی بات پر اکتفاء کرلیا کہ ان مطالبات کو ردّ کردیا جائے مگر خود اس قضیے کو آخر کیسے حل کیا جائے۔ اِس باب میں کوئی مثبت تجویز پیش نہیں کی۔

مؤلفین تبصرہ نے کتابچہ کے آخر میں تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے متعلق اپنی

؁۱ رپورٹ صفحہ ۱۵۹ ؁۲ رپورٹ صفحہ ۱۶۰ ؁۳ تبصرہ صفحہ ۶۸ ؁۴ رپورٹ صفحہ ۷

رائے اِن الفاظ میں ظاہر کی ہے:۔

''یہ ہے اس تحقیقات کا ماحصل جس پر پبلک کا روپیہ اور اسکے بہت سے کار آمد آدمیوں کا وقت بے دریغ خرچ کیا گیا۔'' [۱]

لیکن اس رائے سے ہم اور دیگر بہی خواہانِ مملکت خداداد پاکستان متفق نہیں اور رپورٹ کا مطالعہ مؤلفین تبصرہ کی رائے کے باطل ہونے کا بہترین ثبوت ہے۔

---

[۱] تبصرہ صفحہ ۲۰۷

حصّہ دوم

فسادات کی ذمّہ داری

تحقیقاتی عدالت کا ایک فرض یہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ تحقیق و تفتیش کے بعد رائے قائم کرے کہ فسادات کی ذمہ داری کس جماعت یا فرد پر عائد ہوتی ہے۔عدالت نے اس ضمن میں جن جماعتوں یا افراد پر ذمہ داری ڈالی ہے ۔اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ذمہ دار جماعت کے اُن نظریات اور اغراض کا بھی ذکر کر دیا ہے جو اِن فسادات کا درحقیقت پس منظر تھے۔عدالت بعد از تحقیقات جن نتائج پر پہنچی ہے۔وہ حسب ذیل ہے:۔

(۱) مجلس احرار

(الف) احرار۔فسادات کے براہ راست ذمہ دار ہیں

فاضل ججوں نے احرار کی امن شکن کارروائیوں کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ فیصلہ دیا ہے کہ

> ”سول بغاوت کا سارا سروسامان احرار ہی کا کیا دھرا تھا۔آل مسلم پارٹیز کانفرنس بھی احرار ہی کی ساختہ پرداختہ تھی ۔اوراسکی کارروائیوں پر بھی انہی کا غلبہ رہتا تھا مجلس عمل میں اُن کو اُنکے حصے سے زیادہ نمائندگی حاصل تھی ۔اور مجلس کے بعض ممبر جو دوسری جماعتوں کے نامزد کئے ہوئے تھے۔وہ بھی اصل میں احراری ہی تھے۔بالآخر گرفتاری اور قید میں بھی احراریوں کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔پس وہ فسادات کے لئے براہ راست ذمہ دار تھے۔“ [۱]

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۷۷

(ب) احرار نے قیام پاکستان کی مخالفت اسلام کے نام پر کی تھی

احرار کے متعلق تحقیقاتی عدالت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ

''اسلام اُن کے لئے ایک حربے کی حیثیت رکھتا تھا جسے وہ کسی سیاسی مخالف کو پریشان کرنے کے لئے جب چاہتے بالائے طاق رکھ دیتے اور جب چاہتے اُٹھا لیتے۔ کانگریس کے ساتھ سابقہ پڑنے کی صورت میں اُن کے نزدیک مذہب ایک نجی معاملہ تھا۔ اور وہ نظریۂ قوم کے پابند تھے۔ لیکن جب وہ لیگ کے خلاف صف آراء ہوئے تو اُن کی واحد مصلحت اسلام تھی۔ جس کا اجارہ انہیں خدا کی طرف سے ملا ہؤا تھا۔ اُن کے نزدیک لیگ اسلام کی طرف سے محض بے پرواہی نہ تھی بلکہ دشمن اسلام تھی۔ اُن کے نزدیک قائداعظم کافر اعظم تھے''

''انہوں نے اسلام کو حربہ بنا کر مسلم لیگ کو شکست دینے کی جو کوشش کی وہ احراری لیڈر مولانا مظہر علی اظہر کے بعض اقوال سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ صاحب شیعہ ہیں لیکن انہیں مدح صحابہ جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اور لکھنؤ کے شیعہ سُنّی فسادات کے ایام میں انہوں نے اور انکے بیٹے نے یہی نعرہ اختیار کیا تھا جس سے ہر شیعہ غضبناک ہو جاتا تھا۔ اور یہ دونوں شیعہ سُنّی فسادات کی آگ بھڑکانے کے لئے لاہور سے لکھنؤ گئے تھے۔''

شیعہ سُنّی نزاع سے اُنکی غرض کیا تھی۔ وہ مولانا مظہر علی اظہر کے ایک خط سے ظاہر ہوتی ہے جو نوائے وقت ۲۔ نومبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہؤا۔

اس چٹھی میں مولانا نے لکھا

''مدح صحابہ کا حربہ مسلم لیگ کے خلاف مؤثر طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے

اور الیکشنوں کے نتائج خواہ کچھ بھی ہوں اس مسئلے پر مسلم لیگ اور حکومت دونوں کو ہتھیار ڈال دینے پڑیں گے ۔مولانا کے اس طرزِ عمل سے بالکل واضح ہے کہ احرار اور دوسری جماعتیں اپنے سیاسی مقصد کے لئے کس قدر آسانی سے مذہب کو استعمال کر لیتی ہیں ۔'' [1]

''جہاں تک احراریوں کا تعلق ہے انہوں نے اپنے سیاسی مقصد کے لئے مذہب کا مسلسل استعمال کیا۔انہوں نے کانگریس کو ترک کیا تو مذہبی وجوہ کی بناء پر کیا۔اور مسلم لیگ کی مخالفت کی تو وہ بھی مذہبی بنا پر۔''

اسکے بعد عدالت نے احراری لیڈروں کی بعض تقریروں کے اقتباسات نقل کئے ہیں ۔

ا۔مولانا مظہر علی اظہر نے ۱۹ستمبر ۱۹۴۵ء کو امرتسر میں ایک بیان دیا:۔

''مسلم لیگ کا نعرۂ پاکستان محض ایک سٹنٹ ہے ۔میں نہ مسٹر جناح کو قائداعظم مانتا ہوں نہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ تسلیم کرتا ہوں ۔کیونکہ مسٹر جناح کی زندگی غیر اسلامی ہے۔'' [2]

۲۔امیر شریعت نے یہ اعلان کیا:۔

''مسلم لیگ کے لیڈر بے عملوں کی ٹولی ہیں جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں۔اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کررہے ہیں ۔اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ خاکستان ہے۔'' [3]

اسی رہبر محترم نے پسرور میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

''اب تک کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے ۔'' [4]

۳۔''چوہدری افضل حق احراری لیڈر نے مسلم لیگ کے تصوّر پاکستان کے خلاف بہت سی طنزیہ اور توہین آمیز باتیں کہیں جو ''خطبات احرار'' کے صفحات ۴۱ ۔۸۲ ۔۸۳ اور ۹۹ پر درج ہیں ۔'' [5]

۴۔مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۵ فروری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۳ [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۴ [3] رپورٹ صفحہ ۲۷۴ بحوالہ ملاپ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء

۴۔رپورٹ صفحہ ۲۷۴ بحوالہ استقلال نمبر روزنامہ جدید نظام ۱۹۵۰ء [5] رپورٹ صفحہ ۲۷۴

تقریر کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ

''احرار پاکستان کے مخالف تھے اور اُن کے اس عقیدے کی وجوہ عنقریب لوگوں پر ظاہر ہو جائیں گی۔''

''اس مقرر نے تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد بھی پاکستان کے لئے ''پلیدستان'' کا لفظ استعمال کیا۔'' [۱]

اور احراری لیڈر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک تقریر میں کہا ''کہ پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے'' [۲]

(ج) احرار اب بھی دشمن پاکستان ہیں

عدالت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ احرار اب بھی پاکستان کے مخالف ہیں۔فاضل جج لکھتے ہیں:۔

'خواجہ ناظم الدین نے ان کو دشمن پاکستان قرار دیا۔اور وہ اپنی گزشتہ سرگرمیوں کی وجہ سے اسی لقب کے مستحق تھے۔ان کے بعد کے رویّے سے یہ واضح ہوگیا کہ نئی مملکت کے وجود میں آنے کے بعد وہ اسکے مخالف ثابت ہوئے۔جو پارٹی پاکستان اور مسلم لیگ اور اسکے تمام لیڈروں کی مخالف اور کانگرس کی محض ایک کنیز تھی اسکے لئے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اپنے گزشتہ نظریات کو ترک کر دیتی اور قیام پاکستان پر جو اس کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود وجود میں آ گیا تھا۔راتوں رات اپنے عقائد کو بدل کر اس مملکت میں اسلام کی واحد اجارہ دار بن بیٹھتی جس کے قیام کے خلاف اس نے ایڑھی سے چوٹی تک زور لگا دیا تھا۔۔۔کیا ان کے ہندوستانی ساتھیوں کو جواب تک احرار ہی کہلاتے ہیں کانگرس نے یہ کام سپرد نہیں کیا کہ وہ کشمیریوں کو بخشی کی حکومت گوارہ کرنے پر آمادہ

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۷۵-۲۷۴ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۷۵

کریں۔''[۱]

(د) احمدیوں کے خلاف شورش کی اصل غرض وغایت

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''مرکزی حکومت کے سرکاری اعلان میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ احمدیوں کے خلاف شورش کو احراریوں نے منظّم کیا ہے۔اور اُن کے ماضی سے ظاہر ہے کہ وہ تقسیم سے پیشتر کانگرس اور ان دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔جو قائداعظم کی اس جدوجہد کے خلاف صف آرا ہورہی تھیں۔جو مرحوم نے مسلمانوں کی آزادی کے لئے جاری کر رکھی تھی۔**اس جماعت نے اب تک پاکستان کے قیام کو دل سے گوارا نہیں** کیا۔اِن لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کریں اور پاکستان کے استحکام کے متعلق عوام کے اعتماد کو نقصان پہنچائیں۔اس شورش کا یہ مقصد بالکل واضح ہے کہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر فرقہ وارا ختلافات کی آگ کو بھڑکایا جائے اور مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کردیا جائے۔'' [۲]

اور احرار کی یہ غرض کوئی لکی چھپی بات نہ تھی بلکہ عام افسروں پر بھی اسکی حقیقت آشکار ہو چکی تھی۔مثلاً

(۱) مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس نے ۲۱ فروری ۱۹۵۳ء کو جو یادداشت چیف سیکرٹری کو ارسال کی اسمیں احرار اور دیگر علماء جوان کی پشت پناہی کررہے تھے اُن کی سرگرمیوں کی کامیابی کا ذکر کر کے لکھا:۔

> ''یہ لوگ پاکستان کی بیخ کنی کررہے ہیں۔حکومت کو کمر ہمت باندھ کر اس خطرے کا مقابلہ کرنا چاہئے۔حکومت پڑھے لکھے طبقے کی ہمدردی کھو چکی ہے اور اب غیر ملکی لوگ بھی یہ ظاہر کررہے ہیں کہ حکومت غالباً اس بحران کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی جو علماء نے پیدا کر رکھا ہے۔'' [۳]

(۲) اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سرگودھا نے اپنی ایک رپورٹ میں جو حکومت کو بھیجی

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۷۸ [۲] رپورٹ صفحہ ۱۵۰ [۳] رپورٹ صفحہ ۱۴۶

واضح الفاظ میں لکھا:۔

''احراری کارکن امن اور سلامتی کو برباد کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اُن کا ظاہری مقصد تو احمدیوں کی مذمت کرنا ہے لیکن اندرونی مقصد یہ ہے کہ بدنظمی اور لاقانونی پیدا کی جائے۔'' [۱]

(۳) مسٹر دولتانہ وزیراعلیٰ نے احرار کی سرگرمیوں کے متعلق جو پہلی یادداشت قلمبند کی اسکے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''اس میں یہ بالکل صحیح لکھا کہ احراری اپنے لئے سیاسی مقام حاصل کرنے میں کوشاں ہیں۔''

یہی رائے مولوی ابوالحسنات کی تھی جو آخر میں ڈائریکٹ ایکشن کے پہلے ڈکٹیٹر بن گئے۔ چنانچہ مولانا نے اپنے ایک بیان میں جو مغربی پاکستان مؤرخہ ۱۱۔ جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا یہ کہا کہ:۔

''احرار نے ختم نبوت کی تحریک سیاسی مقصد سے شروع کی ہے اور ہمارا عزم مصمم ہے کہ ہم کسی سیاسی جماعت کو مذہب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیں گے۔'' [۲]

اس بارے میں محترم عدالت کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ

''یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اب احراریوں نے احمدیوں کے خلاف نزاع کو اپنے اسلحہ خانے سے ایک سیاسی حربے کی طور پر باہر نکالا۔'' [۳]

مزید برآں فاضل جج لکھتے ہیں کہ

''احرار کے رویّے کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں اُن کا طرزِ عمل بطور خاص مکروہ اور قابل نفرین تھا اسلئے کہ انہوں نے ایک دنیاوی مقصد کے لئے ایک مذہبی مسئلے کی توہین کی۔ اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے عوام کے مذہبی جزبات وحسّیات سے فائدہ اُٹھایا۔'' [۴]

پس احرار کی جاری کردہ شورش کا حقیقی پس منظر لیڈری کی خواہش اور سیاسی اقتدار

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۳۸ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۷۶ [۳] رپورٹ صفحہ ۲۷۵ [۴] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

حاصل کر کے پاکستان کی بیخ کنی اور اپنے مطلب کی حکومت قائم کرنا تھا۔

۲۔ جماعت اسلامی

تحقیقاتی عدالت نے مجلس احرار کی طرح جماعت اسلامی کو بھی فسادات اور اُن کے نتائج کا براہ راست ذمہ دار قرار دیا ہے اور ذمہ داری کے تعین سے قبل فاضل ججوں نے جماعت اسلامی کے اغراض ومقاصد اور اُنکی سرگرمیوں کے دائرے کا بھی مختصر حال بیان کیا ہے فاضل جج لکھتے ہیں:۔

(الف) دوآئین:۔

''تقسیم سے پہلے جماعت اسلامی کا صدر مقام پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور میں تھا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اسی کے بانی تھے تقسیم پنجاب کے بعد مولانا پاکستان چلے آئے اور انہوں نے ۱۹۵۲ء میں جماعت اسلامی پاکستان کے لئے ایک نیا آئین وضع کیا ہندوستان کی جماعت اسلامی اب تک کام کررہی ہے۔اوراس کا اپنا علیحدہ آئین ہے۔''

(ب) جماعت کا نصب العین سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''جماعت اسلامی کا نظریّہ نہایت سادہ ہے۔اسکا مقصد یہ ہے کہ دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کی جائے جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ ایک دینی سیاسی نظام قائم کیا جائے جس کو جماعت ''اسلام'' کہتی ہے۔اس نصب العین کے حصول کے لئے وہ نہ صرف پروپیگنڈا کو ضروری سمجھتی ہے بلکہ آئینی ذرائع سے (اور جہاں ممکن ہو قوت سے) سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہاں ہے۔''

(ج) دوسری حکومتیں شیطانی اوراس میں حصہ لینے والے گنہگار ہیں

’’جو حکومت جماعت کے تصوّر پر مبنی نہ ہو۔مثلاً جہاں اس کی بنیاد قومیت پر ہو۔مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک ’’کفر‘‘ ہے ۔اورتمام لوگ جو ایسی حکومت میں ملازمت یاکسی دوسری حیثیت سے حصہ لے رہے ہیں یا رضامندی سے اس نظام کی اطاعت کرتے ہیں وہ گنہگار ہیں ۔‘‘

(د) جماعت اسلامی پاکستان کی مخالف تھی اور ہے

لہٰذا جماعت مسلم لیگ کے تصوّر پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی اور جب سے پاکستان قائم ہؤا ہے جس کو ’’ناپاکستان‘‘ کہہ کر یاد کیا جاتاہے۔یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اسکے چلانے والوں کی مخالفت کررہی ہے ۔ہمارے سامنے جماعت کی جوتحریریں پیش کی گئیں ہیں ۔ان میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبۂ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو۔اسکے برعکس یہ تحریریں جن میں کئی مفروضے بھی شامل ہیں تمام کی تمام اس شکل کی مخالف ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا ۔اور جس میں اب تک موجود ہے ۔ایک فوجی عدالت میں اس جماعت کے بانی نے یہ بیان کیا کہ مسلّح بغاوت کے سواجماعت کاعقیدہ اورمقصد یہ ہے کہ موجودہ نظام حکومت کوتوڑ کر جماعت اسلامی کے تصّور کے مطابق حکومت قائم کی جائے ۔‘‘ [۱]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۶۱

(ح) یہ مقصد افسروں کو بھی معلوم تھا

مسٹر انور علی ڈی آئی جی سی آئی ڈی نے ۲۲۔اکتوبر ۱۹۵۲ء کو صورت حالات کا خلاصہ لکھتے ہوئے جماعت اسلامی کے متعلق لکھا:۔

''حکومت کے مخالف عناصر مثلاً جماعت اسلامی (جس نے آٹھ مطالبات پر نویں مطالبے کا اضافہ کر دیا ہے۔کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے) اور اسلام لیگ (جس کا راولپنڈی میں خاص زور ہے) اور حکومت کے مخالف افراد مثلاً عبدالستار نیازی نے شورش پسندوں کی تائید وحمایت اختیار کر لی ہے۔تحریک کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اکثر مقررین احمدیوں پر حملہ کرنے کے بعد حکومت کی مذمّت کرتے ہیں۔اور اسکو نا قابلیت رشوت خوری اور خوراک کی کمی وغیرہ کے لئے موردالزام قرار دیتے ہیں۔اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ احمدیوں کے خلاف شورش کو محض رائے عامہ کے منظّم کرنے کے لئے ایک آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے تا کہ بالآخر حکومت کے خلاف نفرت وحقارت کی آگ مشتعل کی جاسکے۔'' [1]

(ط) جماعت اسلامی ڈائریکٹ ایکشن کی حامی تھی

جماعت اسلامی نے فسادات کی ذمہ واری سے بچنے کے لئے یہ دلیل پیش کی تھی کہ اس نے ڈائریکٹ ایکشن کی یا ایسے اقدام کے فیصلے کی تعمیل کے لئے کسی پروگرام کی کبھی حمایت نہیں کی۔

تحقیقاتی عدالت نے اس سوال کو زیر بحث لا کر اسکی پوری چھان بین کی اور فاضل ججوں نے رپورٹ میں اسکے مالۂ وماعلیہ پر بحث کر کے اور جماعت اسلامی کے دلائل کی کمزوری اور بوداپن ظاہر کر کے لکھا ہے:۔

''اب جماعت اسلامی اوراس کے بانی کی سرگرمیوں کے تفصیلی بیان کے بعد جو

[1] رپورٹ صفحہ ۱۱۷-۱۱۶

حقائق جماعت اسلامی نے تسلیم کئے ہیں یا اسکے خلاف ثابت ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں:۔
ا۔ جماعت اسلامی پنجاب کی مجلس عمل کی ایک فریق تھی۔
۲۔ جماعت اسلامی اس مجلس عمل کی بھی ایک فریق تھی جو آل پاکستان پارٹیز کنونشن نے قائم کی تھی۔اور جس نے ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور کی تھی۔
۳۔مولانا سلطان احمد نے جو کراچی میں ۲۶ فروری کو مجلس عمل کے اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔اپنے آپکو مجلس عمل کی سرگرمیوں سے منقطع نہیں کیا۔گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کی کوٹھیوں پر رضا کاروں کو بھیجنے کا پروگرام اُن کی موجودگی میں طے کیا گیا۔لیکن انہوں نے اسکے خلاف کوئی احتجاج نہ کیا۔
۴۔شروع سے آخر تک جماعت اسلامی کا ایک نمائندہ کراچی اور لاہور کی مجلس عمل کے اجلاسوں میں برابر شریک ہوتا رہا۔
۵۔ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور ہونے کی تاریخ سے لے کر فسادات کی پوری شدت تک جماعت اسلامی نے کوئی ایسا اعلان عام نہ کیا کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن میں شامل نہیں ہے۔اور ان سرگرمیوں سے بے تعلقی کا اظہار کرتی ہے جو مجلس عمل کے طے کردہ پروگرام میں جاری تھیں۔
جماعت کو خوب معلوم تھا کہ ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام سے نہایت خوفناک قسم کے فسادات رُونما ہوں گے۔کیونکہ مولانا مودودی نے اپنی بعض تقریروں میں جو تسنیم میں شائع ہوئیں لفظ ''جنگ'' استعمال کیا اور ۳۰ جنوری کو لاہور میں موچی دروازے کے باہر تقریر کرتے ہوئے ہندو مسلم فسادات کا حوالہ بھی دیا۔
۶۔مارچ سے پہلے تسنیم کی مختلف تحریرات اور جماعت اسلامی کی جاری کردہ ہدایات میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ جماعت ''ڈائریکٹ ایکشن'' کے پروگرام کی حامی یا مؤید نہیں ہے۔اسکے

برعکس اُن تحریروں میں جو اس حقیقت کا چھپاہؤا اعتراف کیا گیا ہے کہ جماعت اسلامی نے اس معاملے میں ایک خاص ذمہ داری لی ہے جس کو پورا کرنے میں وہ اپنی بہترین قابلیت صرف کردیگی۔''

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ

''جماعت اسلامی اور دوسرے فریقوں کے درمیان ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام کی تفصیلات کے متعلق اختلافات تھے اور جماعت آئینی ذرائع اختیار کرنے پر مصر تھی پھر بھی اس امر کی حیثیت مجلس عمل کے ممبروں کے درمیان ایک گھریلو اور داخلی معاملہ کی تھی۔اور اس سے اس ڈائریکٹ ایکشن کے قدرتی نتائج کے متعلق جماعت کی ذمہ داری پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔کیونکہ جماعت اسلامی ڈائریکٹ ایکشن کے فیصلے میں سنجیدگی سے شامل تھی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت نے علی الاعلان اور وضاحت کے ساتھ اپنے آپکو ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام سے بےتعلق کرلیا ہوتا۔تو وہ ان واقعات کی ذمہ دار نہ ہوتی جو بعد میں رُونما ہوئے لیکن اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ جماعت نے ڈائریکٹ ایکشن سے اپنی بےتعلقی کا اعلان کیا ہو اسکی نامنظوری ظاہر کی ہو یا اسکی مذمّت کی ہو۔''[1]

(ی) ممبران جماعت اسلامی کا فسادات میں عملی حصہ

مزید برآں تحقیقاتی عدالت نے اس امر کی بھی تصدیق کر دی ہے کہ جماعت اسلامی کے ممبروں نے فسادات میں حصہ لیا اور جن دو ممبروں کو جماعت سے خارج کیا گیا وہ بعد از وقت تھا۔چنانچہ فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''میانوالی کے غلام صدیق اور سرگودھا کے سید احمد شاہ جماعت سے اس وقت خارج کئے گئے جب مارشل لاء کے نفاذ پر خاصی مدت گزر چکی تھی

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۰

لہذا اس اخراج سے جماعت کے مؤقف کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بہت سے اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں نے جو اطلاعات بصیغہ راز بھیجیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے ممبروں نے فسادات میں حصہ لیا۔ڈپٹی کمشنر منٹگمری نے اپنی ڈائری مؤرخہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء میں ایک شخص سلطان احمد کا ذکر کیا ہے۔اور اسی ضلع میں جماعت کا ایک اور ممبر محمد حسین تو گرفتار بھی کیا گیا تھا۔گوجرانوالہ اور راولپنڈی کے پولیس سپرنٹنڈنٹوں نے بھی اپنی رپورٹوں میں ارکانِ جماعت اسلامی کی اُن سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے دوران فسادات میں اختیار کی تھیں۔'' [1]

(ک) قوت کے استعمال پر اعتراض کا جواب

اسلامی جماعت نے سارا الزام حکومت پر اسلیئے عائد کیا کہ اُس نے فسادات کو فرو کرنے کے لئے قوت استعمال کی تھی۔اس الزام کے جواب میں فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''جماعت کا یہ دعویٰ بالکل نازیبا ہے کہ سارا الزام حکومت پر عائد ہوتا ہے کیونکہ اس نے فسادات کو فرو کرنے کے لئے جو نہایت سرعت سے نہایت تشویش انگیز صورت اختیار کر رہے تھے،قوت کا استعمال کیا۔سید فردوس شاہ کو ۴ (مارچ) کی شام کو ایک غضبناک ہجوم نے مسجد وزیر خاں کے اندر یا باہر قتل کر دیا۔یہ بعد میں ہونے والے واقعات کا محض ایک پیش خیمہ تھا۔لیکن اس حادثے کے بعد بھی جماعت اسلامی نے نہ اظہار تاسف کیا نہ اس وحشیانہ قتل کی مذمت میں ایک لفظ کہا۔بلکہ اسکے برعکس اس جماعت کے بانی نے آگ اور خون کے اس ہولناک ہنگامے کے درمیان ''قادیانی مسئلہ'' کا بم پھینک دیا۔'' [2]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۲ [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۱

(ل) عدالت کا فیصلہ

''جب جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے حکومت کی ان سر توڑ کوششوں میں جو وہ ۵۔ مارچ کو فسادات کے روکنے کے لئے کررہی تھی۔کسی قسم کا تعاون پیش نہ کیا۔تو ہمارے نزدیک جماعت کی ذمہ واری میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا بلکہ اسکے برعکس مولانا نے سرکشانہ رویّہ اختیار کیا تمام واقعات کا الزام حکومت پر عائد کیا اور فسادی عناصر کو ''تشدّد کا شکار'' کہہ کر اُن سے عام ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی۔گورنمنٹ ہاؤس میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا اسکے متعلق جوشہادت پیش ہوئی ہے۔اس سے ہم یہی اثر قبول کرسکتے ہیں **کہ وہ پورے نظام حکومت کے انہدام کی توقع کررہے تھے**۔اور حکومت کی متوقع پریشانی اور حوالگی پر بغلیں بجارہے تھے اور اگر اسکے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھ لی جائے کہ جماعت اسلامی کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے کیونکہ اسکے خیال کے مطابق اللہ کی حاکمیّت کے ماتحت مذہبی ادارت کے قیام کا مقصد حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ یہی ہے تو اس امر میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا جو کچھ ہو رہا تھا۔اُسے جماعت اسلامی کی پوری تائید وحمایت حاصل تھی لہذا ڈائریکٹ ایکشن کی منظوری سے اور اس پروگرام سے جو مجلس عمل نے کراچی میں ۲۶ فروری کو طے کیا تھا۔کہ گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کی کوٹھیوں پر رضا کاروں کے دستے بھیجے جائیں اور مولانا ابوالحسنات کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا جائے۔جو طبعی نتائج پیدا ہوئے **اُن کی ذمہ واری جماعت پر بھی عائد ہوتی ہے۔''** [۱]

اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کا احمدیوں کے خلاف احرار

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۷۱

کی جاری کردہ تحریک میں شامل ہونا اور اس میں عملی حصہ لینا تحفظ ختم نبوت یا ترقیٔ اسلام کی خاطر نہیں تھا۔ بلکہ اس کے پیچھے پاکستان کے لئے چھُپی ہوئی عداوت کا جزبہ کارفرما تھا۔ اور حکومت پاکستان کا تختہ اُلٹ کر اپنے برسر اقتدار آنے کی خواہش کا ایک کرشمہ تھا۔

۳۔آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی

اور

۴۔آل مُسلم پارٹیز کنونشن لاہور

کی ذمّہ داری

(الف) تحقیقاتی عدالت کے نزدیک فسادات کی ذمہ داری تمام اُن علماء پر ہے جو آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی اور آل مسلم پارٹیز کنونشن لاہور کے ممبر تھے اور اُن بیشمار مذہبی انجمنوں پر عائد ہوتی ہے جن کے ممبر اپنی انجمنوں کے نمائندوں کی حیثیت سے اِن کنونشنوں میں شامل ہوئے۔

(ب) کیا فسادات گرفتاریوں کا نتیجہ تھے؟

مجلس عمل کے نزدیک لیڈروں کی گرفتاری ایک نامناسب اقدام تھا۔ اور اگر تحریک کے لیڈر جو اقدام کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والے تھے۔ گرفتار نہ کئے جاتے تو فسادات نہ ہوتے۔ کیونکہ احتجاج اور مظاہرے اور فسادات اپنی گرفتاریوں کی وجہ سے ہوئے۔ اور انکے لئے صوبائی حکومت اور مرکزی حکومت ذمہ دار ہیں۔ عدالت نے مجلس عمل کے اس دعویٰ کو قبول نہیں کیا۔

فاضل جج اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

”یہ دعویٰ بالکل ناقابل قبول ہے۔ اگر کسی حکومت کو یہ دھمکی دی

جائے کہ اگر اس کے فلاں فلاں مطالبات فلاں فلاں تاریخ تک تسلیم نہ کئے تو مطالبات کرنے والی جماعت حکومت کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کرے گی ۔اور حکومت اُن مطالبات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اس قسم کی دھمکی دینے والی جماعت کو گرفتار کرلے اور ان گرفتاریوں کی وجہ سے فسادات برپا ہوجائیں ۔تو اُس جماعت کو نہ یہ کہنے کی اجازت دی سکتی ہے اور نہ اُس کے لئے یہ کہنا زیبا ہے۔کہ اگر گرفتاریاں نہ ہوتیں تو فسادات نہ ہوتے ۔''ڈائریکٹ ایکشن'' کی دھمکی ایک قائم شدہ حکومت کودھمکی دینا ہے ۔اور کوئی حکومت جو صحیح معنوں میں حکومت ہو اس قسم کی دھمکی کی طرف سے بے پرواہ نہیں ہوسکتی ۔سوائے اس حالت کے کہ وہ اس دھمکی کا سامنا کرنے کی جرأت نہ رکھتی ہو۔اور ہتھیار ڈال دینے اور اقتدار سے دست بردار ہو جانے پر آمادہ ہوجائے ۔'' [1]

(ج) تحریک کے ذمہ دار بدنظمی لاقانونی اور فسادات کے لئے پہلے سے سامان فراہم کرچکے تھے

فاضل جج لکھتے ہیں :۔

''اگر گرفتاریاں نہ کی جاتیں ۔ جب بھی بدنظمی اور لاقانونی ضرور بپا ہوتی ۔یہ ایک حقیقت ہے جس سے صرف اس تحریک کے علمبردار ہی انکار کرسکتے ہیں ۔وہ تمام لوگ جو اس تحریک سے متعلق یا اس کے ذمہ دار تھے خوب جانتے تھے کہ ایسے نتائج ضرور رونما ہوں گے پنجاب میں جو اس تحریک کا مرکز تھا ہزارہا رضا کار بھرتی ہو چکے تھے اور اُن کی تعداد پچاس ہزار کی اس مقررہ تعداد سے بڑھ چکی تھی جس کے بھرتی کرنے

[1] رپورٹ صفحہ ۲۵۹

کا ذمہ صاحبزادہ فیض الحسن نے لے رکھا تھا۔ اِن رضا کاروں سے حلف ناموں پر دستخط کرائے جا چکے تھے۔ بے انداز سرمایہ خرچ کیا جا چکا تھا اور اضلاع اور انکے ڈکٹیٹروں کی فہرستیں تیار ہو چکی تھیں۔ تا کہ یکے بعد دیگرے گرفتار ہوتے چلے جائیں۔ تحریک کے منظّم کرنے والوں کے سامنے ملتان اور کراچی کی نظیریں موجود تھیں۔ اور ان میں اکثر خود اس کا تجربہ رکھتے تھے۔ کہ ایسے موقعوں پر کیا ہوا کرتا ہے۔ لیڈروں کی تمام تقریروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر حکومت ڈائریکٹ ایکشن کی دھمکی کے آگے سر نہ جھکائے گی تو اس سے کس قدرتی نتیجہ کی توقع ہے اور الٹی میٹم دینے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی عوام سے جو اپیلیں کی جاتی تھیں۔ اُن میں گولیوں کا اور خون کا، رسول پاکؐ کی ناموس پر جانیں قربان کرنے کا، شعلہ ریزی کا اور تقسیم سے پیشتر ہندو مسلم فسادات کے ایام کا نہایت پُر معنی ذکر موجود تھا جن لوگوں نے اِن جزبات وحسّیات کا اظہار کیا تھا وہ ہم سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ ہم اُن کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیں گے کہ انہیں ان واقعات کی توقع نہ تھی۔ جو بعد میں پیش آئے۔'' [۱]

(د) فسادات کی ذمہ داری کے متعلق عدالت کا فیصلہ

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''ہمارے سامنے جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب مجلس عمل کے ممبروں نے خواجہ ناظم الدین کو الٹی میٹم دینے کا فیصلہ کیا۔ اسوقت اُن کو خوب معلوم تھا کہ اگر مطالبات رد کر دئے گئے اور ڈائریکٹ ایکشن پر عمل شروع ہو گیا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ بڑے پیمانے پر فسادات برپا ہو جائیں گے جن میں آتش زنی۔ خون ریزی اور شدید قسم کی عام بدنظمی شامل ہو گی۔ چونکہ واقعات نے بالکل وہی صورت

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۵۹

اختیار کی جو متوقع تھی ۔**لہذا ان فسادات کی ذمہ داری براہ راست اس مجلس کے ممبروں پر ہوتی ہے** اور چونکہ مجلس عمل بہت سی مذہبی انجمنوں اور مذہبی رہنماؤں کے کارندے کی حیثیت سے کام کر رہی تھی ۔ اس لئے جو اشخاص یا گروہ اس کراچی کنونشن کے ممبر تھے جس نے ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور کی تھی وہ سب کے سب فسادات اور اسکے نتائج کے ذمہ دار ہیں ۔آل مسلم پارٹیز کنونشن لاہور کے ممبر اسلئے ذمہ دار ہیں کہ انہوں نے ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد منظور کی ۔ وزیر اعظم کو الٹی میٹم دینے کی تائید کی ۔اور ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام کا سارا ساز و سامان فراہم کیا۔'' [۱]

۵۔تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی کے ممبر

فاضل جج لکھتے ہیں :۔

یہ امر بے حد تعجب انگیز ہے کہ تعلیمات اسلامی کا بورڈ بھی جو ایک حکومتی ادارہ ہے ۔اس ڈائریکٹ ایکشن کے کاروبار میں از سرتاپا کود پڑا۔مولانا سلیمان ندوی (صدر) مولان ظفر احمد انصاری (سیکرٹری) اور مولانا محمد شفیع ممبر بورڈ اِن قراردادوں میں شامل تھے جو ڈائریکٹ ایکشن اور مجلس عمل کے قیام کے متعلق منظور کی گئی تھیں ۔۔۔۔ان میں سے کسی نے علی الاعلان یہ کہنے کی جرأت نہ کی کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن کے خلاف ہے ۔نہ اس ہنگامے کی مذمّت کی جو اس اقدام کے نام پر برپا کیا جارہا تھا۔جس حالت میں ایسا کوئی اعلان موجودنہیں ۔ وہ بھی کنونشن کے دوسرے ممبروں ہی کی طرح فسادات کے ذمہ وار ہیں ۔'' [۲]

اس جگہ یہ ذکر کر دینا بھی ضرور معلوم ہوتا ہے جیسا کہ فاضل جج لکھتے ہیں :۔

''لاہور اور بیرونجات کے جن افسروں نے تحریری بیانات داخل کئے ہیں

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۶۰ [۲] رپورٹ صفحپ ۲۶۱

ان میں سے اکثر نے احرار کو اور ان ملّانوں کو موردِ الزام قرار دیا ہے۔ جو شورش کی آگ کو ہوا دینے کے لئے احراریوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔''[۱]

۶۔صوبائی مسلم لیگ اور اُس کے ممبروں کی ذمہ داری

صوبہ پنجاب میں برسراقتدار حکومت مسلم لیگی تھی ۔اِس لئے تحقیقاتی عدالت نے صوبائی مسلم لیگ اور اس کے ممبروں کی کاروائیوں کا بھی مفصّل جائزہ لیا۔نتیجہ حسب ذیل ہے:۔

(الف)''مسلم لیگ کے ممبروں نے سرمائے کی فراہمی اور رضا کاروں کی بھرتی میں سرگرم حصہ لیا۔اُن میں سے بعض افراد اضلاع میں ڈکٹیٹر یا ڈائریکٹ ایکشن کمیٹیوں کے ممبر بن گئے ۔اور جب فسادات شروع ہوئے۔تو یہ لوگ دل وجان سے تحریک میں کُود پڑے ۔مسلم لیگ کے ۷۷ ۳ممبر اسی شورش میں شامل ہوئے (اس جگہ رپورٹ میں اِن ممبروں کی ضلع وار تعداد دی گئی ہے) اِن حضرات نے جلوسوں میں حصہ لیا۔پُر تشدّد ہجوم کی قیادت کی ۔دفعہ ۱۴۴ کے احکام کی خلاف ورزی کی اور تحریک کی مالی امداد کے لئے سرمایہ فراہم کیا۔'' [۲]

''صوبائی مسلم لیگ ان تمام سرگرمیوں کو بالکل اطمینان سے دیکھتی رہی۔ اور ہمارے سامنے کاغذات کا جو بھاری ریکارڈ موجود ہے اس میں کہیں بھی اس امر کی شہادت موجود نہیں۔کہ صوبائی مسلم نے ایسی سرگرمیوں کو ناپسند کیا ہو۔ بلکہ متعدد حلقوں کی طرف سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس تحریک کو صوبائی مسلم لیگ کی تائید وحمایت حاصل تھی۔''[۳]

پھر فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''مطالبات اگرچہ احمدیوں کے متعلق تھے لیکن حکومت کے خلاف تھے اور اُن ایام میں آجکل کی مانند برسراقتدار حکومت مسلم لیگ کی حکومت تھی یہ امر ہماری حسّ جواز وشائستگی کے اعتبار سے بالکل ناقابل فہم ہے کہ وہ

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۵۸ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۸۶ [۳] رپورٹ صفحہ ۲۸۶

لوگ جو مسلم لیگ کے ضبط و نظم کے ماتحت تھے۔ کس طرح ایک ایسی تحریک میں یا اسکے بعد ڈائریکٹ ایکشن کی مہم میں حصّہ لے سکتے تھے۔ اور اس فعل کو جو مسلم لیگ کے انضباط اور اسکے ساتھ وفاداری کے قطعاً منافی تھا۔ واضح کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔'' [۱]

(ب) مسلم لیگیوں نے کیوں حصّہ لیا؟

رپورٹ اسکی مندرجہ ذیل وجوہات بتاتی ہے:۔

(ا) بعض مقامات پر مسلم لیگی پارٹیوں کا آپس میں حصول اقتدار کے لئے اختلاف مثلاً گوجرانوالہ کے مسلم لیگیوں کے اس رویّہ کی فاضل ججوں نے جب وضاحت کی تو معلوم ہوا۔ کہ سٹی مسلم لیگ گوجرانوالہ میں دو حریف گروہ ہیں یعنی مسٹر آفتاب احمد اور مسٹر منظور حسن کا گروہ۔ اور شیخ برکت علی اور شیخ محمد عاشق کا گروہ۔ پہلا گروہ برسرِ اقتدار ہے۔ دوسرا گروہ جو لیگ میں برسرِ اقتدار نہیں۔ لیکن حکام ضلع کا پسندیدہ ہے۔ اور پہلے گروہ کو بے دخل کرنے کا خواہشمند ہے۔ لہذا پہلے گروہ نے اپنے اقتدار کو بحال رکھنے کی غرض سے اور ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے ختم نبوت کی تحریک۔ اور احمدیوں کے خلاف شورش میں حصہ لیا۔ اسی مقصد سے مسٹر منظور حسن سیکرٹری سٹی مسلم لیگ نے احراریوں کے حلف نامے پر دستخط کئے۔ سرمایہ فراہم کیا۔ جلوسوں کی قیادت کی۔ اور ڈائریکٹ ایکشن کے پروگرام کے ماتحت ہر دوسری سرگرمی میں حصہ لیا

اور ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کے تحریری بیان کے مطابق برسر اقتدار گروہ نے قانون شکنی کی تائید کی۔ حکومت کے اقدامات کی مذمّت کی۔ جن شورش پسندوں کو عام جلسوں پر عائد شدہ پابندی توڑنے پر گرفتار کیا گیا تھا۔ اُن کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اور لیگ میں اپنے مخالف گروہ شیخ برکت علی شیخ محمد عاشق وغیرہ سے لیڈری چھین لینے کی امید میں شورش پسندوں سے جا ملے۔'' [۲]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۸۷ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۸۷ و ۲۹۳

(۲)عوام میں ہردلعزیز رہنے کی خواہش

بہت سے ایسے واقعات ذکر کرنے کے بعد جن کے نتیجہ میں مقدمات چلانے اورقانونی کاروائی کرنے کرشدید ضرورت تھی ۔فاضل جج لکھتے ہیں :۔

بہت سے افسروں نے زیر دفعہ ۱۵۳الف اور زیر دفعہ ۲۹۵الف تعزیرات پاکستان بہت سے مقدمات چلانے کی سفارش کی ۔اوراس باب میں کوئی دورائیں نہیں ہوسکتیں ۔کہ جن لوگوں کے خلاف یہ قانونی کاروائی تجویز کی گئی تھی ۔ وہ ان دونوں دفعات کے ماتحت جرائم کے مرتکب ہوئے تھے لیکن نہ کسی مقدمہ کے دائر کرنے کا حکم دیا گیااور نہ کوئی مقدمہ دائر کیا گیا ۔

’’لہذا جولوگ ایک چھوٹی سی جماعت کے خلاف عوامی جذبات کو مسموم کرنے کے ذمہ دار تھے ۔اُن کے خلاف کسی کاروائی کے فقدان کا مطلب یہی ہوسکتا ہے ۔کہ ایسی تدابیر اختیار نہ کرنی پڑیں ۔جن سے عوام کی بے اطمینانی میں اضافہ ہو جائے ۔خواہ اس چھوٹی سی جماعت کو کتنا ہی گہرا اور شدید صدمہ پہنچا ہو۔

اس تمام صورت حالات کی وجہ صرف یہ تھی ۔کہ مسلم لیگ اوراُس کے لیڈر عوام کے نزدیک ہردلعزیز رہنا چاہتے تھے ۔اورکوئی ایسی حرکت نہ کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے ووٹر ناراض ہو جائیں اور لیگ کو اقتدار حکومت سے محروم کردیں ۔‘‘ [۱]

مسٹر دولتانہ کی خواہش ہردلعزیزی

’’اسی خواہش نے مسٹر دولتانہ کو ۶ ۔مارچ ۱۹۵۳ء والا بیان شائع کرنے کی ترغیب دی ۔‘‘ فاضل جج لکھتے ہیں :۔

’’ہمارے سامنے یہ تسلیم کیا گیا ہے ۔کہ یہ بیان ان معنوں میں غیر

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۹۹

دیانتدارانہ تھا۔ کہ اسکی حیثیت ایک سیاسی چال سے زیادہ نہ تھی ۔اور یہ چال اسلئے چلی گئی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے ۔ مارشل لاء نافذ نہ ہونے پائے ۔یہی نتیجہ اس واقعہ سے بھی نکلتا ہے کہ بعد میں مسٹر دولتانہ نے ۱۰۔مارچ کو یہ بیان خود ہی واپس لے لیا۔''

سوال یہ ہے کہ پھر یہ بیان جاری ہی کیوں کیا گیا؟ فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''اس کا صرف ایک ہی جواب ممکن ہے کہ **عوام میں ہردلعزیز رہنے کی خواہش** نے مسٹر دولتانہ سے یہ بیان جاری کرایا۔مسٹر دولتانہ نے اس بیان کے اثرات ونتائج پر ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہ کیا۔اوراس انتہائی پریشانی کا اندازہ بھی نہ لگایا۔ جو اسکی مرکزی حکومت کو لاحق ہونا ضروری تھی ۔اور لاحق ہوئی ۔مسٹر دولتانہ نے سوچا کہ مرکزی حکومت خواہ کتنی ہی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائے ۔ مجھے ضرور کوئی ایسا قدم اُٹھانا چاہیئے جس سے **مَیں ہردلعزیز ہو جاؤں** ۔'' [۱]

۳۔تیسری وجہ مسلم لیگیوں کے شورش میں حصہ لینے کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ:۔

''مسلم لیگیوں کا فسادات کے آغازاور بعد میں حصہ لینامسلم لیگی قراردادااورصدر مسلم لیگ کی تقریروں کا قدرتی نتیجہ تھا۔'' [۲]

(ج)عدالت کا فیصلہ

مسلم لیگ کی قرارداد مؤرخہ ۲۷ ؍جولائی ۱۹۵۲ء کے نتیجہ میں فاضل جج لکھتے ہیں ۔کہ:۔

''تمام جماعتوں نے جو مطالبات کی منظوری کے لئے چیخ و پکار کر رہی تھیں اپنی تمام سرگرمیوں کا رُخ مرکزی حکومت کی طرف کر دیا۔جس کے رئیس خواجہ ناظم الدین تھے ۔اس لئے اگر خواجہ ناظم الدین اُن مطالبات کوتسلیم نہ کرسکے ۔اورنتیجہ یہ ہوُا کہ ڈائریکٹ ایکشن شروع ہوگیا۔اورفسادات

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۰۰ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۹۳

پھوٹ پڑے ۔**تو واقعات کی ذمہ داری واضح طور پر مسلم لیگ پر بھی** اسی طرح عائد ہوتی ہے جس طرح آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس پر جس نے مطالبات وضع کیئے تھے۔اور خواجہ ناظم الدین کے سینے پر پستول رکھ کر اُن کے سامنے وہ مطالبات پیش کیئے تھے ۔اِس تمام دوران میں مسلم لیگ یا اس کے کسی لیڈر نے نہ تحریک کی مزاحمت کے لئے کچھ کہا اور نہ عوام کے سامنے کوئی مقابلے کا نظریہ پیش کیا۔'' ؎۱

(د) تحریک کی مزاحمت نہ کرنے کی وجہ ''خوفِ نامقبولیت''

فاضل جج لکھتے ہیں ۔کہ مسلم لیگی لیڈروں کو

''خوف یہ تھا۔کہ اگر ہم نے جرأت وہمت کا کوئی اقدام کیا تو عوام میں نامقبول ہوجائیں گے ۔زیادہ تر اسی خوف کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک ایسی تحریک کا مقابلہ کرنے یا اسکو روکنے کے لئے جس نے اپنی بظاہر مذہبی اپیل کی وجہ سے جمہور پر نہایت سرعت سے قابو پا لیا تھا۔جس نظریّے کی ضرورت تھی وہ بالکل ناپید رہا۔ لہذا

ہماری رائے یہ ہے کہ ہمارے لیڈر اپنے فرض کی بجا آوری میں قاصر رہے ۔اور ایک ایسی صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے قطعاً نا قابل ثابت ہوئے جو دور اندیشی دانشمندی اور حسن تدبیر کے تمام اوصاف کی متقاضی تھی ۔اس تمام دوران ایک بھی عوامی لیڈر نے شہریوں کی عام عقل وفہم کو اپیل کرنے کی جرأت نہ کی ۔ یہاں تک کہ جب فسادات کی آگ پوری شدّت کے ساتھ بھڑک رہی تھی۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی عوام کو یہ سمجھانے کی تکلیف گوارہ نہ کی ۔کہ ان کو گمراہ کر کے ایک راستے پر ڈالا جارہا ہے جس کا فوری نتیجہ یہ ہو گا کہ **ملک** کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔'' ؎۲

؎۱ رپورٹ صفحہ۲۹۴ ؎۲ رپورٹ صفحہ ۲۹۶

۷۔ مرکزی اور صُوبائی حکومتیں

چونکہ مجلس احرار، مجلس عمل اور اسلامی جماعت اور صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے اپنے تحریری بیانوں میں صوبائی و مرکزی دونوں حکومتوں کو اور مسٹر دولتانہ نے صرف مرکزی حکومت کو فسادات کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اور ہر فریق نے ذمہ داری کی وجوہ علیحدہ علیحدہ بیان کی ہیں۔ اور فاضل ججوں نے جو احراری شورش کے آغاز سے لے کر مارشل لاء کے قیام تک دونوں حکومتوں کے رویّہ اور اُن کی کارروائیوں کا مکمل جائزہ لیا ہے۔ اسکا سلسلہ رپورٹ کے صفحہ نمبر ۳۰۲ سے شروع ہو کر صفحہ نمبر ۴۲۵ تک یعنی ۱۲۳ صفحات پر پھیلا ہوُا ہے۔ اس لئے جو قاری ان دونوں حکومتوں کی کاروائیوں اور احراری شورش کے سلسلہ میں اُن کی اصلی پوزیشن معلوم کرنے کا شائق ہو۔ اُسے رپورٹ کے اس مخصوص حصہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

(الف) دونوں حکومتوں کا مؤقف

جہاں تک دونوں حکومتوں میں ’’ شورش احرار‘‘ کے خلاف ایکشن لینے کے متعلق اختلاف کا سوال ہے۔ فاضل ججوں نے جیسا کہ رپورٹ کے مطالعہ سے سمجھتے ہیں۔ قانونی رو سے مرکزی حکومت کو حق پر اور صوبائی حکومت کو غلطی پر قرار دیا ہے۔ فاضل جج لکھتے ہیں:۔

> ’’مرکزی حکومت نے پالیسی کی ایک چِٹھی ستمبر ۱۹۵۱ء کو اور دوسری جولائی ۱۹۵۲ء کو جاری کی۔ اور صوبائی حکومت پر واضح کر دیا کہ جارحانہ فرقہ آرائی کو سختی سے دبا دیا جائے۔ لیکن صوبائی حکام نے اپنی یادداشتوں میں اس امر پر زور دیا۔ کہ مطالبات کے متعلق فیصلہ مرکز کا کام ہے۔ اور جب تک اُن کے موافق یا مخالف فیصلہ نہ ہو گا قانون وانتظام کی صورت حالات بہتر نہ ہو گی۔‘‘

عدالت کی رائے

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

’’انہیں خوب معلوم تھا۔ کہ مرکز کسی حالت میں بھی مطالبات کو منظور نہیں کر سکتا۔اوراگرکوئی فیصلہ ہوگا بھی تو وہ نامنظوری ہی کا فیصلہ ہوگا۔لیکن وہ مصّر رہے کہ کوئی فیصلہ ضرور ہونا چاہئیے۔‘‘

مرکز کا مؤقف

اور مرکز جس کے نمائندہ خواجہ ناظم الدین تھے کھلم کھلا یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ وہ مطالبات کو مسترد کرر ہا ہے ۔کیونکہ خواجہ صاحب کے نزدیک ایسے فیصلے سے اُن کا عُلماء سے تصادم ہو جائیگا۔اور خواجہ صاحب علماء کی طرف نہایت گہرا میلان رکھتے تھے۔‘‘

عدالت کی رائے

’’ہمارا خیال ہے کہ یہ مطالبات بغیر کسی مذہبی احتیاط کے بغیر امن عامہ کو خطرے میں ڈالے اورحسّیات عامہ کو صدمہ پہنچائے مسترد کئے جاسکتے تھے۔لیکن ہمارے نزدیک قانون وانتظام کی صورتِ حالات کے مقاصد کے لئے اُن کا جواب دینا بالکل ضروری نہ تھا۔وہ صورت حالات تو ایک سادہ حکم امتناعی کے نفاذ ہی سے بہت بہتر ہوگئی تھی (گو وہ حکم بہت ناکافی تھا)لیکن جب جولائی ۱۹۵۲ء کے بعد احرار اور علماء کے ہر قول وفعل کی طرف سے کامل بے پروائی کا رویّہ اختیار کرلیا گیا۔تو صورتِ حالات پھر بگڑتی چلی گئی ۔ بلکہ اس کے برعکس چیف منسٹر کی اُن تقریروں کی وجہ سے یہ بگاڑ اور بھی زیادہ ہوگیا۔جن میں انہوں نے علی الاعلان یہ خیال ظاہر

کیا کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں۔'' [۱]

مرکزی حکومت کا قصور

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''مرکزی حکومت کئی مہینوں تک عدم فیصلہ تأمل اور تذبذب کی جس پالیسی پر کاربند رہی۔اسکا اثر صوبے کی صورت حالات پر پڑا۔بلا شبہ قانون و انتظام ایک صوبائی مضمون تھا۔لیکن ایسی صورتوں میں جب پوری آبادی کسی مذہبی جوش میں مبتلا ہورہی تھی۔محض قانونی و انتظامی آلات کو حرکت دینے سے زیادہ کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔یہ ''چیز'' پنجاب میں موجود نہ تھی۔اور مرکز نے اس پر غور ہی نہ کیا تھا۔لہذا نتیجہ یہ ہوا۔کہ فساد برابر پرورش پاتا رہا اور جب پھوٹا تو نہایت شدّت سے پھوٹا۔'' [۲]

(ب) مسٹر دولتانہ اور خواجہ ناظم الدین کی کشمکش کا پس منظر

بے شک قانون وانتظام کی بے مثال توہین ہورہی تھی۔شورش دن بدن بڑھ رہی تھی۔حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ اور حضرت امام جماعت احمدیہ اور چودھری ظفراللہ خاں صاحب کو پلیٹ فارم سے حد درجہ ناشائستہ اور گندی گالیاں دی جارہی تھیں۔نفرت انگیز کارٹون نکالے جارہے تھے۔جلوسوں میں حد درجہ اشتعال انگیز اور تحقیر آمیز نعرے لگائے جارہے تھے۔اور اخبارات نہایت فحش اور دل آزار کلمات استعمال کررہے تھے۔اور حالت یہ تھی جیسا کہ فاضل ججوں نے لکھا ہے:۔

''حکومت نے خود احمدیوں کی جماعتی حیثیت سے مذہبی عزت اور اس جماعت کے بعض اہم افراد کی ذاتی عزت کی کوئی پرواہ نہ کی۔'' [۳]

لیکن خواجہ ناظم الدین صاحب ایک طرف تو علماء کے تصادم سے خوف کھارہے تھے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۴۲۴-۴۲۳ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۰۴ [۳] رپورٹ صفحہ ۳۶۸

اور دوسری طرف اسکے ساتھ ہی جیسا کہ فاضل جج لکھتے ہیں

''اس حقیقت سے بھی باخبر تھے۔کہ'' جو شخص مرکز سے کسی فیصلے کے لئے اصرار کرتا ہے۔اسکی نیت یہ ہے کہ ذمہ داری مرکز کی طرف منتقل ہو جائے ۔۔۔۔ایسی حالت میں اگر فوج یا پولیس کسی پر گولی چلائے گی تو صوبائی لیڈر کہیں گے کہ یہ سب کچھ مرکز کے حکم سے ہو رہا ہے۔اگر اس کشمکش میں مرکزی حکومت ٹوٹ گئی تو صوبائی حکومت لوگوں سے یہ کہے گی کہ'' ہم تو شروع سے آخر تک تمھاری تائید کرتے رہے ہیں'' کسی ناگوار اقدام کی ذمہ داری اُٹھانے کا یہی طبعی لیکن افسوسناک خوف ہے جس سے یہ تلخ نتائج رونما ہوئے۔''

خواجہ ناظم الدین کا کیس

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''خواجہ ناظم الدین کا کیس یہ ہے کہ اگر صورت حالات کا تدارک قانون و انتظام کے پہلو سے بوجہ احسن کیا جاسکتا تھا تو اس امر پر اصرار کیوں ضروری سمجھا گیا کہ مطالبات کے متعلق کوئی فیصلہ ضرور کرنا چاہئیے۔''

اسکا جواب مسٹر انور علی کے بیان سے ملتا ہے۔

''ایک دفعہ چیف منسٹر نے مجھ سے کہا کہ اگر میں نے کوئی اقدام کر دیا اور مرکز نے مطالبات منظور کر لئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ میری پوزیشن نازک ہو جائیگی۔''

(ج) عدالت کی رائے

''اگر مطالبات ردّ کر دئے جاتے۔تو مرکز نامقبول ہو جاتا۔اگر قانون و انتظام کے پہلو سے کوئی اقدام کیا جاتا۔تو اس سے صوبہ غیر ہر دلعزیز

ہو جاتا۔لیکن دونوں صورتوں میں نامقبولیت کی نوعیت مختلف ہوتی ۔۔۔۔۔اگرایک تنہا نقطۂ نگاہ سے دیکھا جاتا۔تو صوبائی دائرے میں کاروائی یقیناً دوخرابیوں میں سے کم درجے کی خرابی ہوتی ۔اور اگر دو مختلف زاویوں سے دیکھا جاتا تو دونوں فریقوں کے پیش نظر اپنا اپنا مفاد ہوتا۔اورحقیقت یہی ہے۔کیونکہ لوگ لازماً عام آدمی کی بہبودی پر نظر نہیں رکھتے۔بلکہ اپنے سیاسی مستقبل کا خیال رکھتے ہیں۔'' [1]

(د) صوبائی حکومت

صوبائی مسلم لیگ اور حکومت کے متعلق ہم فاضل ججوں کی رائے ''مسلم لیگ کی فسادات میں ذمہ داری'' کے زیرعنوان ذکر کر چکے ہیں۔لیکن رپورٹ کے اس حصے میں جس کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے۔اور رپورٹ کے صفحہ نمبر ۸ سے لے کر صفحہ نمبر ۱۲۶ تک کے حصے میں صوبائی حکومت کے خلاف جو مواد جمع ہے اُسکی موجودگی میں کوئی منصف شخص اُسے فسادات کی ذمہ داری سے بری قرار نہیں دے سکتا۔

اخبارات کو امداد

اخبارات کی ذمہ داری کے عنوان کے تحت ہم ذکر کر چکے ہیں۔کہ اخبارات نے شورش کی آگ کو ہوا دینے کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔لیکن تحقیقاتی عدالت کے اس انکشاف سے ہر مخلص پاکستانی انگشت بدنداں رہ گیا۔کہ شورش کی آگ کو ہوا دینے والے اخبارات کی پشت پناہ صوبائی حکومت تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ پنجاب ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن کی سفارشات پر ۱۹۴۷ء میں صوبائی حکومت نے ناخواندگی کو کم کرنے کے لئے تعلیم بالغاں کا نظام جاری کیا۔یہ نظام سر رشتہ تعلیم کے سپرد تھا۔اور اسکے لئے ۵۰-۱۹۴۹ء میں دولاکھ پچیس ہزار ا۵-۱۹۵۰ء میں دس لاکھ اور ۵۲-۱۹۵۱ء میں چھ لاکھ اور ۵۳-۱۹۵۲ء میں چھ لاکھ روپے کی رقوم منظور ہوئیں۔

[1] رپورٹ صفحہ ۳۲۵

۱۸ مئی ۱۹۵۱ء کو میر نور احمد ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے چیف سیکرٹری کی خدمت میں ہسپتالوں ۔جیلوں ۔سکولوں وغیرہ کے لئے موزوں اخباروں کے پرچے خریدے جانے کی تجویز پیش کی ۔اور یہ بھی کہ اس مقصد کے لئے پچاس ہزار روپیہ کی منظوری دی جائے ۔

چیف منسٹر اور وزیر تعلیم نے سررشتہ تعلیم کے اس احتجاج کے باوجود کہ اخبارات صرف خواندہ لوگوں کے لئے مفید ہوسکتے ہیں نہ اُن لوگوں کے لئے جنہیں خواندہ بنانا مقصود ہے ۔نیز مجوزہ خرچ کو تعلیم بالغان کی سکیم میں سے ادا کرنا جائز بھی نہیں ہے ۔۲۶ مئی ۱۹۵۱ء کو فیصلہ کر دیا کہ رقم منظور کی جاتی ہے ۔جو ڈائریکٹر تعلقات عامہ کے لئے محفوظ رکھی جائے ۔چنانچہ ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے وقتاً فوقتاً سررشتہ تعلیم سے ۵۲-۱۹۵۱ء اور ۵۳-۱۹۵۲ میں مزید رقوم طلب اور وصول کیں ۔جن کی مجموعی مقدار دو لاکھ تین ہزار روپے ہوتی ہے ۔اس رقم میں سے بحیثیت مجموعی ''آفاق'' کو ایک لاکھ روپیہ دیا گیا۔اس اخبار پر میر نور احمد کی نگرانی قائم تھی ۔اور ایڈیٹر پروفیسر محمدؐ سرور کی شہادت کے مطابق یہ اخبار خود مسٹر دولتانہ کا تھا۔اور اسکا مینجر اشتہارات جو بعد میں مینجر ڈائریکٹر ہوگیا خود میر نور احمد کا بیٹا تھا۔

۲۔احسان کو اٹھاون ہزار روپیہ

۳۔مغربی پاکستان کو پندرہ ہزار روپیہ

۴۔زمیندار کو تیس ہزار روپیہ دیا گیا۔

یہ حقائق لکھ کر فاضل جج لکھتے ہیں :۔

''ان اخباروں کے لئے جن میں سے دو اخباروں کی اشاعتیں بہت کم تھیں یہ عطیات امداد غیبی سے کم نہ تھے ۔اور اس قدر ممنون زیر بار احسان تھے ۔کہ اگر حکومت چاہتی تو جس پالیسی پر اُن کو چلانا چاہتی وُہ فوراً اُسی پر کاربند ہوجاتے ۔لیکن اِن اخباروں کے تراشوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب اس تنازع میں سرگرمی سے مصروف تھے ۔اور جن دنوں میں اُنہیں یہ رقوم دی جارہی تھیں ۔اُن دنوں میں بھی برابر اس شورش کی آگ کو ہوا دے رہے تھے ۔'' [۱]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۸۵-۸۴

اسی طرح اخبارات کی ذمہ داری پر بحث کرتے ہوئے فاضل جج لکھتے ہیں کہ اگر ڈائریکٹر تعلقات عامہ چاہتے تو اس معقول مالی امداد کے پیش نظر جو حکومت نے اس اخبار کو دی تھی ۔اس کی سرگرمیوں پر قابو رکھ سکتے تھے ۔اور اس طرح ''احسان'' اور'' مغربی پاکستان'' بھی ڈائرکٹر تعلقات عامہ کو ناراض کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے ۔ [۱]

مؤلفین تبصرہ کی عدالت پر بے جا نقطہ چینی

ہمیں سخت تعجب ہے کہ فاضل ججوں کی اس رائے سے اس اتہام کو کیا نسبت ہے جو مؤلفین تبصرہ نے تحقیقاتی عدالت پر لگایا ہے ۔کہ گویا

''عدالت یہ کہنا چاہتی ہے کہ وہ سراسر ناجائز رشوت جو سرکاری خزانے سے ان اخبارات کو دی گئی تھی ۔اُن کی پالیسی خریدنے یا کم ازکم انکی پالیسی پر اثر انداز ہونے میں استعمال ہونی چاہیئے تھی۔ اور غلطی کی گئی جو ضمیر کی خرید وفروخت کا یہ کاروبار نہ کیا گیا۔'' [۲]

رپورٹ کی عبارت ہرگز اس نتیجہ کی متحمل نہیں ہے جو مؤلفین تبصرہ نے اخذ کیا ہے ۔عدالت صرف یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ حکومت کہ محکمہ تعلقات عامہ نے ایک دوسرے محکمہ کے فنڈ کو بے محل اور بے جا طور پر اپنی سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا۔اور کوشش کی کہ تحریک کا رُخ کراچی کی طرف پھیر دیا جائے ۔فاضل جج اخبارات کے مندرجات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :۔

''ان سب افعال کا نتیجہ یہی ہوسکتا تھا۔کہ شورش کی وسعت وشدّت میں اضافہ ہو۔'' [۳]

اور احراری شورش کے متعلق صوبائی حکومت کے وزیر اعلیٰ اور دوسرے افسر اپنے تحریری بیانات میں تسلیم کر چکے ہیں کہ وہ اُن لوگوں نے منظّم کی جو پاکستان کے دشمن تھے اور اب تک دشمن ہیں ۔جن کا مقصد سیاسی اقتدار کا حصول اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور سالمیت پاکستان کو نقصان پہنچانا ہے ۔اور عدالت کے سامنے بھی انہوں نے اپنا موقف

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۰۱ [۲] تبصرہ صفحہ ۵۴ [۳] رپورٹ صفحہ ۳۰۱

یہی بیان کیا ہے ۔کہ وہ اس شورش کے حق میں نہ تھے اور اسکی توسیع اور شدت میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا ۔عدالت دریافت کرتی ہے ۔اگر اُن کا یہ موقف درست ہے ۔تو حکومت کے ایک محکمہ نے اُن اخبارات کی مالی امدادکیوں کی جو اس شورش کی آگ کو ہوا دے رہے تھے ۔ یہ امداد دینا ثابت کرتا ہے کہ۔ وہ اخبارات اسی پالیسی کو چلا رہے تھے جو ڈائرکٹر تعلقات عامہ نے اُن کے لئے تجویز کی تھی ۔کیونکہ وہ اخبارات ایسے نہ تھے کہ وہ حکومت سے ہزاروں روپے کی امداد لے کر بھی اسکی پالیسی کے خلاف لکھتے رہتے ۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء کے موسم گرما میں حکومت کے متعلق اس بناء پر کہ ان اخباروں نے حکومت سے امداد و اعانت پانے کے باوجود اس مکروہ تنازع میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا لوگوں کو یہ شبہ لاحق ہوگیا تھا کہ

''حکومت خود ان اخباروں کی حوصلہ افزائی کررہی ہے کہ وہ فرقہ وار نفرت پھیلانے میں اپنی قوتیں صرف کردیں ۔'' [۱]

پس مؤلفین تبصرہ کا نتیجہ ہمارے نزدیک تحکمانہ نتیجہ ہے ۔

۹۔محکمۂ اِسلامیات

۱۹۵۱ء میں محکمۂ اسلامیات قائم کیا گیا۔ جس کے حاکم اعلیٰ چیف سیکرٹری قرار پائے اور اس کی نگرانی اور مصارف کا انتظام ڈائرکٹر تعلقات عامہ کے سپرد کیا گیا۔اور مولوی ابراہیم علی چشتی چھ سو روپیہ ماہانہ پر ڈپٹی سیکرٹری مقرر کئے گئے ۔اس محکمے کے حقیقی اخراجات ۵۲-۱۹۵۱ء میں ۴۹۸۱۵ روپے اور ۵۳-۵۲ء میں ۱۰۵۴۳۵ روپے ہوئے ۔ستمبر ۱۹۵۱ء سے لے کر فروری ۱۹۵۳ء تک بہتّر اشخاص کو مختلف اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھنے کے معاوضے پیش کئے گئے ۔اُن میں سے مولانا ابوالحسنات محمد احمد اور مولانا محمد بخش مسلم نے احمدیوں کے خلاف تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ کیونکہ اول الذکر پنجاب کی مجلس اول کے صدر اور آخر الذکر ممبر تھے ۔اس محکمہ نے اٹھارہ اشخاص کو سکولوں ،کالجوں اور جیلوں میں دینیات پر لیکچر دینے کے کام پر متعیّن کیا ان میں سے ۱۱۔افراد نے تحریک میں نہایت سرگرم حصہ لیا۔

۱۔مولانا محمد بخش مسلم ۲۔مولوی غلام دین ۳۔مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۸۵

۴۔صاحبزادہ فیض الحسن ۔۵۔علامہ علاء الدین صدّیقی ۔۶۔مولانا غلامحمد ترنّم ۔۷۔قاضی مرید احمد۔۸۔حافظ کفایت حسین ۔۹۔ پروفیسر عبدالحمید۔۱۰۔مولانا سلیم اللہ ۱۱۔مفتی محمد حسین۔

اِن حضرات میں سے چھ شورش کے سلسلہ میں اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار کئے گئے ۔قاضی مرید احمد۔ پروفیسر عبدالحمید ۔اور مفتی محمد حسن کے سوا باقی سب مجلس کے ممبر تھے۔قاضی مرید احمد مجلس عمل ضلع سرگودھا اور حافظ کفایت حسین مجلس عمل ضلع لاہور کے صدر تھے ۔ممبروں کے بورڈ میں سے چار اشخاص نے تحریک میں نمایاں حصّہ لیا۔ان میں سے دو اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہوئے ۔گویا محکمہ اسلامیات کا فنڈ بھی زیادہ تر انہی لوگوں پر صرف ہو رہا تھا جو اس تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔

۱۰۔اخبارات کی ذمہ داری

فاضل ججوں کی یہ رائے صائب اور حقیقت پر مبنی ہے کہ:۔

''ہر بات اس پر منحصر ہے کہ آپ لوگوں کو کیا بتاتے ہیں ۔اس لئے واقعات کا انحصار اس شخص پر ہے جو لوگوں کو زبان سے بتاتا ہے۔یا اُس اخبار پر ہے جو انہیں قلم سے بتاتا ہے یعنی یا تو وہ شخص ہے جو زبان کو دشنام طرازی اور عناد کا آلہ سمجھتا ہے۔یا وہ شخص جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے طاقتور قلم سے ہر غلیظ جوہڑ کے پانی کو حرکت دے سکتا ہے۔'' [۱]

اخبارات کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں

''ہم زمانہ زیر بحث کے دوران میں اخباروں کی سرگرمیوں کا ذکر اور اُن پر تبصرہ تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں۔[۲] اس اعتبار سے بد ترین مجرم ''آزاد''۔''زمیندار''۔''احسان''،'' آفاق اور ''مغربی پاکستان'' تھے''۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۲۲ [۲] ملاحظہ ہو رپورٹ از صفحہ ۱۰۱-۱۱۰

اخبارات پر فسادات کی ذمہ داری

فاضل جج لکھتے ہیں :۔

''اس رپورٹ کے ایک سابقہ حصے میں ہم نے ان مضامین کا مفاد نقل کیا تھا۔ جوان اخباروں نے موجودہ نزاع پر قلمبند کئے تھے۔ انہوں نے اس موضوع پر بار بار مضامین لکھ کر اس سے جس غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور جس طریقے سے مطالبات کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس سے اُنکا یہ مقصد صاف طور پر واضح ہوتا تھا۔ کہ شورش کی آگ کو ہوا دی جائے۔ اور حتی الامکان اس کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے۔ ان اخباروں کے کالموں میں کہیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں ان واقعات کو ناپسندیدہ اور قابل نفرین قرار دیا گیا ہو۔ جو اس سلسلہ میں صوبہ بھر کے اندر رونما ہو رہے تھے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ احمدی ایک الگ قوم ہیں۔ طویل اور مدلل مضامین شائع کئے گئے۔ شورش کے سلسلہ میں رونما ہونے والے واقعات کی ہیجان خیز خبریں درج کی گئیں۔ ملاقاتوں کے نتائج۔ مساجد میں اور دوسرے مقامات پر ہونے والے جلسوں اور منظور شدہ قراردادوں کا اندراج کیا گیا۔ اِن سب افعال کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ شورش کی وسعت و شدّت میں اضافہ ہو۔ اور اس نتیجے سے یہ اخبارات صرف باخبر ہی نہ تھے بلکہ ان کا مقصد بھی یقیناً یہی ہوگا۔ مزید براں اِن اخباروں نے اس نقطے پر جو زور دیا کہ یہ مطالبات مرکز کے دائرہ اختیار میں ہیں اسکا اثر بھی صرف یہی ہو سکتا تھا کہ شورش کی رفتار کا رُخ کراچی کی طرف پھر جائے۔ اس سے قبل ہم اس بیان کو تسلیم کر چکے ہیں کہ ڈائرکٹر تعلقات عامہ تحریک کو کراچی کے ''راستے پر لگانے'' کی پالیسی میں شریک تھے۔ اور آزاد کے سوا باقی سب مذکورہ اخبارات ڈائریکٹر تعلقات عامہ کے ممنون اور اُن سے اثر پذیر

تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس پالیسی میں بھی وہ ڈائرکٹر ہی کے پیرو تھے۔

لہذا

مطالبات کے ردّ ہونے سے جوصورت حالات پیدا ہوئی اسکے لئے یہ سب ذمہ دار ہیں ۔اس لئے بعد میں رونماہونے والے فسادات کی **ذمہ داری اِنہی پر ہے۔''** [۱]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۳۰۱-۳۰۲

۱۱۔احمدی

احمدیوں کے متعلق فاضل ججوں نے صاف لکھا ہے کہ

''احمدی براہ راست فسادات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔''

لیکن

۱۔''مطالبات کا تعلق احمدیوں سے تھا۔اور یہ مطالبات احمدیوں کے عقائد اور اُن کی سرگرمیوں ہی کی وجہ سے پیدا ہوئے۔''

۲۔تقسیم سے پیشتر احمدی کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے پروپیگنڈے اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔لیکن قیام پاکستان سے صورت حالات بالکل بدل گئی۔مگر اِن بدلے ہوئے حالات کے مطابق اِن کی سرگرمیوں اوران کی جارحانہ نشرواشاعت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔

۳۔''اگرچہ احمدی براہ راست فسادات کے ذمہ دار نہیں ہیں لیکن ان کے خلاف عام شورش کا موقع خود ان ہی کے طرز عمل نے بہم پہنچایا۔اگر ان کے خلاف احساسات اتنے شدید نہ ہوتے تو ہم نہیں سمجھتے کہ احراری اس حالت میں بھی ہر قسم کی مختلف مذہبی جماعتوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔'' [۱]

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مؤلف محاسبہ نے یہ ذکر کر کے کہ ''عدالت نے قادیانیوں کو فسادات کی براہ راست ذمہ داری سے بری قرار دیا۔'' یہ فقرہ زائد کیا ہے۔''یعنی بالواسطہ ذمہ داری کا مورد ٹھہرایا۔ [۲]

لیکن رپورٹ میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔فاضل جج نے احمدیوں کے متعلق بحث شروع کرتے وقت اور بحث کے خاتمہ پر دو دفعہ یہ فقرہ لکھا ہے کہ:۔

''احمدی براہ راست فسادات کے ذمہ دار نہیں ہیں''

۱؎رپورٹ صفحہ ۲۸۱ ۲؎محاسبہ صفحہ ۸

اوراس کے ساتھ یہ الفاظ نہیں لکھے کہ کہ وہ بالواسطہ ذمہ دار ہیں ۔اسکی وجہ ظاہر و باہر ہے کیونکہ اگر کوئی شخص یا گروہ کسی شخص کے عقائد یا اس کی تبلیغ یا طرزِ عمل کی وجہ سے جس کا اُسے قانونی رُو سے پورا پورا حق حاصل ہے۔شورش یا ہنگامہ برپا کرتا ہے یا اسکے خلاف ایسے مطالبات پیش کرتا ہے جنہیں حکومت از روئے قانون قبول کرنے کی مجاز نہیں ۔اور اسکے نتیجہ میں فسادات ہو جاتے ہیں تو وہ شخص جس کے عقائد کو مطالبات کا موجب قرار دیا جاتا ہے ۔اگر وہ اپنے اعمال کو قانونی حدود کے اندر رکھتا ہے تو عقلاً و انصافاً وہ فسادات کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔یہی وجہ ہے کہ فاضل ججوں نے احمدیوں کو فسادات کا بالواسطہ بھی ذمہ دار قرار نہیں دیا۔

تحقیقاتی عدالت کی وجوہات

قیام پاکستان سے صورت حالات کی تبدیلی کا فاضل ججوں نے جو ذکر کیا ہے اسکے متعلق ہم یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ بے شک ملک ہندوستان بھارت اور پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا لیکن قانون ملکی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ۔ مذہبی آزادی اور تبلیغ مذہب کے متعلق پاکستان میں وہی قانون رائج رہا جو متحدہ ہندوستان میں رائج تھا۔اس لئے جماعت احمدیہ اپنے آزادی تبلیغ کے حق کو استعمال کرتی رہی ۔جس کا حکومت پاکستان نے بھی بھی بار بار اعلان کیا تھا۔کہ ہر ایک پاکستانی کو اپنے عقیدہ اور مذہب کی تبلیغ کا حق ہے شورش کے دوران میں بھی وزارت داخلہ حکومت پاکستان نے اپنی چٹھی مؤرخہ ۷۔ستمبر ۱۹۵۱ء میں حکومت صوبہ پنجاب کو لکھا:۔

''بلا شبہ کسی جماعت اور فرقے کے اس جائز حق پر ناواجب پابندی نہیں ہونی چاہئے ۔کہ وہ اپنے عقائد مذہبی کی تبلیغ کرے ۔اوراس معاملے میں مختلف عقائد کے مبلغوں کے درمیان کسی قسم کا فرق و امتیاز ملحوظ نہ ہونا چاہئیے ۔لیکن مذہبی مناظروں اور مناقشوں کو معقول حدود کے اندر محدود

رکھنا چاہئیے۔'' [1]

اور اگر شورش کا باعث احمدیوں کے عقائد قرار دئے جائیں تو یہ بھی درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے عقائد کوئی نئے عقائد نہ تھے جو قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ لوگوں کے سامنے آئے۔ بلکہ آج سے ستّر سال پہلے سے سامنے آتے رہے۔ اور فاضل ججوں نے تسلیم کیا ہے کہ

''عامۃ المسلمین کے ساتھ اُن کے اختلافات نصف صدی سے زیادہ مدت سے چلے آرہے تھے۔'' [2]

پس اگر وہ حقیقتہً طبائع میں ایسا جوش پیدا کر دینے والے ہوتے جس سے اس قسم کے فسادات پھیل جائیں تو وہ جوش اب سے مدتوں پہلے پیدا ہونا چاہئیے تھا۔ اور محض انگریزی دورِ حکومت اس جوش کے اُبھرنے کو مانع نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ

۱۔ انگریزی دور حکومت میں ہندو مسلم اور شیعہ سُنّی فسادات ہوتے رہے انفرادی طور پر مذہبی اختلافات کی بناء پر قتل کی وارداتیں ہوتی رہیں۔ مثلاً راجپال شردھانند وغیرہ قتل ہوئے۔ بعض انگریز گورنروں اور افسروں پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ برِّ اعظیم ہندو پاکستان میں گزشتہ ستّر سال میں احمدی غیر احمدی فسادات کبھی نہیں ہوئے۔ اور نہ مذہبی اختلافات کی بناء پر کبھی کوئی احمدی قتل ہوا۔ پس اگر احمدیہ عقائد، احمدیہ لٹریچر اور دوسرے مسلمانوں سے ان کی نمازوں اور جنازوں میں علیحدگی، باہمی تکفیر اور مسئلہ ختم نبوت مسلمانوں کے لئے فی الحقیقت نا قابل برداشت ہوتے۔ تو قطعاً ممکن نہ تھا کہ باہم فسادات نہ ہوتے اور کوئی احمدی کسی غیر احمدی کے ہاتھ سے مارا نہ جاتا۔

۲۔ پھر قیام پاکستان کے بعد بھی ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۳ء کے فسادات سے قبل پاکستان میں چار مقامات (نارووال۔ ضلع سیالکوٹ۔ ضلع لاہور۔ ضلع سرگودھا اور ضلع میانوالی) میں شیعہ سُنّی فسادات ہوئے لیکن کسی جگہ احمدی غیر احمدی فسادات نہیں ہوئے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ ابتداً عام مسلمانوں کے دل میں احمدیوں کے خلاف ہرگز وہ جوش و اشتعال نہیں تھا جو شیعوں کے خلاف تھا احمدیوں کے خلاف تو جوش و اشتعال تو ایک

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۴ [2] رپورٹ صفحہ ۲۸۰

لمبی مدت کی مسلسل کوششوں سے پیدا کیا گیا ہے۔

۳۔گزشتہ پچاس ساٹھ سال میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین مسئلہ حیات و وفات مسیح ،مسئلہ صداقت حضرت مسیح موعود اور مسئلہ ختم نبوت پر ہزار ہا مناظرے ہوئے۔ بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں بلکہ قصبوں اور قریوں تک میں ،تقریری بھی اور تحریری بھی ۔ لاکھوں انسانوں نے یہ مناظرے دیکھے اور سُنے ہیں ۔لیکن کبھی کسی جگہ کوئی فساد نہیں ہوا۔اور یہ ایک ہی بات اس خود ساختہ نظریہ کو کہ یہ فسادات طبعی تھے غلط ثابت کر دینے کے لئے کافی ہے۔

۴۔ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مسلمان آنحضرت ﷺ کے بعد وحی ونبوت کو تصورّ برداشت ہی نہیں کرسکتا۔اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ جماعت احمدیہ کہیں باہر سے نہیں آ گئی بلکہ اسی ملک کے مسلمانوں سے بنی ہے ۔اور جتنے لوگ بھی اس جماعت میں داخل ہوئے ہیں وہ سب کے سب اسی ملک کے مسلمانوں میں سے ہوئے ہیں جو تقسیم سے پہلے ایک ہی نام سے موسوم تھا۔اور جماعت احمدیہ میں آنیوالوں میں علماء بھی ہیں،صوفیاء اور گدی نشین بھی اور مذہبی اور دنیاوی لحاظ سے تعلیم یافتہ بھی۔

پھر یہیں تک بس نہیں ۔ بلکہ غیر احمدی معززین اوراخبارات نے نہ ایک بار بلکہ بار بار جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کا اقرار کیا اور اُن کی بے حد تعریف کی ۔

پس جماعت احمدیہ کے خلاف ۱۹۵۳ء کے فسادات احمدیت کی تعلیم اور نظریات کے اشتعال انگیز ہونے کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ اس اشتعال انگیز اور منافرت خیز پروپیگنڈے کا نتیجہ تھے۔ جو مجلس احرار نے کھلے بندوں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک لمبی مدت تک جاری رکھا اور ان کا مقصد جیسا کہ فاضل ججوں نے خود تسلیم کیا ہے مذہبی نہیں بلکہ محض سیاسی تھا۔(ملاحظہ ہوں رپورٹ کے حوالجات زیرعنوان ’’فسادات کی ذمہ داری‘‘ صفحہ نمبر ۱۰۱)

جارحانہ نشر واشاعت

رپوٹ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جارحانہ سے کیا مراد ہے ۔اگر اس سے مراد لوگوں کو ایک خیال یا عقیدہ کے قبول کرنے کے لئے دعوت دینا ہے تو یہ ابتدائے دنیا سے آج تک تمام مامورین اور مصلحین کرتے چلے آئے ہیں ۔قابل اعتراض امر تو صرف یہ ہے کہ

کوئی شخص اپنے مذہب کو منوانے کے لئے جبر واکراہ اور تشدّد کے وسائل استعمال کرے جو احمدیہ جماعت نے کبھی نہیں کئے بلکہ اس نے ہمیشہ ایسا کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔

اس ضمن میں فاضل ججوں نے حضرت امام جماعت احمدیہ کی بمقام کوئٹہ تقریر کا ذکر کیا ہے اسکا ملخّص ہم ''دیگر شکایات والزامات'' کے زیر عنوان لکھیں گے اور یہ تقریر بھی مطالبات کا باعث قرار نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ یہ تقریر اگست ۱۹۴۹ء میں کی گئی تھی اور احراری ''احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت'' قرار دئے جانے کا مطالبہ اس سے پہلے کر چکے تھے۔ چنانچہ رپورٹ میں لکھا ہے:۔

''احمدیوں کو غیر مسلم اقلّیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے راولپنڈی کی ایک کانفرنس میں کیا گیا۔ اور اسکے بعد یکم مئی ۱۹۴۹ء کو پنڈ دادنخان کے ایک جلسہ عام میں اسکا اعادہ کیا گیا۔''[1]

دوسرا حوالہ اس ضمن میں فاضل ججوں نے یہ دیا ہے کہ:۔

''اسی طرح جب انہوں نے (یعنی حضرت امام جماعت احمدیہ نے۔ ناقل) اپنے پیرؤوں کو یہ ہدایت کی کہ تبلیغ احمدیت کے پروپیگنڈہ کو تیز کردیں تاکہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک پوری مسلم آبادی احمدیت کی آغوش میں آجائے۔ تو گویا مسلمانوں کو تبدیل مذہب کے متعلق سرگرمیوں کا کھلا نوٹس دے دیا۔

معلوم ہوتا ہے فاضل ججوں کی یہ رائے اس حوالہ کی بناء پر ہے جو رپورٹ کے صفحہ نمبر ۲۱۳ پر درج ہے اور وہ یہ ہے:۔

''اُن کا وہ خطبہ جو ۱۹۵۱ء کے کرسمس میں انہوں نے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا اور جو الفضل مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع کیا گیا تھا اس خطبہ میں انہوں نے اپنے پیرؤوں سے پُرجوش اپیل کی تھی کہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز کردیں تاکہ جو لوگ احمدیت سے

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۲

منکر رہے ہیں وہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک احمدیت کے آغوش میں آجائیں۔‘‘

رپورٹ کے صفحہ نمبر ۲۱۳ پر یہ حوالہ غیر احمدیوں کی شکایات کے ضمن میں درج کیا گیا ہے اور مولانا مودودی صاحب نے اس حوالہ کا ذکر اپنے تحریری بیان میں ایسے رنگ میں کیا ہے کہ وہ امام جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے لیکن یہ حقیقت میں درست نہیں۔ کیونکہ نہ تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۹۵۱ء کے جلسہ سالانہ پر کوئی ایسا خطبہ یا تقریر کی جس میں آپ نے ایسی تحریک کی ہو۔ اور نہ ہی کوئی ایسا خطبہ الفضل مورخہ ۱۶۔ جنوری ۱۹۵۲ء کے پرچے میں شائع ہوا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ الفضل کا یہ پرچہ دیکھ کر ہر کوئی ہمارے بیان کی تصدیق کرسکتا ہے اس پرچہ میں اس مضمون کا ایک نوٹ احمدی نوجوانوں کی مجلس خدام الاحمدیہ کے مہتمم تبلیغ کا لکھا ہوا ہے جس میں اُس نے خدّام کو تبلیغ کی ترغیب دلائی ہے اور اس میں امام جماعت احمدیہ کا ذکر نہ صراحتاً نہ اشارۃً اور نہ کنایۃً پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس حوالہ کا حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف انتساب قطعاً درست نہیں ہے۔

تیسری بات فاضل ججوں نے غیر احمدی مسلمانوں کے اشتعال کا باعث یہ قرار دی ہے کہ ان کے لئے ’’دشمن‘‘ یا ’’مجرم‘‘ یا محض ’’مسلمان‘‘ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہم نہیں سمجھتے کہ ایک مسلمان کے لئے محض مسلمان کا لفظ استعمال کرنا کیونکر اشتعال کا باعث ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص کسی سے دشمنی کر رہا ہو اس کے لئے دشمن کا لفظ کا استعمال کرنا کیونکر نہ درست ہوسکتا ہے۔ احرار کے لئے خواجہ ناظم الدین نے ’’دشمنانِ پاکستان‘‘ کا لفظ استعمال کیا۔ اسکا ذکر کر کے خود فاضل جج لکھتے ہیں کہ ’’وہ اپنی گزشتہ سرگرمیوں کی وجہ سے اس لقب کے مستحق تھے۔‘‘ [1]

رہا مجرم کے لفظ کا استعمال۔ تو اس کے لئے جو حوالہ دیا گیا ہے وہ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۵۲ء کا ہے۔ جس کے الفاظ بحوالہ تحریری بیان مولانا مودودی صاحب یہ ہیں۔

’’ہم فتحیاب ہوں گے۔ ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہوگے اسوقت تمھارا حشر بھی وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

پارٹی کا ہؤا۔''
الفضل ۳۔جنوری ۱۹۵۲ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی جو تقریر شائع ہوئی ہے اس میں خطاب صرف چند اخبار نویسوں سے کیا گیا ہے اور خاص طور پر ایڈیٹر آفاق سے۔مولانا مودودی صاحب نے اخبار الفضل ۳۔جنوری ۱۹۵۲ء کا حوالہ دے کر جو مذکورہ بالا الفاظ پیش کئے ہیں وہ اس پرچہ میں قطعاً موجود نہیں۔اور بالکل غلط طور پر امام جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔اسکی تصدیق الفضل کے مذکورہ پرچہ کے ملاحظہ سے ہو سکتی ہے۔

آخری بات فاضل ججوں نے اس ضمن میں یہ لکھی ہے کہ:۔

''اگران کے (یعنی احمدیوں کے۔ناقل) خلاف احساسات اتنے شدید نہ ہوتے تو ہم نہیں سمجھتے کہ احراری اس حالت میں بھی ہر قسم کی مذہبی جماعتوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔''

اسکے متعلق ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے صرف فاضل ججوں کے بعض فقرات پیش کردینا کافی سمجھتے ہیں۔فاضل جج لکھتے ہیں:۔

(۱)''ایک بات تو اس تحقیقات میں قطعی طور پر ثابت ہوچکی ہے کہ اگر ایک دفعہ عوام کو یقین دلایا جائے کہ جو کچھ ان سے کیا جارہا ہے وہ مذہبی اعتبار سے صحیح ہے یا مذہب نے اسکا حکم دیا ہے تو ان کو ہر عمل پر آمادہ کیا جاسکتا ہے جس میں وہ ضبط ونظم، وفاداری، شائستگی اخلاق اور حسنِ شہریت کے تمام مصالح کو آگ لگادیں گے۔''[۱]

(۲)احراری جن نظریات کو پاکستان میں نافذ کرنا چاہتے ہیں ان کے اختیار کرنے کے متعلق صدر مجلس احرار کے خیالات درج کرکے فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''اس پر تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں کہ پاکستان میں احرار کا سا ماضی رکھنے والی جماعت بھی اگر ایک بظاہر معقول مذہبی شاخسانہ کھڑا کردے تو وہ حکومت کا تختہ اُلٹ سکتی ہے۔''[۲]

شورش پسند ہر جگہ اعلان کررہے تھے کہ وہ جہاد کررہے ہیں۔اور''حکومت

---

۱ رپورٹ صفحہ ۲۴۹   ۲ رپورٹ صفحہ ۲۷۶

کے خلاف جدوجہد ایک جہاد ہے۔[1] اور خواجہ ناظم الدین کو تقریروں میں کافر۔مرتد۔احمق اور جاہل کہا گیا (ملاحظہ ہو رپورٹ صفحہ ۱۲۴) عطاء اللہ شاہ بخاری نے اُن کے حق میں "بدھو الذین احمقون"[2] اور خان عبدالستار خان نیازی نے کہا۔"دولتانہ ڈاکو ہے اور ملّت کو لوٹ رہا ہے۔"[3] اور نتیجہ یہ ہوا کہ فسادات میں خواجہ ناظم الدین اور انکی حکومت کے خلاف شورش پسندوں نے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔حالانکہ پہلے ان کے خلاف کوئی شدید احساسات نہ تھے۔

فسادات کی اصل وجہ وہی ہے جو فاضل ججوں نے دوسرے مقامات پر ذکر کی ہے کہ

ا۔"ہر دلعزیز بننے کی خواہش سے حکام متعلقہ نے ان لوگوں کے خلاف قانونی کاروائی نہ کی۔ جو مبیّنہ جرائم کے مرتکب ہوئے تھے اور جس کے خلاف بہت سے افسروں نے زیر دفعہ ۱۵۳الف اور ۲۹۵الف تعزیرات پاکستان مقدمہ چلانے کی سفارش کی تھی۔لیکن نہ کسی مقدمہ کے دائر کرنے کا حکم دیا گیا اور نہ کوئی مقدمہ دائر کیا گیا۔"[4]

"جب جولائی ۱۹۵۲ء کے بعد احرار اور علماء کے ہر قول وفعل کی طرف سے بے پرواہی کا رویّہ اختیار کر لیا گیا۔تو وہ صورت حالات پھر بگڑتی چلی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس چیف منسٹر کی ان تقریروں کی وجہ سے یہ بگاڑ اور بھی زیادہ ہو گیا جس میں انہوں نے علی الاعلان یہ خیال ظاہر کیا کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں۔"[5]

"حکومت نے ان لوگوں کو اس امر کا موقع دیا کہ جو زہر ان کو دیا جا رہا ہے اسکو بے تکلّف پیتے چلے جائیں۔"[6]

پس اگر فسادات کے پس منظر کا نمایاں پہلو حکام کا "ہر دلعزیز بننے کی

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۶۲ | [2] رپورٹ صفحہ ۱۴۵ | [3] رپورٹ صفحہ ۱۲۴

[4] رپورٹ صفحہ ۲۹۹ | [5] رپورٹ صفحہ ۴۲۴ | [6] رپورٹ صفحہ ۳۳۱

خواہش'' اور ذاتی اغراض اور ''سیاسی اقتدار کا حصول'' نہ ہوتا۔ تو جیسے گزشتہ ستّر سال میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین کبھی فسادات نہ ہوئے تھے اسی طرح اب بھی نہ ہوتے۔ اور صرف قانون وانتظام کا سوال ہوتا۔ تو شورش بہت جلد ختم کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ مسٹر آفتاب احمد صدر سٹی مسلم لیگ گوجرانوالہ نے اپنی شہادت میں ذکر کیا کہ چیف منسٹر نے ان سے مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے تھے:۔

''صاحب! میں تو اس شورش کو دو منٹ کے اندر ختم کر سکتا ہوں۔ لیکن خواجہ صاحب مجھے کچھ کرنے نہیں دیتے۔'' [1]

''ہمیں یقین واثق ہے کہ احرار کے مسئلے کو سیاسی مصالح سے الگ ہو کر محض قانون وانتظام کا مسئلہ قرار دیا جاتا تو صرف ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس ان کے تدارک کے لئے کافی تھے۔'' [2]

فاضل ججوں کا یقین:۔

''ہمارا نیک نیتی سے یقین ہے کہ مسٹر انور علی نے احرار کو خلاف قانون جماعت قرار دینے کے اثر کے متعلق جو کچھ کہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ صورت حالات کے متعلق ان کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ اگر یہ تدبیر مئی ۱۹۵۲ء میں اختیار کر لی جاتی۔ تو احراری علماء سے مذہبی اپیل کرنے کے قابل نہ ہوتے۔ اور جولائی ۱۹۵۲ء میں آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد نہ ہوئی ہوتی۔ اور علماء بیچ میں نہ کود پڑے ہوتے۔ تو احمدی نزاع کو دوسرے فرقہ وارانہ نزاعات سے (جن سے ہم واقف ہیں) مختلف حیثیت دینے کی نوبت نہ آتی۔'' [3]

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۹۰ [2] رپورٹ صفحہ ۴۲۵ [3] رپورٹ صفحہ ۳۴۸

حصّہ سوم

(الف) مسلمانوں اوراحمدیوں کے اختلافی مسائل

(ب) مسلمانوں کی احمدیوں کے خلاف دیگر شکایات و الزامات

اختلافی مسائل:۔

فاضل ججوں نے رپورٹ کے حصہ چہارم میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے تین اختلافی مسائل کا ذکر کیا ہے۔

(۱)ختم نبوت (۲) حضرت عیسیٰ کی حیات وممات اوران کا ظہور ثانی (۳) جہاد

فاضل ججوں نے ان مسائل پر بحث کرتے ہوئے فریقین کی طرف سے بعض پیشکردہ آیات لکھ دی ہیں ۔اور ہر فریق کے عقائد کا ذکر بھی خود انہی کے الفاظ میں کردیا ہے۔لیکن کوئی رائے نہیں دی۔اورصاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ

''ہمارا فرض یہ نہیں کہ کسی خاص تاویل کی صحت کے مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔[۱]

اورمسئلہ حیات ووفات مسیح کے بیان میں صفحہ۲۰۲ پر مکرر ظاہر کردیا ہے کہ

''یہ ہمارا کام نہیں کہ اس بحث کے مالہ وماعلیہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں۔'' [۲]

چونکہ فاضل ججوں نے اس امر کے متعلق کہ مسئلہ حیات ووفات مسیح اور مسئلہ ختم نبوت میں کس فریق کا نقطۂ نظر صحیح ہے اورکس کا غلط۔اپنی رائے ظاہر کرنے سے قطعاً

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۹۸ [۲] رپورٹ صفحہ۲۰۲

اجتناب کیا ہے ۔اس لئے ہمیں بھی اس پر کچھ اور لکھنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ۔ فاضل ججوں نے احمدیوں کی طرف منسوب کر کے ختم نبوت کی یہ تشریح لکھی ہے۔ کہ

''مرزا غلام احمد صاحب نے نبی کا لفظ اپنے لئے استعمال کیا ہے لیکن یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ لفظ ایک خاص معنے میں استعمال کیا ہے اور وہ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے نبی نہ تھے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا پیغام نہ لائے تھے جس سے سابقہ پیغام کی تنسیخ یا ترمیم یا ایزادی لازم آتی ہے ۔اور ان کا دعویٰ تشریعی نبوت کا نہیں بلکہ ظلّی یا بروزی نبوت کا ہے۔'' * ۱؎

پھر لکھتے ہیں :۔

''ہمارے سامنے جو موقف اختیار کیا گیا ہے ۔وہ واضح طور پر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے آپ کو محض اسلئے نبی کہتے تھے کہ ان کو ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے نبی کہہ کر مخاطب کیا تھا ۔وہ کوئی نیا قانون یا ضابطہ نہیں لائے ۔انہوں نے اصلی اور پُرانی شریعت میں نہ کوئی تنسیخ کی ہے نہ اضافہ کیا ہے ۔اور مرزا صاحب کی وحی پر ایمان نہ لانے سے کوئی شخص خارج از اسلام قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' ۲؎

یہ موقف کوئی نیا موقف نہیں۔ بلکہ وہی پُرانا موقف ہے جو حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اپنی کتب میں بار بار بیان کیا ہے ۔

*اس جگہ رپورٹ میں لکھا ہے ''فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے ۔کہ ظل اور بروز کا تصوّر (جسے حلول یا ہندی میں اوتار کہنا چاہیئے) عقایدِ اسلامی کے منافی ہے ۔ ۳؎ حالانکہ بروز کی اصطلاح صرف حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے پیش نہیں کی بلکہ آپ سے پہلے صوفیائے کرام نے بھی اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے (ملاحظہ ہو خزائن اسرار الکلم مقدمہ شرح فصوص الحکم صفحہ ۴۷) مسئلہ بروز اور تمثل مؤلفہ شاہ مبارک احمد علی حیدر آبادی مطبوعہ کانپور ۔۲۔ نیز ملاحظہ ہو ارشادات فریدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ و ۱۱۵ ۔اس میں جناب پیر خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف والوں نے بروز کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے ۔۳۔ اسی طرح

۱؎ رپورٹ صفحہ ۱۹۸ ۲؎ رپورٹ صفحہ ۱۹۹ ۳؎ رپورٹ صفحہ ۱۹۹

(۱) حضرت اقدس فرماتے ہیں :۔
اس نقطہ کو یاد رکھیں کہ میں رسول اور نبی نہیں ہوں ۔یعنی باعتبار نئی شریعت نئے دعوے اور نئے نام کے ۔اور میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلّیت کاملہ کے۔ میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہوُا ۔'' ؎۱

(۲) اور فرماتے ہیں :۔
''اگر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمّت نہ ہوتا اور آپکی پیروی نہ کرتا تو اگر تمام دنیا کے پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ ومخاطبہ حاصل نہ کرسکتا۔ اور اب بُجز محمدؐی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے ۔مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو۔ پس اس بناء پر میں اُمتی بھی ہوں اور نبی بھی۔'' ؎۲

(۳) اور فرماتے ہیں :۔
''یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعوے میں نبی کا لفظ دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانہ میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے ۔لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ میرا ایسا دعویٰ نہیں ہے ۔ بلکہ خدا کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت ﷺ کے اضافہ روحانی کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی برکت سے مجھے مقام نبوت تک پہنچایا اسلئے

بقیہ حاشیہ محمد اکرم صاحب صابری نے اپنی کتاب اقتباس الانوار میں صفحہ ۵۲ پر بروز کی حقیقت بیان کر کے لکھا ہے ۔'' درخاتم الولایت کہ مہدی ست نیز روحانیت محمد مصطفیٰ ﷺ بروز ظہور خواہد کرد وتصّرفہا خواہد نمود وایں رابروزات کمل گویند نہ تناسخ وبعضے برآئند کہ روح عیسیٰ درمہدی بروز کند ونزول عبارت ازہمیں بروز است مطابق حدیث لا مھدی اِلّا عیسیٰ ابن مریم را۔'' پس مسئلہ بروز کو غیر اسلامی بتانا معترضین کی لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ اور آپکو جو وحی ہوئی وہ بھی آنحضرت ﷺ کی برکت کا نتیجہ تھی ۔

؎۱ نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۳ ؎۲ تجلیات الٰہیہ ۱۹۰۶ء

میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی۔
اور میری نبوت آنحضرت ﷺ کی ظل ہے نہ کہ اصل نبوت۔ اسوجہ سے
حدیث اور الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ہے۔ ویسا ہی میرا نام
اُمتی بھی رکھا ہے تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت ﷺ
کی اتباع اور آپکے ذریعہ سے ملا ہے۔'' [۱]

اور وحی کے متعلق فرماتے ہیں :۔

''اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کرسکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے۔ تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔'' [۲]

اس جگہ رپورٹ میں فریق ثانی کی یہ بات بھی درج کی گئی ہے کہ

''ہر شخص جو وحی نبوت کا مورد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ ایک نئی اُمّت کی بنیاد رکھتا ہے۔ لہذا ملّت اسلام کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔''

نیز فریق ثانی کے اس دعویٰ کا بھی ذکر کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی وحی کو ایسی ہی وحی نبوت قرار دیا ہے۔ اس دعویٰ کے باطل ہونے کا نا قابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے کبھی نئی اُمّت بنانے کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے آپکو اُمت محمدؐیہ میں سے قرار دیا ہے [۳] اور تمام احمدی اپنے آپکو اُمت محمدؐیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پس جب کوئی احمدی بھی اپنے آپکو سوائے اُمت محمدیہ کے اور کسی اُمت کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ تو مخالف فریق کا یہ کہنا کہ بانیٔ جماعت احمدیہ نے ایک علیحدہ اُمت بنائی۔ کس قدر غلط اور خلاف واقعہ اور غیر معقول قول ہے اور اسی سے اُنکا یہ دعویٰ بھی باطل ثابت ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ایسی وحی نبوت کا دعویٰ کیا جس سے انسان ملّت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

---

[۱] حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۰۷ء [۲] ازالہ واہام ایڈیشن اول صفحہ ۱۳۸ [۳]۔ دیکھو تجلّیات الٰہیہ صفحہ ۲۴ و حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ حاشیہ

مسئلہ وفات وحیات مسیح اوران کا دوبارہ ظہور

اس مسئلہ کے متعلق فاضل جج نے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:۔

(۱) غیراحمدی مسلم کہتے ہیں کہ

''مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے ۔ بلکہ معجزانہ طور پر نظر کا ایک دھوکا واقع ہوگیا تھا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے مسیح کو اپنی طرف اُٹھالیا تھا۔ وہ اب تک چوتھے آسمان پر موجود ہیں ۔ اور روز قیامت سے پہلے وہاں سے نازل ہوں گے ۔ اس عقیدے کی تائید میں بے شمار حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔'' [۱]

(۲) احمدی عقیدہ یہ ہے۔ ''کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ عام حالات میں طبعی موت مرے تھے ۔ ان کے خصائل رکھنے والا ایک اورآدمی موعود تھا ۔ چنانچہ وہ مرزاغلام احمد کی شخصیت میں ظہور کرچکاہے۔ وہ نامور علماء وائمہ کی کئی تحریرات اپنے اس عقیدے کی تائید میں پیش کرتے ہیں ۔ کہ روز قیامت سے پیشتر جو مسیح موعود ظاہر ہونے والا تھا۔ خود مسیح نہیں بلکہ مثیل مسیح ہوگا۔'' [۲]

اسکے متعلق ڈاکٹر علاّمہ محمدؒ اقبال فرما گئے ہیں ۔ کہ

''مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جام مرگ نوش فرما چکے ہیں ۔ نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ رُوحانی اعتبار سے ان کا ایک مثیل پیدا ہوگا۔ کسی حد تک معقولیت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔'' [۳]

اور ۱۹۴۲ء میں مصر کے ایک بڑے ازہری عالم الشیخ محمد شلتوت نے بھی تفصیلی بحث کر کے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں کوئی ایسی سند نہیں ہے جس سے اس عقیدہ پر دل مطمئن ہوسکے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے ۔ اوراب تک وہ

---

[۱] و [۲] رپورٹ صفحہ ۲۰۲ [۳] آزاد ۲۱۔ اپریل ۱۹۵۰ء

آسمان پر زندہ ہیں ۔اور یہ کہ وہی آخری زمانے میں زمین پر آئیں گے۔''(الرسالۃ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۴۶ء مطبوعہ القاہرہ)

کسی نے خوب فرمایا

بدنیا گر کسے پایندہ بودے ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

مسئلہ جہاد

جن مسائل میں احمدیوں اور غیراحمدیوں کے درمیان اختلاف ہے اُن میں سے ایک مسئلہ جہاد بھی ہے غیر احمدی علماء نے عام مسلمانوں کواحمدیوں کے خلاف مشتعل کرنے کے لئے یہ مکروہ پروپیگنڈا کیا۔کہ احمدی جہاد اسلامی کے منکر ہیں ۔اور یہ کہ بانی جماعت احمدیہ نے اس جہاد کو جوقرآن مجید اوراحادیث سے ثابت ہے اوراسلام کی روح رواں ہے منسوخ کردیا ہے۔فاضل جج رپورٹ میں اس اختلاف کا ذکرکرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''جہاں تک عقیدۂ جہاد کاتعلق ہے احمدیوں کا خیال یہ ہے کہ جس جہاد کو''جہاد بالسیف'' کہتے ہیں وہ صرف اپنے دفاع میں جائز ہے اورمرزا غلام احمد صاحب نے اس مسئلہ پر اپنا خیال پیش کرتے ہوئے محض ایک عقیدہ مرتب کرلیا ہے جو قرآن مجید کی متعدد آیات پر مبنی اور براہ راست اس سے ماخوذ ہے۔* (فاضل ججوں نے وہ آیات بھی نقل کردی ہیں ۔ناقل) اورمرزا صاحب قرآن مجید کے کسی قاعدے یا کسی ہدایت کومنسوخ وموقوف کرنے کے مدعی نہیں ہیں۔'' [۱]

* حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ پادری عمادالدین کے اعتراضات کاجواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔''اس نکتہ چین نے جہاد اسلام کا ذکرکیا ہے۔اورگمان کرتا ہے۔کہ قرآن بغیرلحاظ کسی شرط کے جہاد پر برانگیختہ کرتا ہے۔سواس سے بڑھ کراورکوئی جھوٹ اورافتراء نہیں ۔قرآن شریف صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کاحکم فرماتا ہے ۔جوخداتعالیٰ کے بندوں کواس پرایمان لانے اوراس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اوراس بات سے کہ خداتعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اوراس کی عبادت کریں ۔اوراُن لوگوں سے لڑنے کاحکم فرماتا ہے جومسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں ۔اورمومنوں کواُن کے گھروں اوروطنوں سے نکالتے ہیں ۔اورخلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں ۔اوردین اسلام کونابود کرنا چاہتے ہیں اورلوگوں کومسلمان ہونے سے روکتے ہیں ۔یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔اورمومنوں پرواجب ہے کہ اُن سے لڑیں اگروہ بازنہ آئیں۔'' [۲]

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۰۵ [۲] نورالحق حصہ اول صفحہ ۴۵

پھر دوسری جماعتوں کے اعتراض اور انہوں نے اپنے قول کی تائید میں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے جو اقوال پیش کئے تھے اُن کا ذکر کر کے فاضل جج لکھتے ہیں :۔

''احمدیوں کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو الفاظ وتصریحات استعمال کی گئی ہیں ان میں تنسیخ کا مفہوم نہیں ۔بلکہ قرآن مجید کے ایک عقیدے کی تعبیر وتوجیہ ہے جو صدیوں سے غلط فہمی کا شکار بنا رہا ہے اور بہرکیف ان الفاظ کی تعبیر دوسرے لوگ جو بھی کریں۔ احمدیوں نے اسکا مطلب یہی سمجھا ہے کہ ان میں کوئی نیا عقیدہ رائج نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسی عقیدے کا اعادہ ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے اور مرزا غلام احمد صاحب نے صرف پرانے عقیدے کی پاکیزگی کو میل کچیل سے پاک کر دیا ہے ۔''[1]

پھر مختصراً انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ''جہاد'' کے متعلق مسلمانوں کا نظریہ پیش کر کے لکھتے ہیں :۔

''عام طور پر مسلّمہ رائے یہ ہے کہ سورۂ توبہ (سورہ ۹) کی پانچویں آیت نے ان مکّی آیات کو منسوخ کر دیا ہے ۔جن میں صرف دفاع کے لئے کفار کے خلاف قتال کی اجازت دی گئی تھی ۔اسکے برعکس احمدیوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت کسی دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرتی ۔اور دونوں قسم کی آیات یعنی مکی آیات اور سورہ توبہ کی متعلقہ آیات کے دائرے مختلف ہیں چنانچہ وہ پہلو بہ پہلو چل سکتی ہیں ۔'' [2]

غیر احمدیوں کا جہاد کے متعلق عقیدہ :۔

''ہم اس مباحثے کے مالۂ وماعلیہ پر اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتے لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مختصراً انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالے سے اور بعض دوسری پیش شدہ تحریرات سے جن میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی کتابیں بھی شامل ہیں عقیدۂ جہاد کے متعلق ہمیں

[1] رپورٹ صفحہ ۳ [2] رپورٹ صفحہ ۲۴۱

جو کچھ معلوم ہوا ہے اسکا نتیجہ یہی نکلے گا کہ اسلام اسلحہ اور فتوحات کے زور سے پھیلا ہے۔اب جارحیت اور نسل کُشی انسانیت کے خلاف جرائم قرار پا چکے ہیں ۔۔۔۔۔۔ایک طرف جارحیت اور نسل کشی کے جرائم ہیں اور دوسری طرف یہ عقیدہ ہے کہ اسلام بزور شمشیر اور بزور فتوحات پھیلا ہے ۔ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے نسل کُشی کے متعلق عنقریب ایک بین الاقوامی میثاق مرتب ہونے والا ہے۔لیکن اگر جہاد کا وہ نظریّہ درست ہے جو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔تو پاکستان اس میثاق میں ہرگز حصّہ نہیں لے سکتا۔مکّی سورتوں کی مندرجہ ذیل آیات میں وہ بلند ترین اور پاکیزہ اصول پیش کیا گیا ہے جس کا دُھندلا سا تصوّر اب کہیں جا کر بین الاقوامی قانون دانوں کو نظر آنے لگا ہے۔لیکن ہم برابر یہی تلقین کر رہے ہیں۔کہ جارحیت اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔''[۱]

رپورٹ کو پڑھنے والا یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلامی جہاد کا جو تصوّر جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے۔فاضل ججوں کے نزدیک وہی صحیح تصوّر ہے۔اور جو تصوّر اسلامی جہاد کا علماء نے عدالت کے روبرو پیش کیا۔وہ غلط اور حد درجہ گھناؤنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مؤلف محاسبہ کو یہ لکھنا پڑا۔کہ

''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے یا مودودی صاحب نے جہاد کا مقصد جو یہ بیان کیا ہے کہ تلوار کی طاقت کے بل پر دین اسلام کی اشاعت کی جائے۔وہ صحیح نہیں۔'' [۲]

اور مؤلفین تبصرہ کو یہ لکھنا پڑا کہ

''اگر عدالت کے پاس مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کی ایسی تحریریں موجود تھیں جن سے عقیدۂ جہاد کی تشریح ''اشاعت اسلام بذریعہ اسلحہ وفتوحات'' ثابت ہوتی تھی۔تو کیا زیادہ مناسب یہ نہ ہوتا کہ ان تحریروں کی ضروری عبارتیں نقل کر دی جاتیں؟ حد یہ کہ رپورٹ

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۴۲ [۲] محاسبہ صفحہ ۴۱

ان کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کرتی کہ وہ کس کتاب یا رسالے میں اُس کے کس صفحہ پر ہیں۔'' [۱]

مؤلفین تبصرہ کے اس مطالبہ سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مولانا مودودی صاحب نے فی الواقعہ جہاد کا یہ تصوّر پیش کیا ہو۔ تو وہ اسلام کو دنیا میں رُسوا کرنے والا تصوّر ہوگا۔ چونکہ تبصرہ لکھنے والے مودودی ہیں۔ اس لئے ہم اُن کی خاطر مولانا مودودی صاحب کی وہ عبارت پیش کر دیتے ہیں جن میں جہاد کا وہی تصوّر پیش کیا گیا ہے جس کا ذکر فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔

مولانا مودودی صاحب اپنے رسالہ ''حقیقت جہاد'' میں زیر عنوان ''جہاد کا مقصد'' لکھتے ہیں:۔

''اصلاح خلق کی کوئی سکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ وفساد کو مٹانا چاہتا ہو۔ اور واقعی یہ چاہتا ہو۔ کہ خلق خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لئے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔ اُسے **اُٹھنا چاہیئے اور غلط اصُول کی حکومت کا خاتمہ کر کے غلط کار لوگوں کے ہاتھوں سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیئے۔''**

(۲) پھر ان لوگوں کا ذکر کر کے جو عبادات کے ذریعہ تربیت حاصل کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ تب اسلام اُن سے کہتا ہے۔

''اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو۔ لہٰذا آگے بڑھو۔ اور **لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو۔ اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔''**

(۳) پھر اس رسالہ 'حقیقت جہاد' میں زیر عنوان ''عالمگیر انقلاب'' لکھتے ہیں:۔

''کوئی ایک مملکت بھی اپنے اصول ومسلک کے مطابق پوری طرح عمل

---

[۱] تبصرہ صفحہ ۱۵

نہیں کرسکتی۔ جب تک کہ ہمسایہ مما لک میں بھی وہی اصول ومسلک نہ رائج ہو جائے ۔لہذا مسلم پارٹی کے لئے اصلاح عمومی اور تحفظ خودی دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے ۔کہ کسی ایک خطّہ میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے پر اکتفانہ کرے ۔ بلکہ جہاں تک اسکی قوتیں ساتھ دیں ۔اس نظام کوتمام اطراف میں وسیع کرنے کی کوشش کرے ۔وہ ایک طرف اپنے افکارونظریات کو دنیا میں پھیلائے گی اور تمام مما لک کے باشندوں کو دعوت دے گی کہ اس مسلک کو قبول کریں جس مین اُن کے لئے حقیقی فلاح مضمر ہے ۔**دوسری طرف اگر اُس میں طاقت ہو گی تو وہ لڑ کر غیر اسلامی حکومتوں کو مٹا دے گی اور ان کی جگہ اسلامی حکومت قائم کرے گی۔‘‘**

ہم امید رکھتے ہیں کہ مؤلفین تبصرہ ان عبارات کو پڑھ کر فاضل ججوں کی تحقیق کو درست قرار دیں گے۔ جوانہوں نے جہاد کے بارے میں مولانا مودودی صاحب کی طرف منسوب کی ہے ۔مؤلفین تبصرہ کے نزدیک حیدرآباد کا پولیس ایکشن جارحانہ حملہ بھی تھااور نسل کشی بھی ۔ جو حد درجہ قابلِ اعتراض ہے ۔تو پھر مولانا مودودی صاحب کی تعریف جہاد سے جواُن کے رسالہ حقیقت جہاد کی مذکورہ بالا عبارات میں بیان کی گئی ہے ۔کیا جہاد کا تصوّر بعینہٖ وہی ہے یا نہیں ۔ جو حیدرآباد کے پولیس ایکشن کا ہے ۔اوران سے جارحانہ حملے کرنے کا وجوب نکلتا ہے یا نہیں؟

اِسلامی مملکت میں غیر مسلموں کا موقف حقوق شہریت۔ آزادیٔ تبلیغ

اور غیر مُسلم مملکتوں میں اسکا متوقع ردِّ عمل

پھر فاضل ججوں نے جہاد سے متعلقہ مسائل مثلاً غازی ۔شہید۔ دارالاسلام۔ دارالحرب ۔ہجرت ۔غنیمت ۔خُمس اور غلامی وغیرہ پر بحث کی ہے ۔چونکہ ان سوالات کا زیر بحث تنازعہ سے بلاواسطہ کوئی علاقہ نہیں ۔اسلئے ہم انہیں چھوڑ کر دو اہم امور کو لیتے ہیں ۔اور وہ یہ ہیں۔

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کا موقف ۔اور آیا انہیں وہی حقوق شہریت حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو ہوں گے ۔اور انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق ہوگا یا نہیں ۔فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''اگر ہم اسلامی دستور نافذ کریں گے تو پاکستان میں غیر مسلموں کا موقف کیا ہوگا۔ممتاز علماء کی رائے یہ ہے کہ پاکستان کی اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی حیثیت ذمّیوں کی سی ہوگی ۔اور وہ پاکستان کے پورے شہری نہ ہوں گے ۔کیونکہ ان کو مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل نہیں ہوں گے ۔وضع قوانین میں اُن کی کوئی آواز نہ ہوگی ۔قانون کے نفاذ میں اُن کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔اور انہیں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔'' [۱]

اور مولانا عبدالحامد بدایوانی کی شہادت سے متعلقہ فقرات ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

''پس اس عالم دین کی شہادت کی رُو سے پاکستان کے غیر مسلم نہ تو شہری ہوں گے نہ انہیں ذمیوں یا معاہدوں کی حیثیت حاصل ہوگی ۔'' [۲]

مزید برآں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کا وفادار ہو۔اسی طرح چار کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی مملکت کے وفادار شہری ہوں ۔ [۳]

اس کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں :۔''یہ جواب اس نظریے کے بالکل مطابق ہے جو ہمارے سامنے پُرزور طریق پر پیش کیا گیا ہے ۔لیکن اگر

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۲۹ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۳۱ [۳] رپورٹ صفحہ ۲۴۵

پاکستان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے دستور کی بنیاد مذہب پر رکھے تو یہی حق اِن ملکوں کو بھی دینا ہوگا جن میں مسلمان کافی بڑی اقلیتوں پر مشتمل ہیں یا جو کسی ایسے ملک میں غالب اکثریت رکھتے ہیں جن میں حاکمیت غیر مسلم قوم کو حاصل ہے۔'' [۱]

پس جب پاکستان کی اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کا یہ موقف ہوگا تو ردِّ عمل کے طور پر اسکے بعض نتائج اُن مسلمانوں پر ضرور اثر انداز ہوں گے جو غیر مسلم مملکتوں میں آباد ہیں اس لئے عدالت نے علماء سے یہ سوال کیا کہ اگر پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ شہریت کے معاملات میں مسلموں سے مختلف سلوک کیا جائے۔ تو کیا علماء کو اس امر پر اعتراض ہوگا؟

مولانا ابوالحسنات سید محمدؒ قادری جمعیۃ العلماء پاکستان نے یہ جواب دیا کہ ہندوؤں کو جو ہندوستان میں اکثریت رکھتے ہیں ہندو دھرم کے ماتحت مملکت قائم کرنے کا حق ہے۔ اور اگر اس نظام حکومت میں منُو شاستر کے ماتحت مسلمانوں سے ملیچھ یا شودروں کا سلوک کریں۔ تو اُن پر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اسی طرح مولانا مودودی صاحب نے کہا:۔

''یقیناً مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت کے اس نظام میں مسلمانوں سے ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کیا جائے۔ ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں حکومتیں میں حصہ اور شہریت کے حقوق قطعاً نہ دئے جائیں۔'' [۲]

۲۔ میاں طفیل محمد قیم جماعت اسلامی کے متعلق رپورٹ کہتی ہے:۔

''اس گواہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ اگر کوئی غیر مسلم حکومت اپنے ملک کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو اسامیاں پیش بھی کرے تو ان کا فرض ہوگا کہ انکو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔'' [۳]

۳۔ غازی سراج الدین صاحب منیر نے یہ جواب دیا۔ کہ ہمسایہ ملک اپنے سیاسی نظام کو اپنے مذہب پر قرار دے سکتا ہے۔ تو عدالت نے اُس

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۴۵ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۴۵ [۳] رپورٹ صفحہ ۲۴۶

سے سوال کیا۔

سوال :۔کیا آپ اُن کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانان ہند کو شودر اور ملیچھ قرار دیدیں۔اور انہیں کسی قسم کا شہری حق نہ دیں ؟

جواب :۔ہم انتہائی کوشش کریں گے کہ ایسی حرکت سے پہلے اُن کی سیاسی حاکمیت ختم کردی جائے ۔ہم ہندوستان کے مقابلے میں بہت طاقتور ہیں۔ہم ضرور اتنے مضبوط ہوں گے کہ ہندوستان کو ایسا کرنے سے روک دیں۔

جب غازی صاحب نے عدالت کے سوال پر جواب دیا کہ تبلیغِ اسلامی مذہبی فرائض میں سے ہے۔اور مسلمانانِ ہند کا بھی فرض ہے کہ علی الاعلان اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔اور اُنکو اس کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔تو عدالت نے سوال کیا۔

سوال۔اگر ہندوستانی مملکت مذہبی بنیاد پر قائم کردی جائے اور وہ مسلم باشندوں کو تبلیغ مذہب کے حق سے محروم کردے تو کیا ہوگا؟

جواب :۔اگر ہندوستان کوئی ایسا قانون وضع کرے گا۔تو چونکہ میں تحریک توسیع پر ایمان رکھتا ہوں اسلیئے ہندوستان پر حملہ کر کے اسکو فتح کرلوں گا۔

اس پر عدالت نے یہ ریمارک لکھا ہے۔

”گویا مذہبی وجوہ کی بناء پر امتیازی سلوک کی باہم مساوات کا یہ جواب ہے۔پھر فاضل ججوں نے اپنی رائے اِن الفاظ میں ظاہر کی ہے۔

”ہمارے سامنے جس نظریے کی حمایت کی گئی ہے اسکو اگر ہندوستان کے مسلمان اختیار کرلیں تو وہ مملکت کے سرکاری عہدوں سے کاملاً محروم ہو جائیں گے اور صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی انکا یہی حشر ہوگا۔جہاں غیر مسلم حکومتیں قائم ہیں۔مسلمان ہر جگہ دائمی طور پر مشتبہ ہو جائیں گے ۔اور فوج میں بھرتی نہ کیئے جائیں گے ۔کیونکہ اس نظریہ کے مطابق کسی ملک اور کسی غیر مسلم ملک کے درمیان جنگ ہونے کی صورت میں غیر مسلم ملک کے سپاہیوں کے لیئے کوئی چارہ نہیں کہ یا تو

مسلم ملک کا ساتھ دیں۔ یا اپنے عہدوں سے مستعفی ہو جائیں۔'' [۱]

ہم سمجھتے ہیں کہ فاضل ججوں نے نہایت لطیف انداز اور حکیمانہ اسلوب میں علماء پر اُن کی غلطی نمایاں کی ہے۔اور انہیں بتایا ہے کہ جس تعلیم کو وہ اسلام کی طرف منسوب کر رہے ہیں اسکے نتیجہ میں کروڑ ہا مسلمان جو ایسے ملکوں میں آباد ہیں جن کی اکثریت غیر مسلم ہے۔اُن کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ ہلاک اور تباہ ہو جائیں۔اور شہریت کے حقوق سے محروم کر دئے جائیں۔اور چوہڑوں اور چماروں کی سی زندگی بسر کریں چنانچہ علماء کو اپنی مملکت اسلامی کے بیان کردہ نظریّہ کے رِدّعمل کے طور پر یہ تسلیم کرنا پڑا ہے۔کہ واقعی غیر مسلم مملکتوں اور جمہوریتوں میں رہنے والے تیس کروڑ کے قریب مسلمانوں کو ان روح فرسا حالات میں سے گزرنا پڑے گا۔اس لئے فاضل ججوں کو نہایت افسوس سے اُن کے دائرہ نگاہ کی تنگی کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے متعلق یہ لکھنا پڑا۔

''علماء نے ہم سے صاف صاف کہہ دیا ہے (یہ کہتے ہوئے انہوں نے آنسو بہانا تو ایک طرف رہا آنکھ تک نہیں جھپکی) کہ جب تک ہمارے خاص نمونے کا اسلام یہاں رائج ہے۔ہم کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ دوسرے مما لک کے مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا۔صرف ایک مثال سُن لیجئے۔امیر شریعت نے کہا کہ ''باقی ۶۴ کروڑ (یہ عدد اُنکا اپنا ہے) کو اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کرنا چاہیئے۔''...........لہذا جن لوگوں کو صرف یہیں کے کھیتوں کی نہیں بلکہ چین اور پیرو کی فصلوں کی دیکھ بال کرنی ہے اُن کے لئے اشد ضروری ہے کہ تمام اطراف کے مفادات کا خیال رکھیں۔'' [۲]

فاضل جج اس بروقت انتباہ کے لئے شکریہ کے مستحق ہیں۔اور اُن کی یہ نصیحت قابل قدر ہے۔کہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات اور بین الاقوامی مشاکل کا جائزہ لے کر قرآن مجید اور احادیث پر غور کر کے انکا حل پیش کیا جائے۔مگر افسوس کہ مؤلفین تبصرہ نے اُنکے اس انتباہ کو بھی بایں وجوہ غیر معقول اور قابلِ ردّ قرار دیا ہے۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۴۷ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۲۳

ا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ عدالت کے اپنے ٹھپے کا اسلام بھی وہی کچھ ہے جو علماء کے ٹھپے کا اسلام ہے۔'' ۱؎
۲۔حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں رپورٹ کچھ اس قسم کا تصوّر پیش کرتی ہے گویا کہ دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کی پوزیشن مبادلے کے اصول پر مبنی ہے کہ جو سلوک ایک مسلمان ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ ہوگا۔وہی اسکے بدلے میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم ریاستوں میں ہوگا۔حالانکہ اجتماعی زندگی کے قوانین کو دیکھتے ہوئے یہ بداہتہً غلط معلوم ہوتا ہے اور عملی مشاہدات کے خلاف ہے۔'' ۲؎
۳۔ہمارے فاضل جج غالبًا مذہب کو بھی ایک جنس مبادلہ سمجھتے ہیں۔کہ جہاں ہم نے اپنے مذہب پر عمل کیا۔اور بس دوسرے فوراً آستین چڑھا کر کہیں گے کہ اچھا اب ہم اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔لہذا اگر دوسروں کو ان کے مذہبی رویّہ سے روکنا ہے تو اُن کے ساتھ یہ لین دین کا معاملہ کرلو۔کہ آؤ بھائیو! تم اپنا مذہب چھوڑ و، ہم اپنے مذہب کو طلاق دئے دیتے ہیں۔'' ۳؎
۴۔اس کے علاوہ رپورٹ کے فاضل مصنّفین کا شاید یہ خیال بھی ہے۔کہ دنیا میں ایک اسلامی ریاست کی قدر و قیمت کا سارا انحصار بس ایک سوال پر ہے۔اور وہ یہ کہ اس ریاست میں غیر مسلموں کو شہریت کے وہ چند مخصوص حقوق دیئے جاتے ہیں یا نہیں۔جو نظام حکومت میں حصہ دار ہونے سے متعلق ہیں۔'' ۴؎

(ا) وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ رپورٹ اول سے آخر تک مؤلفین تبصرہ کی اس پیشکردہ وجہ کی تردید کررہی ہے۔فاضل جج علماء کے اُن خیالات سے جو انہوں نے اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے موقف کے متعلق ذکر کئے ہیں قطعاً مخالف ہیں۔

۱؎ تبصرہ صفحہ ۱۱۲ ۲؎ تبصرہ صفحہ ۱۱۳ ۳؎ تبصرہ صفحہ ۱۱۴ ۴؎ تبصرہ صفحہ ۱۱۴

مولانا عبدالحامد بدایوانی سے عدالت نے یہ سوال کیا کہ

''کیا آپ اب تک پاکستان کے اس تصوّر سے اتفاق رکھتے ہیں جو قائد اعظم نئے دستور ساز اسمبلی کی تقریر میں پیش کیا تھا۔اور جس میں انہوں نے کہا تھا کہ آج کے بعد صرف ایک پاکستانی قوم ہوگی ۔جس میں مسلم اور غیر مسلم شامل ہوں گے ۔اِن سب کو مساوی شہری حقوق حاصل ہوں گے نسل، مذہب اور مسلک کا کوئی امتیاز نہ ہوگا۔''

مولانا بدایوانی نے اسکا یہ جواب دیا:۔

میں اس اصول کو تسلیم کرتا ہوں کہ تمام قوموں کو خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم مملکت کے نظم ونسق اور قانون سازی میں اُن کی آبادی کے مطابق نمائندگی حاصل ہونی چاہئیے سوائے اسکے کہ غیر مسلم شعبہ فوج اور محکمہ عدالت میں نہ لئے جاسکیں گے۔نہ وزیر مقرر کئے جائیں گے اور نہ کسی اعتماد کے عہدے پر فائز ہوسکیں گے۔

نیز کہا کہ موجودہ حالت میں پاکستان میں غیر مسلم قوموں کو شہریت کے کوئی حقوق حاصل نہ ہوں گے۔

''اُن علماء کی جنہوں نے اِن خیالات کا اظہار کیا غلطی واضح کرنے کے لئے فاضل ججوں نے انتخاب خلیفہ اور اسکی بیعت اور خلیفہ کے اُن اختیارات کا ذکر کیا ہے جو جمہوریہ اسلامی کے دوران میں اُسے حاصل ہوتے تھے ۔اور بتایا ہے کہ اُس کا انتخاب بھی زمانہ حاضرہ کے انتخاب سے قطعاً مختلف تھا اور صرف اُسی کو حکومت کرنے کا حق ہوتا تھا۔

پھر مجلس شوریٰ کا ذکر کے فاضل ججوں نے لکھا ہے:۔

''اِس نظام کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ کفار ان وجوہ کے ماتحت جو واضح تھے اور جن کے بیان کی حاجت نہیں اس مجلس میں دخل حاصل نہیں کرسکتے تھے اور خلیفہ اپنے اختیارات کفار کو بالکل تفویض نہ کرسکتا تھا۔وہ غیر مسلموں کو اہم عہدوں پر مقرر نہ کرسکتا تھا۔نہ قانون کی تعبیر یا تنفیذ میں انکو کوئی جگہ

دے سکتا تھا۔اور وضع قوانین کا کام اُن کے سپرد کرنا تو قانونی اعتبار سے بالکل ہی ناممکن تھا۔'' [1]

مؤلفین تبصرہ نے یہ ذکر کر کے لکھا ہے:۔

''اور اسکے وہ دلائل اس قدر ظاہر و باہر ہیں کہ بیان کہ حاجت نہیں۔'' [2]

آخری فقرہ مؤلفین تبصرہ نے اپنی تنقید کو درست ثابت کرنے کے لئے بگاڑ کر اور اسکے اصل محل سے ہٹا کر لکھا ہے۔رپورٹ کے اصل الفاظ کا وہی ترجمہ ہے جو اوپر اردو رپورٹ سے لکھا جا چکا ہے۔

کہ کفاران وجوہ کے ماتحت جو واضح تھے اور جن کے بیان کی حاجت نہیں اس مجلس (یعنی خلیفہ کی مجلس شوریٰ۔ناقل) میں دخل حاصل نہیں کر سکتے تھے۔انگریزی رپورٹ کے الفاظ یہ ہے:۔

"The Principal feature of this System was thatthe "Kuffar" for reasons which are too obvious and need not be stated could not be admitted to this majlis" Report P.214

مؤلفین تبصرہ کے اس قسم کے تصرف سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے پیش نظر حقیقت بیان کرنا نہیں۔بلکہ محض فاضل ججوں کی رائے کی مخالفت ہے۔

فاضل ججوں نے خلیفہ اور اسکے اختیارات کا ذکر کر کے علماء کو یہ بتایا ہے کہ موجودہ زمانہ کے حالات کو اس ابتدائی زمانہ کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

پھر فاضل ججوں نے اپنی اصلی رائے ظاہر کی ہے۔

''آج مسلمان یاد ماضی کا لبادہ اوڑھے۔صدیوں کا بھاری بوجھ اپنی پشت پر لادے۔مایوس و مبہوت ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔اور فیصلہ نہیں کر سکتا کہ دونوں میں سے کس موڑ کا رُخ کرے۔دین کی وہ تازگی اور سادگی جس نے ایک زمانے میں اس کے ذہن کو عزم مصمم اور اسکے

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۳۱ [2] تبصرہ صفحہ ۱۱۳

عضلات کو لچک عطا کی تھی آج اس کو حاصل نہیں ہے۔اس کے پاس نہ فتوحات حاصل کرنے کے وسائل ہیں۔ نہ اہلیت ہے۔ اور نہ ایسے ممالک ہی موجود ہیں جن کو فتح کیا جا سکے۔ مسلمان بالکل نہیں سمجھتا کہ جو قوتیں آج اسکے خلاف صف آراء ہیں۔ وہ ان قوتوں سے بالکل مختلف ہیں جن سے انکو ابتدائے اسلام میں جنگ کرنی پڑی تھی۔اور اسکے اپنے اباؤ اجداد ہی کی رہنمائی سے ذہن انسانی نے ایسے کارنامے انجام دئے ہیں جن کے سمجھنے سے وہ قاصر ہے۔۔۔۔۔صرف ایک ہی چیز ہے جو اسلام کو ایک عالمگیر تصوّر کی حیثیت سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔اور مسلمان کو جو آج ضدو قدامت کا پیکر بناہوا ہے دنیائے حال اور دنیائے مستقبل کا شہری بنا سکتی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی نئی تاویل و تشکیل دلیرانہ کی جائے جو زندہ حقائق کو مردہ تصوّرات سے علیحدہ کردے۔۔۔۔۔اگر جہاں ریتی کی ضرورت ہو وہاں ہتھوڑ استعمال کرنا چاہیں گے اور اسلام سے ان عقدوں کے حل کرنے کی توقع رکھیں گے جن کو حل کرنا کبھی اس کا مقصود نہ تھا۔ مایوسی۔ نامرادی اور دل شکستگی برابر ہمارے شامل حال رہے گی۔وہ مقدس دین جس کا نام اسلام ہے برابر زندہ رہے گا خواہ ہمارے لیڈر اسکو نافذ کرنے کے لئے موجود نہ بھی ہوں۔ دین اسلام فرد میں۔اسکی روح اور اسکے نقطہ نگاہ میں محد سے لحد تک خدا اور بندوں کیساتھ تعلقات میں زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔اور ہمارے ارباب سیاست کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر احکام الٰہی ایک انسان کو مسلمان نہیں رکھ سکتے تو اُن کے قوانین یہ کام انجام نہیں دے سکتے۔'' [1]

اس سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ مؤلفین تبصرہ کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ

''عدالت کے اپنے ٹھپّے کا اسلام بھی وہی کچھ ہے جو علماء کے ٹھپّے کا اسلام ہے''

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱

(۲) دوسری وجہ کا جواب

مؤلفین تبصرہ کی دوسری پیشکردہ وجہ کا غلط ہونا ان فسادات سے ظاہر ہے جو مشرقی پنجاب میں تقسیم ہند کے وقت ہوئے تھے۔ جب مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر سکھوں اور ہندوؤں نے مل کر حملے کئے۔ انکی جائیداد کو لوٹ لیا۔ اور انہیں انکے گھروں سے نکال دیا تو مغربی پنجاب کے مسلمانوں نے مغربی پنجاب کے ہندوؤں او ر سکھوں سے اسکا بدلہ لیا تھا یا نہیں؟ حالانکہ وہ مظالم مغربی پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں نے نہیں کئے تھے۔ بلکہ ان کے مذہبی بھائیوں نے کئے تھے۔ اس قسم کے مبادلہ اور انتقام کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَلَاتَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّو االلّٰهَ عَدْوًابِغَيْرِ عِلْمٍ [1]

کہ تم ان معبودوں کو جنہیں لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں بُرا بھلا نہ کہو۔ ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بغیر سوچے سمجھے محض انتقام لینے کی خاطر اللہ تعالیٰ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیں گے۔

پس اس آیت میں اس مبادلہ کا اصول بیان کیا گیا ہے جس کا ذکر فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔

۳۔ تیسری وجہ کا جواب

دوسری وجہ کے جواب سے ظاہر ہے بدلہ کی صورت میں مذہبی معتقدات وعبادات کو اپنانا ضروری نہیں بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ جس طرح انکے غیر مسلم قومی اور دینی بھائیوں کو مسلمانوں کی جمہوری حکومت میں مذہب کی بناء پر شہریت کے حقوق سے محروم کیا جاتا اور ذلیل وحقیر سمجھا جاتا ہے اس طرح ایک غیر مسلم ریاست بھی بدلہ کے طور پر مسلمانوں سے اپنی مملکت میں وہی سلوک کرنے کا حق رکھتی ہے۔

---

[1] انعام ع ۱۳

۴۔ چوتھی وجہ کا جواب

یہ کہ غیر مسلم حکومتوں کے نزدیک اسلامی ریاست کی قدرو قیمت جاننے کا معیار لازماً یہ ہوگا کہ اُن کے ہم قوم بھائیوں سے اسلامی حکومت میں کیسا سلوک کیا جاتا ہے۔فطرتاً ہر قوم چاہتی ہے کہ اس کا نظامِ حکومت میں حصہ ہو اور جماعت اسلامی کے قیام کی غرض ہی مولانا مودودی صاحب نے یہ بتائی ہے کہ حکومت کے اقتدار پر قبضہ کرنا اور خدا کے باغیوں کو بذریعہ جنگ حکومت سے بے دخل کر کے خود حکمران بننا (ملاحظہ ہو تفہیمات اور رسالہ حقیقت جہاد)

پھر مؤلفین تبصرہ کیونکر خیال کرتے ہیں کہ وہ اسلامی حکومت کے غیر مسلموں سے ناپسندیدہ اور ظالمانہ رویّہ کا نوٹس نہ لیں گے۔

مؤلفین تبصرہ کی طرف سے

تحقیقاتی عدالت کو______________________ چیلنج

مؤلفین تبصرہ نے فاضل ججوں کی رائے کا خلاف کرتے ہوئے مذکورہ بالا وجوہ ذکر کر کے انہیں یہ چیلنج دیا ہے

''ذرا ٹھہریئے۔ یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ سر ظفراللہ خاں کی علیحدگی اور کلیدی مناصب سے قادیانی افسروں کے ہٹانے کے مطالبہ پر اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی پوزیشن کا اتنا بڑا مسئلہ اپنے سارے امکانی اور خیالی نتائج سمیت سامنے کیوں آ گیا؟ آخر کس نے یہ کہا تھا کہ ان لوگوں کو اس لئے ہٹاؤ کہ یہ غیر مسلم ہیں اور اسلامی ریاست میں ان مناصب پر نہیں رہ سکتے؟

کب یہاں دوسرے غیر مسلم عہدیداروں کے ہٹانے کا سوال اٹھایا گیا غیر مسلم وزیر تک ہمارے مرکز میں رہ چکا ہے کس نے کہا کہ اُسے نکال دو؟ ہماری مرکزی اسمبلی میں بھی اور صوبوں کی اسمبلیوں میں بھی غیر مسلم ارکان موجود ہیں۔ کب یہاں کسی نے کہا کہ اُن کی رکنیت منسوخ کردو؟ آئندہ دستور میں غیر مسلموں کو سارے حقوق دئے جا رہے ہیں۔

جنہیں آپ شہریت کے اہم حقوق کہتے ہیں۔۔۔۔علماء خود جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کے مخصوص حالات اور تاریخی اسباب اس معاملے میں وسعت برتنے کے متقاضی ہیں اور اسلام کے احکام میں حالات کے لحاظ سے اس طرح کی وسعت کے لئے گنجائش موجود ہے۔غیر مسلموں کو مملکت میں حصہ دار بنانا قطعی حرام نہیں کر دیا گیا۔۔۔۔قادیانیوں کے بارے میں تو بار بار یہی کہا گیا۔کہ ان کے سالہا سال کے رویّے سے جو شکایات پیدا ہوئی ہیں انکو رفع کرنے کے لئے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے۔'' ا؎

سچ ہے۔یا تو بآں شوراشوری یا بایں بے نمکی پہلے تو فاضل ججوں کی رائے کو غلط ثابت کرنے کے لئے ان علماء کے نظریہ کی پُر زور تائید کی جس کی رُو سے اسلامی حکومت میں غیر مسلم شہریت کے حقوق سے بھی محروم رہتے ہیں۔اور اب یہ اعتراف کہ اسلام کی رُو سے غیر مسلم وزیر بن سکتا ہے اور دوسرے مناصب بھی غیر مسلموں کو دیئے جاسکتے ہیں۔اور رپورٹ کا مطمع نظر بھی یہی تھا کہ علماء نے جس تنگ نگاہی کا اظہار کیا ہے وہ اس زمانہ میں اسلام کے لئے نہایت مضر اور نقصاں رساں ہے۔

شکر ہے کہ مؤلفین تبصرہ کو اسلامی احکام کی وسعت کا خیال آ گیا. جو رپورٹ کا منشاء تھا. لیکن پھر بھی مطابق مثل ''رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔'' فاضل ججوں کی مخالفت دل سے نہ گئی۔اور اُن پر یہ جھوٹا الزام عائد کر دیا کہ انہوں نے ان امور پر بلا وجہ بحث کی ہے ورنہ ان پر بحث کرنے کے لئے کوئی وجہ موجود نہ تھی۔

کیونکہ چوہدری ظفر اللہ خاں اور کلیدی مناصب سے قادیانی افسروں کو ہٹانے کے مطالبہ میں یہ کب کہا گیا تھا کہ ان لوگوں کو اس لئے ہٹاؤ کہ یہ غیر مسلم ہیں اور اسلامی ریاست میں ان مناصب پر نہیں رہ سکتے۔

تعجب ہے کہ یہ مصلحین کا گروہ ثابت شدہ حقائق کا انکار کس جرأت و جسارت سے کرتا ہے پھر عام لوگوں کی مخالفت کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہائیکورٹ کی عدالت کے فاضل ججوں کی رائے کو غلط اور خلاف واقعہ ثابت کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔رپورٹ میں ایک

ا؎ تبصرہ صفحہ ۱۱۹

جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ مطالبات مذہبی بناء پر کئے گئے تھے۔ مثلاً

۱۔ رپورٹ کے صفحہ نمبر ۲۲۹ پر لکھا ہے:۔

''جس وجہ کی بناء پر چوہدری ظفر اللہ خاں اور مملکت کی کلیدی اسامیوں کے احمدی عہدیداروں کی برطرفی کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ احمدی غیر مسلم ہیں اس لئے ایک اسلامی مملکت کے ذمیوں کی طرح وہ مملکت کے بڑے عہدوں کا حق نہیں رکھتے۔''

۲۔ پھر فاضل جج صاحبان رپورٹ کے صفحہ نمبر ۱۹۴ میں لکھتے ہیں:۔

''مطالبات تین تھے۔ پہلے مطالبہ میں حکومت سے کہا گیا تھا کہ احمدیوں کے قادیانی فرقے کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ دوسرے مطالبے کا منشاء یہ تھا کہ چودھری ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے اور تیسرا یہ تھا کہ دوسرے احمدی جو مملکت کے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں موقوف کر دئے جائیں۔ ہمارے سامنے سب جماعتوں نے تسلیم کیا ہے کہ ان تینوں مطالبات کی نوعیت سیاسی نہیں۔ بلکہ قطعی طور پر مذہبی ہے (صرف حافظ کفایت حسین نے کہا کہ صرف پہلا مطالبہ مذہبی نوعیت رکھتا ہے) ان مطالبات کی لازمی دینی نوعیت سے نہ جماعت اسلامی نے اور نہ ہی اُس کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے انکار کیا ہے۔ گو مولانا نے ان کے لئے چند مزید وجوہ بھی پیش کی ہیں۔ تمام دوسرے علماء نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ تینوں کے تینوں مذہبی مطالبات ہیں۔ اور ان میں سے ایک بھی سیاسی نہیں۔''[۱]

۳۔ پھر فاضل ججوں نے اسکی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

''اور اگر یہ مطالبات مذہبی وجوہ پر مبنی قرار دے کر پیش نہ کئے جاتے تو ظاہر ہے کوئی بحران پیدا نہ ہوتا۔ کیونکہ اس حالت میں حکومت ان مطالبات کو پیش کرنے والے فریق سے یہ خواہش ظاہر کرتی۔ کہ وہ اپنے

۱۔ رپورٹ صفحہ ۱۹۴

دعویٰ کو دلیل سے ثابت کرے تا کہ ان لوگوں کے خلاف مناسب اقدام کیا جا سکے جو مملکت کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

لیکن ان میں سے ایک مطالبہ یہ تھا کہ **احمدیوں کو کلیدوں عہدوں** سے برطرف کیا جائے۔اور اسکی بنیاد صرف مذہب پر تھی کیونکہ چودھری ظفراللہ خاں کے سوا کوئی احمدی کسی کلیدی عہدے پر فائز نہیں ہے اور خود جماعت اسلامی کلیدی عہدے کی یہ تعریف کر چکی ہے کہ وہ عہدہ جسکا کام پالیسی وضع کرنا ہو۔مولانا امین احسن اصلاحی سے سوال کیا گیا۔کہ جب احمدیوں کے برطرف کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو ان سے کون سے دوسرے عہدے مراد ہیں تو وہ کسی ایسے عہدے کا نام نہ لے سکے جس پر کوئی احمدی فائز ہو۔

اسی طرح اگر چودھری ظفراللہ خاں کی موقوفی کا مطالبہ اس بناء پر کیا جاتا کہ ان کی سرگرمیاں مملکت کے مفاد کے لئے مضر ہیں تو حکومت (انکے احمدی ہونے کے علاوہ) اس امر کا قطعی ثبوت طلب کرتی کہ وہ بعض ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں جن کا علم وزیر اعظم کو نہیں ہے۔اور جن سے مملکت کو ایسا نقصان پہنچ رہا ہے کہ انکی برطرفی ضروری ہوگئی ہے۔'' [۱]

۴۔رپورٹ کے صفحہ ۹۵-۹۶ پر فاضل ججوں نے وہ قراردادیں ذکر کی ہیں جو لیگ کے جائنٹ سیکرٹری کو موصول ہوئیں۔ان میں سے نمبر ۴ پر قرارداد مؤرخہ ۱۲ جون ۱۹۵۲ء لکھا ہے جو مولانا سید احمد سعید کاظمی ممبر صوبہ مسلم لیگ کونسل ملتان اور عبدالحکیم صدیقی صدر سٹی مسلم لیگ ملتان اور صوفی محمد عبدالغفور لدھیانوی سیکرٹری ضلع مسلم لیگ ملتان کیطرف سے تھی۔

''کہ چونکہ قادیانی بالاتفاق خارج از اسلام سمجھے جاتے ہیں اس لئے ان کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔اور حکومت کو اس میں تاخیر نہ کرنی

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۶۲

چاہیئے۔ کہ چونکہ چوہدری ظفراللہ خاں قادیانی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہیں ۔اسلئے پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی کونسل کوحکومت پاکستان سے مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے عہدے سے برطرف کردئے جائیں۔اوران کی جگہ کوئی قابل اعتبار مسلمان مقرر کیا جائے۔‘‘

۵۔اسی طرح رپورٹ کے صفحہ ۳۸۹ پرایک تار کا ذکر ہے جو ۲۷رفروری ۱۹۵۳ء کوحکومت مرکزیہ کی طرف سے تمام صوبوں کے نام بھیجا گیا تھاجس میں مطالبات کے متعلق مرکزی حکومت کا رویّہ واضح کیا گیا تھا۔تار کا مضمون یہ تھا:۔

’’نہ تو جمہور کے کسی طبقے کو اس کی مرضی کے خلاف غیرمسلم اقلیت قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ کسی احمدی افسر یاوزیر خارجہ کو محض مذہب کی بناء پر اُنکے عہدوں سے برطرف کیا جاسکتا ہے۔‘‘

قارئین کرام خود فیصلہ فرمالیں کہ رپورٹ میں ان تصریحات کے پیش نظر مؤلفین تبصرہ کے اس قول میں (کہ چوہدری ظفراللہ خاں صاحب اور دیگر احمدیوں کے متعلق کس نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو اس لئے ہٹاؤ کہ یہ غیرمسلم ہیں)صداقت کا کوئی شمہ بھی پایا جاتا ہے؟

مزید برآں خودمولانا مودودی صاحب نے اپنے تحریری بیان کے پیرانمبر۱۲ میں احرار کے تینوں مطالبات کا ذکر کیا ہے (۱)’’قادیانیوں کومسلمانوں سے الگ ایک اقلیّت قرار دیا جائے ۔(۲) سرظفراللہ خاں کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے ۔(۳) قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔‘‘

اور اسی طرح جماعت اسلامی نے اپنے تحریری بیان کے پیرانمبر۳۳ میں ان مطالبات کا ذکر کیا ہے۔اوراوپر لکھا جاچکا ہے کہ احرار کے یہ مطالبات مذہبی بناء پر تھے۔

(ب) دیگر شکایات والزامات

ا۔سخت الفاظ اور دشنام طرازی

معزّز عدالت نے ''دیگر شکایات والزامات'' کے زیر عنوان بعض سخت الفاظ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ فریقین نے ایسے الفاظ استعمال کئے ۔مثلاً

''ولدالزنا۔ ولدالحرام ۔خنزیر۔طوائفیں ۔رنڈیاں ۔کُتیاں ۔شرابی ۔ بدکار ۔فریبی ۔غنڈا۔خونی ۔ بے حیا۔اور بے شمار دیگر الفاظ جن کا ذکر بیحد شرمناک ہے۔تقسیم کے بعد نزاع نے محض دشنام طرازی کی ایک مسلسل مہم اختیار کر لی ہے جس میں شخصی چال چلن پر نہایت فحش اور بازاری حملے کئے گئے ہیں اور احرار اس معاملے میں مخالفین سے ہمیشہ بازی لے گئے ہیں ۔''[1]

ہم نے رپورٹ کا اول سے آخر تک بغور مطالعہ کیا ہے اس میں کسی جگہ بھی یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ یہ الفاظ کسی احمدی مقرر نے استعمال کئے ۔یا وہ بانیٔ جماعت یا آپکے خلفاء کی کسی کتاب میں پائے جاتے ہیں ۔اسلئے ہم اس کے متعلق اظہار رائے سے قاصر ہیں۔

اور مخالفین احمدیت نے اپنے بیانات میں جو الفاظ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کئے تھے اُن کا جواب ہماری جماعت کی طرف سے دیا جا چکا ہے جو عدالت کے ریکارڈ پر موجود ہے۔

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اپنی کتابوں میں بارہا تصریح کی ہے کہ آپ نے سخت الفاظ کے استعمال میں کبھی سبقت نہیں کی اور فرماتے ہیں :۔

(الف)''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا

---

[1] رپورٹ صفحہ ۳۰۸

جائے ۔ بڑے دُکھ کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے ۔'' [1]

(ب) پھر بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک خاص معیّن گندہ ذہن اور بد زبان شخص کو مدنظر رکھ کر ایک سخت لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کا وہ فی الحقیقت مستحق بھی ہوتا ہے لیکن جب اُسے عام کر دیا جائے تو وہی گالی بن جاتا ہے اور وہ شخص خطرناک تصرّف اور بد دیانتی کا مرتکب ہوتا ہے جو کسی قول کے ماحول اور پس منظر کو مخفی رکھ کر اُسے مستقل حیثیت دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید میں کفار اور مشرکین کے متعلق سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ۔ جو اپنی بد زبانیوں اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اُن کے مستحق ہو چکے تھے ۔قرآن مجید کا طریق بیان اگرچہ عام ہے لیکن مراد خاص لوگ ہیں ۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی ایسے قرآنی کلمات کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں

''قرآن مجید میں پیہم اعلانیہ بد کاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں اور گو طریقۂ بیان عام ہوتا تھا۔لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے ۔'' [2]

لیکن انہی الفاظ کو شر انگیز لیڈران کفار نے مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اکسانے کے لئے ایک حجت بنا لیا۔اورانہیں گالیاں سمجھا اور اپنے معبودوں کی توہین خیال کیا ۔اور کہا کہ ہمارے اباؤ اجداد کو کم عقل اور بے وقوف کہا گیا ہے ۔ابو طالب کے پاس ان کا ایک وفد آیا اور مطالبہ کیا یا تو اپنے بھتیجے کو سخت کلامی سے بعض رکھو یا اس سے علیٰحدہ ہو جاؤ ہم اس سے نپٹ لیں گے ورنہ قوم سے مقابلہ کے لئے تیار رہو جاؤ۔تب ابو طالب نے آپ کو بلوا کر کہا کہ میں خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور

---

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۱۳ [2] سیرت النّبی جلد ا صفحہ ۲۰۲

دشنام دہی سے باز آجا۔ ورنہ میں قوم سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ تب نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دنیا کو حقیقی تہذیب اور اخلاق فاضلہ سکھانے کے لئے آئے تھے، جواب دیا کہ اے چچا یہ دشنام دہی نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے۔ اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ موت کے ڈر سے اظہار حق سے نہیں رُک سکتا۔

پس دشنام دہی اور چیز ہے اور بیان واقعہ گو وُہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شئے ہے۔ چنانچہ خود فاضل ججوں نے احرار کے متعلق لکھا ہے:۔

''احرار کے رویّے کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کا طرزِ عمل بطور خاص مکروہ اور قابل نفرین تھا۔'' [1]

اور ان کو ''دشمنان پاکستان'' قرار دیا ہے۔ [2]

(ج) عقلاً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ شخص جو سب لوگوں کو حق کی طرف دعوت دے اور اُسے قبول کرنے کی تلقین کرے۔ وہ اُن کے حق میں سخت الفاظ استعمال نہیں کرسکتا۔ وہ بیان واقعہ کے طور پر صرف اُنہی لوگوں کے حق میں استعمال کرے گا جو اپنی بدزبانی اور بدکرداری کے لحاظ سے ان کے مصداق ہو چکے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کو جن کی تعلیم حد درجہ نرمی اور محبت پر مبنی تھی۔ اپنے وقت کے فقیہی اور فریسی (علماء) کے لئے اُن کی گالیوں اور ان کی بدکرداری کے جواب میں بیان واقعہ کے طور پر بد اور حرام کار اور سانپ اور سانپوں کے بچے اور ریاکار شیطان وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنے پڑے۔

اگر اس چار سو سے زیادہ صفحات کی ضخیم رپورٹ میں ان الفاظ مذکورہ میں سے کوئی ایک لفظ بھی کسی حوالے سے پایا جاتا ہے۔ تو ہم بطور بیان حقیقت اسکے متعلق بھی اپنی رائے لکھ دیتے ہیں۔ لیکن رپورٹ کے دوسرے مقامات سے یہ ثابت ہے کہ احراری مقررین نے یہ الفاظ اور ان کے علاوہ دوسرے سخت الفاظ احمدیوں کے لیڈروں اور ان کے امام کے لئے

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۷۷ [2] رپورٹ صفحہ ۲۷۸

استعمال کئے ہیں۔ چنانچہ

(۱) بحوالہ اخبار آزاد مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۵۲ء رپورٹ میں اس کے افتتاحیہ سے مندرجہ ذیل الفاظ ہُو بہو نقل کئے گئے ہیں۔

''آخر کب تک ایک **زانی وشرابی**، ایک **غنڈے اور بد معاش مفتری وکاذب اور دجّال** کو اس ملک میں ہمارے کان نبی، مسیح موعود اور احمد ومحمد کے نام سے پکارے جاتے سنتے رہیں گے اور کب تک اُمّت کی مقدّس ومطہر ماؤں کو ایک ننگ انسانیت عورت کے لئے (یہ حوالہ مرزا غلام احمد اوران کی اہلیہ کی طرف اشارہ ہے۔ رپورٹ صفحہ نمبر ۳۶۸) اپنی قبروں میں بے چین ہونا پڑے گا۔ آخر یہ زندگی بے حیائی وبے غیرتی اور دیوثی کی زندگی نہیں تو اور کیا ہے۔'' [1]

(۲) اسی طرح مولوی کرامت علی نے ۷۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ایک تقریر میں بانیٔ جماعت احمدیہ کی طرف غلط طور پر منسوب کر کے کہا

''مسلمانوں کو **فاحشہ عورتوں کی اولاد**۔ انکی عورتوں کو **کُتیاں** اورمرزا کے نہ ماننے والوں کو **طوائفوں کی اولاد** بتایا ہے۔'' [2]

اسی طرح مسٹر انور علی ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی نے پوری صورتِ حالات کا جائزہ لے کر یادداشت میں لکھا

''مرزا غلام احمد کی تحریروں سے اقتباسات ناگوار حد تک نقل کئے جارہے ہیں۔ اورانکو توڑ مروڑ کراُن سے فحش اور غلیظ مطالب نکالے جاتے ہیں۔'' [3]

(۳) محمد علی جالندھری نے ۲۵ اگست ۱۹۵۲ء کو منٹگمری میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

''مرزائی چوہڑوں اور چماروں سے بدتر ہیں۔ مرزا قادیان بدچلن آدمی تھا۔ اسکی حرم سرا کے معاملات کے سلسلہ میں کئی آدمی قتل کردئے گئے۔'' [4]

(۴) مرزا غلام نبی جانباز نے ۲۱ ستمبر کو ڈسکہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

''مرزا غلام احمد ایک مداری تھا۔ بدبخت انسان۔ عورت باز۔'' [5]

۱؎ رپورٹ صفحہ ۱۰۲ ۲؎ رپورٹ صفحہ ۱۲۰-۱۱۹ ۳؎ رپورٹ صفحہ ۲۰ ۴؎ رپورٹ صفحہ ۲۵۶

۵؎ رپورٹ صفحہ ۲۶۱

(۵) کتابچہ بھیرہ کے مست قلندر کا ’’رگڑا‘‘ کے متعلق فاضل ججوں کی رائے :۔

’’بانیٔ احمدیت کے خلاف نہایت توہین انگیز اور دشنام آمیز کتابچہ۔‘‘ [۱]

(۶) معزز عدالت نے لکھا ہے :۔

’’آزاد اور زمیندار بدگوئی اور دشنام طرازی میں گلا پھاڑ کر چلّا رہے تھے۔‘‘ [۲]

(۷) احرار کے اخبار ’’آزاد‘‘ کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں :۔

آزاد احراریوں کا اخبار ہے ۔اس لئے اخبار نے اپنے آغاز سے اپنے کالموں میں احمدیوں کے عقائد اور اُن کے لیڈروں کے خلاف نہایت بازاری ۔ناشائستہ اور زہریلی مہم جاری کر رکھی ہے۔‘‘

ایک افسر نے اس کے مضامین کا جائزہ لے کر رپورٹ کی ۔

’’ان مضامین میں ایسے حصّے موجود ہیں جو شرانگیز ہیں اور جن میں احمدیوں کے خلاف بدگوئی اور دشنام طرازی کی گئی ہے۔‘‘ [۳]

(۸) اخبار مزدور ملتان کی ایک پست اور بازاری تحریر کے متعلق فاضل ججوں کی رائے ملاحظہ ہو۔ کتاب ہٰذا صفحہ ۲۷

رپورٹ کی یہ چند عبارتیں احرار کے متعلق فاضل ججوں کی رائے کے صحیح اور مطابق واقعہ ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

دوسری شکایت

انگریزی حکومت کی تعریف

فاضل ججوں نے غیر احمدیوں کی اس شکایت کا کہ تحریک کے بانی اور اس کے لیڈر انگریزوں کے ذلیل خوشامدی ہیں۔اور رسالہ جہاد کا ذکر کر کے لکھا ہے :۔

’’اگر اس قسم کے حملے مذہبی تعصب کا نتیجہ تھے ۔تو ان کا ارتکاب یقیناً

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۶۸ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۸۷ [۳] رپورٹ صفحہ ۸۷

اسلام کے عقیدہ جہاد کے منافی تھا۔اور مرزا صاحب نے اس عقیدہ کی جو تردید کی وہ مستحسن تھی۔'' ۱

فاضل ججوں نے اس جگہ جہاں بانئ جماعت احمدیہ کے اس موقف کو سراہا ہے جوانہوں نے جہاد کے بارہ میں اختیار کیا۔اوران کے فعل کو مستحسن قرار دیا ہے۔وہاں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے:۔

(۱)''لیکن جب انہوں نے عقیدہ جہاد کی تاویل میں ''مہربان انگریزی حکومت'' اوراس کی مذہبی رواداری کی تعریف نہایت خوشامدانہ لہجہ میں کرنی شروع کی تو اس تاویل پر چندر چند شبہات پیدا ہونے لگے۔'' ۲

(۲) ''پھر مرزا صاحب نے ممالک اسلامی کی عدم رواداری اورانگریزوں کی فراخ دلانہ مذہبی پالیسی کامقابلہ وموازنہ توہین آمیزانداز میں کیا۔تو مسلمانوں کا غیض وغضب اور بھی زیادہ مشتعل ہو گیا۔'' ۳

رپورٹ کے اس حصہ میں درحقیقت فاضل ججوں نے اپنی تحقیقی رائے ظاہر نہیں کی بلکہ شکایت کنندگان کی ہی رائے کا اپنے الفاظ میں اظہار کیا ہے اس شکایت کے جواب میں ہم معزز عدالت کے نوٹس میں مندرجہ ذیل حقائق لا چکے ہیں۔

(۱) جس زمانہ میں بانئ سلسلہ احمدیہ نے گورنمنٹ انگریزی کی تعریف کی وہ زمانہ ۱۸۸۲ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک کا ہے۔اوراسوقت ان لوگوں کا جنہوں نے سکھوں کے مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔اور پھر گورنمنٹ انگریزی کی مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کا مشاہدہ کیا تھا انکی قطعی طور پر وہی رائے تھی۔جو بانی جماعت احمدیہ نے ظاہر کی۔اور جن الفاظ میں بانی جماعت احمدیہ نے ان کی مذہبی آزادی کو سراہا اور جس رنگ میں دوسری مسلم حکومتوں سے موازنہ ومقابلہ کیا۔اُسی رنگ میں اس وقت کے مسلم لیڈروں اورعلماء نے انگریزوں کی تعریف کی اوردوسری مسلم حکومتوں پر انکی حکومت کو ترجیح دی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے سامنے کوئی اسلامی حکومت نہ تھی پاکستان کا آئیڈیا بھی

۱، ۲، ۳ رپورٹ صفحہ ۲۰۸

اسوقت پیدا نہ ہؤا تھا۔اوراگرانگریز اسوقت چلاجاتا تو اسکی جگہ وہی حکومت قائم ہوتی جوآج ہندوستان میں قائم ہے۔اور پاکستان کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔کیا بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا یہ جرم ہے کہ وہ اس قسم کی حکومت کے مقابلہ میں انگریز کوترجیح دیتے تھے۔یہ تو مستقبل کا حال تھااور ماضی قریب کا یہ حال تھا کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ملک میں سکھوں کی حکومت تھی جنہوں نے مسجدوں کواصطبل بنادیا تھاجوزبردستی مسلمان لڑکیوں کوچھین کرلے جاتے جواذان کہنے کوجرم قرار دیتے تھے۔جن کی ساری حکومت میں صرف تین چار مسلمان ملازم تھے۔جن کے حالات دیکھ کرحضرت سیّد احمد رائے بریلویؒ جیسا عبادت گذار اورگوشہ نشین جہاد کے لئے اُٹھ کھڑا ہؤا۔اگر اپنے بچپن میں ان حالات کو دیکھنے والا شخص انگریزی حکومت کو خدا کی رحمت قرار نہ دیتا تو کیا کہتا۔کیا کوئی عقلمند انسان ایسا ہوسکتا ہے جو ان حالات میں پلنے کے بعد انگریزی حکومت کے طرزِعمل کی تعریف نہ کرتا اور جورائے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کے متعلق ظاہر کی ہے ظاہر نہ کرتا۔چنانچہ ہم اسکی تائید میں بعض مشہورومعروف غیراحمدی علماءاورلیڈروں کے اقوال پیش کرتے ہیں:۔

(۱) مولوی محمد حسین بٹالوی جوسردار اہلحدیث کہلاتے تھے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھتے ہیں:۔

''سلطان روم ایک اسلامی بادشاہ ہے لیکن امن عام اورحسن انتظام کے لحاظ سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موجب نہیں ہے۔اور خاص کرگروہ اہلحدیث کے لئے تو یہ سلطنت بلحاظ امن وآزادی اس وقت کی تمام اسلامی سلطنتوں (روم' ایران' خراسان) سے بڑھ کرفخر کا محل ہے۔'' [۱]

اور لکھتے ہیں:۔

''اس امن وآزادی عام وحسنِ انتظام برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہلحدیث ہند اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں اور جہاں کہیں وہ رہیں اور جائیں (عرب میں خواہ روم میں

---

[۱] اشاعۃ السنہ نمبر۱۰ جلد۶ صفحہ ۲۹۲

خواہ اَور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم رعایا ہونا نہیں چاہتے ۔'' [۱]

(۲) مولانا ظفر علی خاں کا ارشاد

مولانا ظفر علی خاں ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

''مسلمان ایک لمحہ کے لئے ایسی حکومت سے بدظن ہونے کا خیال نہیں کر سکتے ۔اگر کوئی بد بخت مسلمان گورنمنٹ سے سرکشی کی جرأت کرے تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں وہ **مسلمان مسلمان نہیں** ۔'' [۲]

پھر لکھتے ہیں :۔

''زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایۂ خدا سمجھتے ہیں ۔اور اسکی عنایت شاہانہ وانصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت وقلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہِ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے ۔'' [۳]

نیز لکھتے ہیں ۔

جُھکا فرطِ عقیدت سے مراسر ہوُا جب تذکرہ کنگ امپر رکا
جلالت کو ہے کیا کیا ناز اس پر کہ شہنشاہ ہے وہ بحروبر کا
زہےقسمت جو ہو اِک گوشہ حاصل ہمیں اسکی نگاہ فیض اثر کا
خدا انگلینڈ کو رکھے سلامت کہ ہےاس سے تعلق عمر بھر کا [۴]

(۳) علامہ السیّد علی الحائری مجتہد العصر (شیعی) گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

''ہم کو ایسی سلطنت کے زیرِ سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جسکی **حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون قرار پا چکی ہے** جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی اَور سلطنت میں نہیں مل سکتی ۔غور کرو کہ تم

---

[۱] اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۶ صفحہ ۲۹۳ [۲] زمیندار مؤرخہ ۱۱/نومبر ۱۹۱۱ء [۳] زمیندار ۹/نومبر ۱۹۱۱ء

[۴] زمیندار ۱۹/اکتوبر ۱۹۱۱ء

اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے کیونکر بے خوف وخطر پوری آزادی کے ساتھ آج سر میدان تقریریں اور وعظ کر رہے ہو اور کس طرح ہر قسم کے سامان اس مبارک اور مسعود عہد میں ہمیں میسّر آئے ہیں۔ جو پہلے کبھی کسی حکومت میں موجود نہ تھے۔

اس ہندوستان کی تاریخ پر غائر نظر ڈالو تو تمھیں معلوم ہو گا کہ گزشتہ غیر مسلم سلطنتوں کے عہد میں یہ حالت نہ تھی کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اذان نہیں دے سکتے تھے۔ اَور باتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے حلال چیزوں کے کھانے سے روکا جاتا تھا۔ کوئی باقاعدہ تحقیقات ہوتی ہی نہ تھی۔ پس یہ کس قدر شکر کا مقام ہے کہ برطانیہ عظمیٰ ان تمام عیوب اور خود غرضیوں سے پاک ہے جس کو اختلاف مذہب سے کوئی بھی اعتراض نہیں اور جس کا قانون ہے کہ سب مذاہب آزادی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کریں۔ اس لئے نیابتہً تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا صمیم قلب سے میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس ایثار کا جو وہ اہلِ اسلام کی تبلیغ میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے۔ خاص کر ہمارا فرقہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس کے ناقابلِ برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عامل سلطنت کے زیرِ حکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسم تولا وتبرا کو بہ پابندیٔ قانون اپنے اپنے محلّ وقوع میں ادا کرتے ہیں۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض میں (جو آزادیٔ مذہب کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیم قلب سے برٹش حکومت کا رہینِ احسان اور شکر گزار ہونا چاہئیے۔ اور اس کے لئے شرع بھی اس کو مانع نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام نے نوشیروان عادل کے عہدِ سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح وفخر کے رنگ میں بیان

فرمایا ہے۔'' [1]

یہ تو ان لوگوں کی تحریریں ہیں جو پنجاب میں رہتے تھے جہاں انگریزوں سے پہلے سکھ حاکم تھے۔لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو۲ا یسے مشہور مُسلِم لیڈروں کی آراء بھی درج کردی جائیں جہاں انگریزوں سے پہلے اسلامی حکومت تھی۔

(۱) حضرت سیّد احمدؒ بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:۔

''سیّد صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔وہ اس آزاد عملداری کو اپنی عملداری سمجھتے تھے۔'' [2]

''شمس العلماء مولانا نذیر احمد مرحوم دہلوی نے اپنے لیکچر میں جو ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ٹون ہال دہلی میں دیا' فرمایا:۔

''ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فصیل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اس میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلّط رہے جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہی ہو۔کوئی سلاطینِ یورپ میں سے ہو۔مگر خدا کی بے انتہا مہربانی اسکی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے۔(چیرز) انہوں نے سوا سو برس حکومت کرکے اپنی قومی بیدار مغزی' جفاکشی' لیاقت' انصاف' رعایا پروری اور بہادری کو آشکارا طور پر ثابت کر دیا جیسے روزِ روشن میں آفتاب۔تو کیا اب بھی کسی منصف مزاج' دانشمند' ملکی خیرخواہ کے دل میں یہ ولولہ گزر سکتا ہے کہ خدانخواستہ سلطنت بدل جائے۔سب بولو! نہیں' نہیں' نہیں۔(چیرز)۔۔۔۔لیکن مُنہ سے کہنا کافی نہیں۔کردار سے' گفتار سے ثبوت کردو کہ تم تبدّل سلطنت نہیں چاہتے۔'' [3]

---

[1] موعظہ تحریف قرآن بابت ماہ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۸-۶۷ شائع کردہ ینگ مین سوسائٹی خواجگان نارووالی لاہور۔ [2] سوانح احمدی صفحہ نمبر ۱۳۹ [3] مولانا مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی کے لیکچروں کا مجموعہ بار اوّل ۱۸۹۰ء صفحہ ۴،۵

اورفرماتے ہیں:۔

کیا گورنمنٹ جابراورسخت گیرہے۔توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کرشفیق۔''[۱]

۱۸۵۷ء کے غدر کا ذکر کرکے فرماتے ہیں:۔

''جو آسائش ہم کوانگریزی عملداری میں میسّر ہے کسی دوسری قوم میں اسکے مہیّا کرنے کی صلاحیت نہیں ۔پس یہی باغیان ناعاقبت اندیش برخودغلط جوعملداری کے تزلزل سے خوش ہیں چند روز میں عاجز آکر بمنّت انگریزوں کومنا کرلائیں توسہی۔مَیں اپنی معلومات کے مطابق اسوقت کے ہندوستانی والیانِ مُلک پرنظر ڈالتا تھااور برمااور نیپال اور افغانستان بلکہ فارس اورمصراورعرب تک خیال دوڑاتا تھا۔اِس سرے سے اس سرے تک ایک متنفس سمجھ میں نہیں آتا تھاجس کومَیں ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔امیدوارانِ سلطنت میں سے اَورکوئی گروہ اس وقت موجود نہ تھا کہ مَیں اسکے استحقاق پرنظرکرتا۔پس میرا اسوقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریزہی سلطنتِ ہندوستان کے اہل ہیں۔سلطنت انہی کا حق ہے ،انہی پر بحال رہنی چاہئیے۔دعویٰ مدعیان معہ خرچہ ڈسمس۔'' [۲]

(۳)اب ہم انگریزی حکومت کے متعلق آنریبل ڈاکٹرسرسیّد احمدخان بہادرکی رائے لکھتے ہیں:۔

ملکہ معظّمہ وکٹوریہ کے لئے دُعا

''اے خداتیرے ہی القاء سے ملکہ معظّمہ کُوین وکٹوریہ دام سلطنتہا نے پُر رحم اشتہار معافی کا جاری کیا۔ہم دل سے اس کاشکریہ ادا کرتے ہیں۔الٰہی توہماری اس دُعا کوقبول کر۔آمین۔الٰہی ملکہ وکٹوریا ہواورجہان ہو۔'' [۳]

---

[۱] مولانا مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کے لیکچروں کا مجموعہ باراوّل ۱۸۹۰ء صفحہ ۱۹ [۲] ایضاً صفحہ ۲۶-۲۷

[۳] مجموعہ لیکچرہائے آنریبل ڈاکٹرسرسیّد احمدخان بہادر بلالی پریس ساڈھورہ دسمبر ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۲

بادشاہ عادل خدا کے بندوں پر رحمت ہے

مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

''اے مسلمانو جان لو کہ ہمارا دین بالکل سچائی اور بالکل نیکی ہے۔ ہمدردی اور محسن کی احسان مندی اور عام خلائق کی خیر خواہی ٹھیٹ رکن اسلام کا ہے۔ جس طرح ہم کو اپنے خدائے پاک کا شکر کرنا ہے اسی طرح ہم کو اس انسان کا بھی شکر کرنا ہے جس کا احسان ہم پر ہے۔ بادشاہ عادل کا احسان اپنی رعیت پر جس قدر ہوتا ہے کسی انسان کا کسی پر نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔پس بادشاہ عادل کا کسی رعیت پر مستولی ہونا درحقیقت **خداتعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ اور بلاشبہ تمام رعیت اس عادل بادشاہ کی احسان مند ہے پس ہم رعایائے ہندوستان جو ملکہ معظّمہ وکٹوریا دام سلطنتہا ملکۂ ہندوانگلینڈ کی رعیت ہیں اور جو ہم پر عدل وانصاف کے بغیر قومی و مذہبی طرفداری کے حکومت کرتی ہے سرتاپا احسان مند ہیں۔ اور ہم کو یہ ہمارے پاک اور روشن مذہب کی تعلیم ہے ہم کو اس کی احسانمندی کا ماننا اور شکر بجا لانا واجب ہے۔''** [۱]

(۴) گورنمنٹ انگریزی پر اعتبار رکھو اور اس کی طرف سے نیک دل رہو

۱۰ مئی ۱۸۸۶ء کو بمقام علی گڑھ تقریر میں فرمایا:۔

''تم کو معلوم ہے کہ ایام مفسدہ میں گورنمنٹ نے میرا خوب

[۱] مجموعہ لیکچر ہائے آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خان بہادر بلالی پریس ساڈھورہ دسمبر ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۵

امتحان کرلیاہے کہ مَیں کیسا گورنمنٹ کا خیرخواہ ہوں ۔تم سب لوگ کیا خلوت میں اور کیا جلوت میں میری اس رائے سے بخوبی واقف ہو کہ میری رائے میں جس قدر انگریزی عملداری پر طمانیت اور اس کو ہندوستان میں استقلال ہوتا جاویگا۔اور جس قدر ارتباط بڑھیگا اسی قدر ہندوستان اور ہندوستانیوں کی بھلائی اور بہبودی اور ہر قسم کی ترقی کا باعث ہوگا ۔باایںہمہ مَیں تم کو اس مجلس عام میں سمجھا تا ہوں کہ تم اپنے بیہودہ خیالات اور اوہام کا مطلق ڈرمت کرو۔گورنمنٹ کی طرف سے نیک دل رہو اور اس پر سب طرح کا بھروسہ رکھو۔۔۔۔۔میری نصیحت یہ ہے کہ گورنمنٹ کی جانب سے اپنا دل صاف رکھو اور نیک دلی سے پیش آؤ۔سب طرح پر گورنمنٹ پر اعتبار رکھو۔'' [۱]

مسلمانوں کے مذکورہ بالا لیڈروں میں برٹش گورنمنٹ کی انتہائی رنگ میں تعریف بھی کی گئی ہے اور مسلم والیان اور مسلم ممالک کی حکومتوں کا مقابلہ کرکے انگریزی راج کی تعریف اور برتری بھی بتائی گئی ہے ۔حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں لکھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حکومت برطانیہ کی تعریف کرنا اور اس کے ساتھ وفاداری کا اظہار دراصل ایک اصول کے ماتحت تھا یعنی :۔

(الف) اس حکومت نے پنجاب کے مسلمانوں کو سِکھ حکومت کے مظالم سے نجات دلائی ۔

(ب) اس نے ملک میں امن قائم کیا۔

(ج) اس نے ملک میں ضمیر کی آزادی عطا کی ۔

(د) حکومت برطانیہ کے ساتھ وفاداری اس اصول کے ماتحت تھی کہ ہر حکومت کے ساتھ تعاون ہونا چاہیئے ۔چنانچہ ہماری جماعت بارہا اعلان کرچکی ہے کہ جماعت احمدیہ جس حکومت کے بھی ماتحت ہوگی اس کی

---

[۱] مجموعہ لیکچر ہائے آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خان بہادر بلالی پریس ساڈھورہ دسمبر ۱۸۹۲ء صفحہ ۳۳۹

وفادار رہے گی ۔ کیونکہ اسلام کی یہی تعلیم ہے۔پس ہمارا حکومت برطانیہ سے قطعاً کوئی خاص رشتہ نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ہمارا تعاون ایک عام اصول کے ماتحت تھا۔اوراب جبکہ ہم پاکستان کے باشندے ہیں ہم پوری طرح پاکستان کے وفادار ہیں اس لئے حضورؑ غیر مسلموں کے اسلام پراعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اس وقت جو ہم پر قلم کی تلوار چلائی جاتی ہے اوراعتراضوں کے تیروں کی بوچھاڑ ہورہی ہے ہمارا فرض ہے کہ اپنی قوتوں کو بیکار نہ کریں اورخدا کے پاک دین اوراسکے برگزیدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے لئے اپنے قلموں کو نیزوں کو تیز کریں۔خصوصاً ایسی حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑھ کر ہم کو یہ موقع دیا کہ اس نے سلطنت انگریزی میں ہم کو پیدا کیا۔محسن کے احسان کی شکرگزاری کے اصول سے ناواقف جاہل ہمارے اس قسم کے بیانات او رتحریروں کوخوشامد کہتے ہیں مگر ہمارا خدا بہتر جانتا ہے کہ ہم دنیا میں کسی انسان کی خوشامد کرسکتے ہی نہیں ۔ یہ قوّت ہم میں نہیں ہے ۔ہاں احسان کی قدر کرنا ہماری سرشست میں ہے۔اورمحسن کشی اور غدّاری کا ناپاک مادہ اُس نے اپنے فضل سے ہم میں نہیں رکھا۔ہم گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانات کی قدر کرتے ہیں اوراسکو خدا کا فضل سمجھتے ہیں کہ اس نے ایک عادل گورنمنٹ کوسکھوں کے پُر جفا زمانہ سے نجات دلانے کے لئے ہم پر حکومت کرنے کوکئی ہزار کوس سے بھیج دیا۔اگراس سلطنت کا وجود نہ ہوتا تو مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم اس قسم کے اعتراضوں کی بابت ذرا بھی نہ سوچ سکتے ۔ چہ جائیکہ ہم ان کا جواب دے سکتے ۔'' [1]

اورفرماتے ہیں:۔

''بعض نادان مجھ پراعتراض کرتے ہیں جیسا کہ صاحب المنار

---

[1] ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۲۲۳

نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے ۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسیٰ ابن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی موت طبعی سے بمقام سری نگر کشمیر مرگیا اور نہ وہ خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا ۔ کیا انگریز مذہبی جوش والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہوں گے ۔'' [۱]

پس سُنو اے نادانو! مَیں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلوار چلاتی ہے ۔ قرآن شریف کی رو سے جنگ کرنا حرام ہے ۔ کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی ۔'' [۲]

اَور فرماتے ہیں :۔

''میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ اپنی متواتر خدمات کا اپنے حکام کے پاس ذکر بھی کروں ۔ کیونکہ مَیں نے کسی صلہ اور انعام کی خواہش سے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا ۔'' [۳]

اَور فرماتے ہیں :۔

''میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ

---

[۱] پٹر جان لارنس نے جو ۱۸۶۴ء - ۱۸۶۹ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل رہا ہے لکھا ہے :۔
''غدر کے بھڑکانے میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ برطانیہ حسب عادت اپنے مذہب کے معاملے میں بزدلی دکھاتا رہا ۔'' (پنجاب اینڈ سندھ مشنز مصنفہ رابرٹ کلارک لندن ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۹۴)
اسی طرح لورڈ لارنس نے یہ بھی کہا :۔
''کوئی چیز بھی ہماری سلطنت کے استحکام کا اس امر سے زیادہ موجب نہیں ہوسکتی کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں ۔'' (لورڈ لارنس لائف جلد ۲ صفحہ ۳۱۳)

---

[۲] کشتی نوح حاشیہ صفحہ ۶۸ طبع ہشتم
[۳] تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۱۰ ۔

خیال کرتے ہیں ۔ نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں بلکہ مَیں انصاف اور ایمان کی رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گزاری کروں ۔'' ۱؎

فتح بغداد پر خوشی

اسی شکایت کے ضمن میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ :۔

''جب پہلی جنگ عظیم میں (جس میں ترکوں کو شکست ہوگئی تھی) بغداد پر ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور قادیان میں اس فتح پر جشن مسّرت منایا گیا تو مسلمانوں میں شدید برہمی پیدا ہوئی ۔ اور احمدی انگریزوں کے پٹھو سمجھے جانے لگے ۔''

مسلمانوں کی اس شکایت کا بھی ہماری طرف سے یہ جواب ریکارڈ میں موجود ہے :۔

''خوشی کی یہ تقریب جس میں رات کو چراغاں کیا گیا اتحادیوں کی فتح اور جرمنی کی مغلوبیت کے موقع پر اس تاریخ کو منائی گئی تھی ۔ جس میں یہ تصریح کی گئی تھی کہ ۲۷ نومبر کو صوبہ پنجاب میں صلح کی خوشی میں عام تعطیل ہوگی ۔ ہر جگہ جلسے منعقد کئے جائیں گے اور خوشی منائی جائے گی ۔''

بقیہ حاشیہ وزیر ہند سر چارلس وڈ نے کہا:۔ میرا ایمان ہے ہر وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے انگلستان کے ساتھ ایک نیا رابطہ اتحاد بنتا ہے اور ایمپائر کے استحکام کے لئے ایک نیا ذریعہ ہے ۔'' (دی مشنز بائی آر کلارک مطبوعہ لنڈن صفحہ ۲۳۴)

جب کہ گورنمنٹ کے ارکان بھی عیسائیت کے ہندوستان میں استحکام کے خواہشمند تھے تو کیا ایک خوشامدی کو یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ عیسائیت کے استیصال کے لئے رات دن ایک کردے ۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے !

۱؎ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۳

اخبار الفضل ۷؍دسمبر ۱۹۱۸ء میں جماعت احمدیہ لدھیانہ کی رپورٹ شائع ہوئی جس کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

''وہ مغرور اور متکبّر سلطنت جرمنی جو آج سے چند سال پیشتر تمام دُنیا کو اپنے ظلم و استبداد کی حکومت کے ماتحت لانے کے خواب پریشاں دیکھ رہی تھی۔اس پر برطانیہ عظمیٰ اور اسکی اتحادی طاقتوں کے کامل غلبہ اور اقتدار حاصل کر لینے پر ۲۷ نومبر کی تاریخ پنجاب میں اظہارِ تہنیت اور خوشی کے لئے مقرر کی گئی تھی۔''

''اور خوشی کی کی تقریب نہ صرف احمدیوں نے بلکہ صوبہ بھر کی تمام اقوام نے منائی تھی۔''

پاکستان کی مخالفت

اس شکایت کے ضمن میں رپورٹ میں لکھا ہے کہ:۔

''ان کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے اور کہتے تھے اگر ملک تقسیم ہو بھی گیا تو ہم اسے دوبارہ متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔'' [۱]

مؤلف محاسبہ اسے اپنے الفاظ میں اس رنگ میں پیش کرتا ہے:۔

''تقسیم ملکی سے پہلے وہ پاکستان کی اسلامی مملکت کے قیام کے بھی مخالف تھے۔اور اب بھی اس امر کے خواہاں ہیں کہ ہندوستان پھر سے متحد ہو کر اکھنڈ بھارت بن جائے۔'' [۲]

فاضل ججوں نے صرف بعض تحریروں سے ایسا ظاہر ہونا لکھا ہے کیونکہ تقسیم سے پہلے کی ایسی تحریریں بکثرت موجود ہیں جن میں پاکستان کی تائید کی گئی ہے۔انہی تحریروں کی وجہ سے اس معاملہ میں احمدیوں کا مسلک بالکل ظاہر ہے اور حالات پر نظر رکھنے والے اس سے اچھی طرح واقف۔

۱؎ رپورٹ صفحہ ۲۰۹ ۲؎ محاسبہ صفحہ ۲۱

چنانچہ سیّد رئیس احمد صاحب جعفری اپنی مشہور کتاب موسومہ ''حیات محمد علی جناح''، مطبوعہ ۱۹۴۶ء میں زیر عنوان ''اصحاب قادیان اور پاکستان'' رقم طراز ہیں :۔

''اب ایک اور دوسرے بڑے فرقہ اصحابِ قادیان کا مسلک اور روّیہ پاکستان کے بارے میں پیش کیا جاتا ہے ۔حقائق ذیل سے اندازہ ہو جائیگا کہ اصحاب قادیان کی دونوں جماعتیں مسلم لیگ کی مرکزیت، پاکستان کی افادیت اور مسٹر جناح کی سیاسی قیادت کی معترف اور مداح ہیں ۔'' [۱]

سلسلہ احمدیہ کی طرف سے جو تحریریں نظریّہ پاکستان کی تائید میں لکھی گئی ہیں ان کی کثرت اور شہرت وصداقت اور ان تحریروں کے اثر و اعتبار کی حالت اور پاکستان کے متعلق ۱۹۴۶ء تک احمدیوں کے مسلک و روّیہ کی حقیقت مندرجہ بالا اقتباس سے بخوبی ظاہر ہوگئی ہے اس لئے اب ہم ان بعض تحریروں کو لیتے ہیں جن کا اُوپر ذکر آچکا ہے ۔اور وہ دو۲ ہیں ۔پہلی الفضل ۵/اپریل ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی ہے ۔اور دوسری الفضل ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء میں ۔ اور یہ دونو تحریریں حضرت امام جماعت احمدیہ کی تحریریں نہیں بلکہ آپکی تقریروں کے ناقص ملخّص ایک شخص کے اپنے الفاظ میں لکھے ہوئے ہیں جو آپ کا ڈائری نویس بھی نہیں تھا۔اور ان ملخّصوں کا ناقص ہونا آج ظاہر نہیں کیا جاتا بلکہ جس زمانے میں وہ ملخص شائع ہوئے تھے اسی زمانے کے اخبار الفضل کے پرچوں سے ظاہر ہے ۔اور یہ امر تحقیقاتی عدالت کے سامنے بھی پیش کیا جاچکا ہے ۔ پہلا ملخص جس میں یہ فقرے ہیں ۔''بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ممکن ہے کہ یہ عارضی طور پر افتراق ہو اور ہمیں کوشش کرنی چاہئیے کہ جلد دُور ہوجائے ۔'' حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس تقریر کا ناقص ملخص ہے جو آپ نے مجلس عرفان منعقدہ ۳/اپریل ۱۹۴۷ء میں فرمائی تھی اور یہ ملخص ۵/اپریل ۱۹۴۷ء کے الفضل میں شائع ہؤا تھا۔اور اسکا ناقص وغلط ہونا الفضل ۱۲/اپریل سے ظاہر ہے ۔اور اب حضرت امام جماعت احمدیہ تحقیقاتی عدالت کے روبرُو اپنی شہادت میں بھی اسکو ناقص وغلط قرار دے چکے ہیں ۔کیونکہ یہ آپکی اس مجلس عرفان والی تقریر کی مکمّل درست اور حرف بحرف لکھی ہوئی رپورٹ کے خلاف ہے جو الفضل ۱۶ اپریل ۱۹۴۷ء کے

---

[۱] حیات محمد علی جناح صفحہ ۴۷۹

صفحہ نمبر۲ پر شائع ہوئی ہے اس رپورٹ میں دونو فقرے جو اوپر نقل ہو چکے ہیں موجود نہیں ہیں بلکہ اس میں یہ لکھا ہے کہ:۔

''ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان قدرتی اتحاد ہے اور ہم جسم کے ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ہم پہلے تو یہی کوشش کریں گے کہ ہندوستان میں یکجہتی پیدا ہو ورنہ ہم مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس تحریر میں جو مکمّل ومصدّقہ ہے اور الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء کے ملخص میں جو غیر مصدّقہ اور ایک شخص کا اپنے الفاظ میں لکھا ہوا ہے جتنا فرق ہے اس سے یہ تمام تر صفائی ظاہر ہوتا ہے کہ ملخص یقیناً غیر مصدّقہ اور فی الحقیقت لکھنے والے کے اپنے ذہنی خیالات کا انعکاس ہے۔

دوسرا ملخص جس میں اسی قسم کے الفاظ ہیں جس قسم کے پہلے ملخص مندرجہ الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء کے ہیں اسی شخص کا اپنے الفاظ میں لکھا ہوا ناقص اور غلط ملخص تھا جس نے پہلا غلط ملخص لکھا تھا۔ اور اسکا ناقص وغلط ہونا بھی اسی زمانہ کے الفضل مؤرخہ ۲۱ مئی ۱۹۴۷ء سے ظاہر ہے۔ اور اب حضرت امام جماعت احمدیہ نے تحقیقاتی عدالت کے سامنے ان الفاظ میں اسکی تغلیط کر دی ہے:۔

''جو کچھ میں نے کہا اُسے بہت حد تک غلط طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جس شخص نے میری تقریر کی رپورٹ مرتّب کی یعنی منیر احمد وہ کبھی میرا ڈائری نویس نہیں رہا۔ اس بارہ میں میرے واضح صحیح خیالات الفضل مؤرخہ ۲۱ مئی ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

''اِن حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کا حق ہے کہ (وہ پاکستان کا۔ ناقل) مطالبہ کریں۔ اور ہر دیانتدار کا فرض ہے کہ خواہ اسمیں اس کا نقصان ہو مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کرے۔''

اور الفضل کا یہ پرچہ بھی (یعنی الفضل ۲۱ مئی ۱۹۴۷ء) عدالت میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اس میں سے مضمون متعلقہ کو پڑھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جماعت من حیث

الجماعت ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء سے قبل مطالبۂ پاکستان کی حمایت کررہی تھی اور وہ حمایت اس قدر ظاہر وباہر تھی کہ ہندوستانیوں کو بھی اچھی طرح اس کا علم تھا۔ یہاں تک کہ ایک ہندوستانی اخبار کو یہ لکھنا پڑا کہ احمدی آج تو پاکستان کی حمایت کررہے ہیں مگر یاد رکھیں پاکستان بننے کے بعد مسلمان ان سے وہی سلوک کریں گے جو کابل میں ان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور اسی اخبار نویس کی تحریر کا آپ نے وہ جواب دیا تھا جس کا ملخص اُوپر درج ہو چکا ہے جو ۲۱ اپریل کے الفضل میں شائع ہوا۔

خلاصہ یہ کہ الفضل ۵ اپریل ۱۹۴۷ء والفضل ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء کے اقتباسات نادرست اور غلط ہیں اور وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے خیالات اور ارشادات کا نہ یہ کہ درست مفہوم پیش نہیں کرتے بلکہ وہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے گزشتہ اور مابعد کے مسلک کے بھی خلاف ہیں۔

عدالت کے سوال پر کہ جو کچھ ۱۶ مئی کے الفضل میں شائع ہوا اور اسکی آپ نے تردید کی تھی؟ حضرت امام جماعت احمدیہ نے جواب دیا کہ جو کچھ اس میں بیان ہوا تھا ۲۱ مئی ۱۹۴۷ء کے الفضل میں اسکی تردید کردی گئی تھی۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۳ اپریل کو مجلس عرفان میں جو اظہار فرمایا اور جو الفضل ۱۲ اپریل ۱۹۴۷ء صفحہ نمبر ۲ ضمیمہ نمبر ۵ پر شائع ہوا وہ صرف اپنی زاتی رائے کا اظہار فرمایا تھا۔ کہ

اگر کسی طرح کانگرس اور مسلم لیگ میں ایسے رنگ میں مصالحت ہو جائے جس سے تقسیم کے بغیر مسلمانوں کے حقوق کا تحفّظ ہو سکے تو یہ بہتر ہے لیکن اگر ایسا کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکے تو پھر ہم یہی چاہتے ہیں کہ ملک تقسیم ہو۔ عارضی تقسیم' اکھنڈ ہندوستان کی تائید یا بعد میں دونو ملکوں کے اکٹھا کرنے کا ذکر حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس تقریر میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

اور ہم یہ بھی واضح کردینا چاہتے ہیں کہ ۳ جون ۱۹۴۷ء سے قبل کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ ہماری اوّلین خواہش ہے کہ کسی طرح کانگرس اپنی ہٹ دھرمی اور مسلم کش پالیسی سے

باز آکر مسلم لیگ کے ساتھ ایسا باعزّت سمجھوتہ کرنے پر رضا مند ہو جائے جس سے ملک کی

تقسیم کے بغیر مسلمانوں کے حقوق کا کامل تحفّظ ہو سکے ہرگز غیر طبعی اور غیر معمولی نہ تھا کیونکہ اسوقت تک خود مسلم لیگ اور قائداعظم مرحوم بھی اس امر کی انتہائی کوشش کررہے تھے کہ کانگرس کسی طرح راہِ راست پر آکر گورنمنٹ برطانیہ کی ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء والی وفاقی سکیم پر دیانتداری سے عمل کرنے کے لئے تیار ہوجائے۔ چنانچہ ''حیات محمد علی جناح'' مصنفہ سیّد رئیس احمد جعفری کے صفحہ ۸۰۹ پر لکھا ہے:۔

''قائداعظم صلح کے خواہاں تھے''

اندریں حالات حضرت امام جماعت احمدیہ کی دونوں قوموں کے مابین آخر وقت تک مصالحت کی خواہش کسی رنگ میں بھی قابلِ اعتراض قرار نہیں دی جاسکتی۔ خصوصاً اس صورت میں کہ جب آخر کار یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ کانگرس اپنی غیر معقول اور غیر مصالحانہ دوستی سے سرمو ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء کی تقریر میں واضح طور پر اس کا اعلان فرمادیا کہ ہم مطالبۂ پاکستان کی غیر مشروط طور پر تائید کرتے ہیں اور گورنمنٹ برطانیہ نے تقسیم ملک اور قیامِ پاکستان کا اعلان پہلی مرتبہ ۳ جون کو کیا تھا۔

رہا مؤلف محاسبہ کا یہ ظاہر کرنا کہ فاضل ججوں نے احمدیوں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:۔

''وہ اب بھی اس امر کے خواہاں ہیں کہ ہندوستان پھر سے متحد ہوکر اکھنڈ بھارت بن جائے۔''

یہ مؤلف محاسبہ مولانا میکشؔ کی مُنہ کی بات تو ضرور ہے لیکن فاضل ججوں کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ رپورٹ میں یہ قطعاً موجود نہیں۔ نہ انگریزی میں نہ اُردو میں۔

اسلامی اصطلاحات کا جائزہ

اِس عنوان کے ماتحت مؤلف محاسبہ لکھتا ہے :۔

''عدالت تحقیقات نے قادیانیوں کے خلاف مسلمانوں کی ایک اَور بڑی شکایت کی صحت کو بھی من وعن تسلیم کرلیا ہے کہ مرزا غلام احمدؑ نے اپنی تحریرات میں انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرت سیّد المرسلین ﷺ پر اپنی فضیلت کا اظہار کر کے مسلمانوں کی سخت دلآزاری کی ہے اور قادیانی اپنی مطبوعات میں مسلمانوں کی مقدس مصطلاحات مثلاً امیر المومنین 'ام المومنین' سیّد النساء' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو جن کا محلِّ استعمال مخصوص ہو چکا ہے اپنے اکابر کے لئے استعمال کر کے دلآزاری کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔'' [۱]

اور مؤلفین تبصرہ بحوالہ انگریزی رپورٹ صفحہ ۱۹۷ لکھتے ہیں :۔

''عدالت تسلیم کرتی ہے کہ مرزا صاحب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء کے مقابلے میں اپنی فضیلتیں جتانا اور قادیانیوں کا اپنے اکابر کے لئے وہ اصطلاحات استعمال کرنا جو مسلمان نبی ﷺ اور آپکے صحابہ اور امّہات المومنین کے لئے استعمال کرتے ہیں مسلمانوں کو ناگوار ہے اور فطرتاً ناگوار ہونا چاہئیے۔'' [۲]

مؤلفین محاسبہ وتبصرہ نے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کا ملخص ایسے رنگ میں پیش کیا ہے گویا فاضل ججوں نے تسلیم کرلیا ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے آنحضرت ﷺ پر اپنی فضیلت کا اظہار کر کے مسلمانوں کی دلآزاری کی ہے ۔اور مؤلفین محاسبہ نے تو آخری فقرہ ''اور فطرتاً ناگوار ہونا چاہئیے'' اپنی طرف سے فاضل ججوں کی طرف منسوب کردیا ہے یہ نہ انگریزی رپورٹ میں درج ہے اور نہ اسکے اردو ترجمہ میں

---

[۱] محاسبہ صفحہ ۲۰ [۲] تبصرہ صفحہ ۱۸۶

اسی طرح مؤلف محاسبہ نے جو مصطلحات کے متعلق یہ لکھا ہے کہ
احمدی ان کو ''اپنے اکابر کے لئے استعمال کر کے دلآزاری کا مرتکب
ہوتے رہے ہیں'' رپورٹ میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

مسئلہ فضیلت:۔ مسئلہ فضیلت کے متعلق تحقیقاتی عدالت میں بحث نہیں ہوئی۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ رسولوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ [۱]

یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا ہے فضّلت علی الانبیاء بست [۲] کہ مجھے انبیاء پر چھ باتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔نیز فرمایا ہے کہ اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔اور سلف صالحین کے نزدیک یہ بھی مسلّم ہے کہ ولی کو نبی پر جزئی فضیلت ہوسکتی ہے۔

ساری رپورٹ میں ساری جگہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی ایسی کوئی تحریر درج نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ پر اپنی فضیلت کا اظہار کیا ہے۔اور نہ ہی فاضل ججوں نے رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے

''اپنی تحریرات میں حضرات انبیاء کرام اور حضور سیّد المرسلین ﷺ پر اپنی فضیلت کا اظہار کر کے سخت دلآزاری کی ہے۔''

بلکہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے:۔

''اس میں شک نہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی دوسرے زندہ یا مُردہ شخص کے درمیان مقابلہ وموازنہ ہر مومن کے لئے دل آزاری کا موجب ہے۔'' [۳]

لیکن انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے رسول پاک ﷺ پر اپنی فضیلت کا اظہار کیا ہے جیسا کہ مؤلفین محاسبہ وتبصرہ نے لکھا ہے۔اور وہ یہ رائے قائم بھی نہیں کر سکتے تھے۔کیونکہ ان کے پاس ریکارڈ میں اس شکایت کا بھی تفصیلی جواب موجود تھا۔حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی بیسیوں تحریرات میں سے چند تحریریں درج ذیل

---

[۱] پارہ ۳ ع ۱   [۲] بخاری   [۳] رپورٹ صفحہ ۲۱۰

ہیں۔آپؑ فرماتے ہیں:۔

''ہم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلۂ نبوّت میں سے اعلیٰ درجہ کا جوانمرد نبی اور خدا کا اعلیٰ درجے کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں۔یعنی وہی نبیوں کا سردار،رسولوں کا فخر،تمام مرسلوں کا سردار جس کا نام محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔جس کے زیرِ سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے جو پہلے اس سے ہزاروں برس تک نہیں مل سکتی تھی۔'' [1]

اور فرماتے ہیں:۔

''نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن ۔اور تمام آدمزادوں کے لئے کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۔سو تم کوشش کرو کہ سچّی محبّت اس جاہ وجلال والے نبی کے ساتھ رکھو اور اسکے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑھائی مت دو تا کہ تم آسمان پر نجات یافتہ لکھے جاؤ۔'' [2]

اَور فرماتے ہیں ۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ۔۔۔ نام اسکا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی مَیں ہوُا ہوں ۔۔۔ وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے [3]

اَور فرماتے ہیں:۔

بر تر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے ۔۔۔ جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے [4]

ان عبارات کے قائل کے متعلق یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اپنی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شاگرد اور استاد کی بتائی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آقا،اپنا سردار اور اپنا استاد تسلیم کیا ہے اور اپنے آپکو ان کا غلام،ان کا مطیع اور شاگرد ظاہر کیا ہے۔

---

[1] سراج منیر صفحہ ۸۰ [2] کشتی نوح صفحہ ۱۳ [3] قادیان کے آریہ اور ہم [4] حقیقۃ الوحی

ایک رؤیا کا ذکر

فاضل ججوں نے رپورٹ میں ایک رؤیا کے متعلق لکھا ہے :۔

''احمدی لٹریچر میں رسول پاکؐ کے خاندان کی بعض خواتین کے متعلق جو حوالے پائے جاتے ہیں ان کے متعلق بھی ہمارا یہی خیال ہے گو اس شکایت کی ایک نظیر قلائد الجواہر میں بھی پائی جاتی ہے اور وہ شاید زیادہ متبذل ہے۔'' [۱]

یہاں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی ایک رؤیا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور قلائد الجواہر میں بھی حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی ایک رؤیا کا ہی ذکر ہے۔لیکن حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی رؤیا کے متعلق رپورٹ کے ایک دوسرے مقام پر قاضی منظور احمد کی اس اشتعال انگیزی پر:۔

''کہ اگر مرزا غلام احمدؐ کہہ دیتا کہ اس نے اپنا سر خواجہ ناظم الدین کی بیٹی کی گود میں رکھ دیا تھا تو آپ اس کا نتیجہ دیکھ لیتے اس میں مرزا غلام احمدؐ کے اس رؤیا کی طرف اشارہ ہے جس میں مرزا صاحب نے دیکھا کہ ان کا سر دُختر رسولؐ کی گود میں ہے۔لیکن ظاہر ہے کہ اس میں مرزا صاحب نے دُختر رسولؐ کا ذکر بالکل اسطرح کیا تھا جیسے کوئی اپنی ماں کا ذکر کرے۔'' [۲]

اور اس بات کا ثبوت کہ اس رؤیا میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو کسی کی دل آزاری کا باعث ہو یہ ہے کہ رؤیا سب سے پہلے براہین احمدیہ میں شائع ہوئی پھر اسکا ذکر ازالہ اوہام 'آئینہ کمالاتِ اسلام' نزول المسیح 'تحفہ گولڑویہ اور ایک غلطی کے ازالہ میں کیا گیا لیکن گزشتہ چھیالیس سال میں اِن علماء سے کسی نے اس رؤیا کو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی توہین کا باعث نہ سمجھا۔۴۶ سال کے بعد احرار نے اسکے مضمون کو محرّف و مبدّل کر کے بطور اعتراض پیش کیا۔اور اس اعتراض کا باطل ہونا رپورٹ کے اِس نوٹ میں تسلیم کیا گیا ہے۔

۱۔ رپورٹ صفحہ ۲۱۰ ۲۔ رپورٹ صفحہ ۳۶۴

اسلامی اصطلاحات کا استعمال

چونکہ مؤلفین محاسبہ اور تبصرہ نے اسلامی مصطلحات کے متعلق رپورٹ کا صحیح ملخص پیش نہیں کیا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی رپورٹ کا جو اُردو ترجمہ گورنمنٹ کی طرف سے شائع ہوا ہے اس کے اصل الفاظ یہاں درج کر دئے جائیں۔

فاضل ججوں نے مسلمانوں کی اس شکایت کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

''مسٹر عبدالرحمٰن خادمؔ نے جنہوں نے کتب قدیمہ کی تلاش وتجسّس میں بڑی محنت کی ہے اسکا جواب یہ دیا ہے۔ کہ اِن القاب میں سے اکثر بعض اولیاء کے خاندانوں میں بھی استعمال کئے جا چکے ہیں جن میں احراری لیڈر صاحبزادہ فیض الحسن کا خاندان بھی شامل ہے۔ اور دوسرے فرقوں کے لیڈروں اور پیروں کے لئے بھی یہ القاب استعمال کئے گئے ہیں جن میں ایک احراری لیڈر چوہدری افضل حق بھی ہیں۔'' [۱]

فاضل جج یہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

''یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں کہ آیا ان القاب کا استعمال جائز ہے یا ناجائز لیکن اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے جزبات ان القاب کے استعمال سے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ جو خاص اور محدود شخصیتوں کے لئے استعمال ہونے کی وجہ سے مقدّس قرار پا چکے ہیں۔'' [۲]

فاضل ججوں کی رپورٹ میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ احمدیہ جماعت یہ اصطلاحات اور القاب مسلمانوں کی دلآزاری کے لئے استعمال کرتی تھی۔ اور نہ ہی یہ لکھا ہے کہ احمدیوں کا ایسا کرنا مسلمانوں کو فطرتاً ناگوار ہونا چاہئیے۔ رپورٹ کے الفاظ اور مؤلفینِ محاسبہ وتبصرہ کے الفاظ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فاضل ججوں نے یہ صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ:۔

''یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں کہ ان القاب کا استعمال جائز تھا یا ناجائز۔''

۱؎ رپورٹ صفحہ ۲۱۰　　۲؎ رپورٹ صفحہ ۲۱۰

لیکن مسلمانوں کی شکایات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:۔

''مسلمانوں کے جزبات ان اصطلاحات کے استعمال سے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔''

فاضل ججوں کا مسلمانوں کی شکایات کے پیشِ نظر یہ نتیجہ نکالنا درست ہے لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ متاثر ہونے والے متاثر ہونے میں برحق ہیں۔یعنی ان کا متاثر ہونا معقولیت پر بھی مبنی ہے۔معقولیت کے اعتبار سے تو ان کا متاثر ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مسلمان کے اذان دینے سے کسی زمانے میں سکھوں کا متأثر ہونا اور اسکو اپنی دلآزاری کا باعث قرار دینا تھا۔

پس مؤلفین محاسبہ وتبصرہ کا یہ فرض تھا کہ وہ ان القاب کے استعمال کے ناجائز ہونے کا قران مجید یا حدیث صحیح سے ثبوت دیتے خصوصاً جبکہ اسلامی لٹریچر سے ان اصطلاحات کے استعمال کی مثالیں بھی پیش کردی گئیں تھیں۔مثلاً:۔

(۱) صحابی کی اصطلاح کے متعلق بحوالہ جواہر الاسرار اور بحوالہ اقتراب الساعۃ ایک حدیث پیش کی گئی تھی جس میں مہدی کے پیروؤں کو اصحاب کہا گیا ہے۔اور اقتراب الساعۃ صفحہ نمبر ۹۵ میں ان کے متعلق ''قدم بہ قدم رجال صحابہ کے'' لکھا ہے۔اور صحیح مسلم کی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے آنیوالے مسیح کے ساتھیوں کے لئے ''اصحاب'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

(۲) امیر المؤمنین۔مولانا محمدؒ زکریا شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے اپنی کتاب ''مقدمہ اوجز المسالک'' شرح مؤطا امام مالک کے صفحہ۴ پر امام مالک رضی اللہ عنہ کو فن حدیث میں ''امیر المومنین'' لِکھا ہے۔اور تہذیب التہذیب جلد۴ صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ حیدرآباد دکن میں حضرت حافظ ابن حجر العسقلانی، امام شعبہ اور امام ابن معین وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فنِّ حدیث میں ''امیر المؤمنین'' ہیں۔اور پروفیسر الیاس برنی نے اپنی کتاب ''قادیانی مذہب'' مطبوعہ اشرف پرنٹنگ پریس لاہور بار ششم کے صفحہ ۳۰ میں نظام صاحب دکن کو ''امیر المؤمنین'' کے لقب سے ملقب کیا ہے۔

(۳) اُمّ المؤمنین ۔غوث الاعظم حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کے لئے ان کے پیروؤں نے ''ام المؤمنین'' کا لقب استعمال کیا۔ [۱]

اسی طرح ارشادات فریدی جزودوم صفحہ ۹۱ مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۲۴ھ میں حضرت خواجہ قطب جمال الدین ہانسویؒ کی اہلیہ محترمہ کو''ام المؤمنین'' قرار دیا ہے۔

(۴) رضی اللہ عنہ ۔ان اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح جس کے استعمال سے شکایت کرنے والوں کی بقول ان کے دلآزاری ہوتی ہے''رضی اللّٰہ عنہ'' ہے جس کے معانی ہیں اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو۔شکایت کنندگان یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک بنا برنصِ قرآنی ''رضی اللہ عنہ'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے مخصوص ہے۔حالانکہ قرآنی آیات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی ان الفاظ کا استعمال صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

والسابقون الاوّلون من المھاجرین والانصار والّذین ا تّبعو ھم با حسانٍ رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ۔ [۲]

یعنی جن لوگوں نے سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی۔اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ انکی پیروی کی خدا ان سے راضی اور وہ خدا سے راضی ہیں۔

مفسرین نے **والّذین ا تّبعُو ھم با حسانٍ** کے یہی معنے لکھے ہیں۔کہ نیکی کے ساتھ پیروی کرنیوالوں سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو قیامت تک انکے نقش قدم پر چلیں گے۔ [۳]

پس اِس آیت سے ثابت ہے کہ رضی اللّٰہ عنھم کا استعمال صرف صحابہؓ کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ قیامت تک کے تمام وہ مسلمان جو صحابہؓ کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔اور ان

---

[۱] ملاحظہ ہو مناقب غوثیہ صفحہ ۱۸ مصنفہ شیخ محمد صادق بحوالہ گلدستہ کرامات مصنفہ غلام سرور لاہوری مطبوعہ ۱۲۷۷ھ [۲] توبہ ع ۱۳ [۳] ملاحظہ ہو تفسیر جلالین وتفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک التنزیل وتفسیر حسینی وغیرہ

کی سچّی پیروی کریں گے وہ سب رضی اللہ عنہم کے مصداق ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ان الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک هم خیر البریّة ٥ جزآؤهم عند ربهم جنّٰت عدنٍ تجری من تحتها الانهٰر خٰلدین فیها ابداً رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه ذٰلک لمن خشی ربّه ٥ .[1]

کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اُن کی جزاء ان کے رب کے پاس ہے۔ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اور یہ مقام ہر اُس شخص کے لئے ہے جو اپنے دل میں اپنے ربّ کی خشیت رکھتا ہے۔

علاّمہ ابوالسعودؒ اپنی تفسیر قرآن میں اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''ذٰلک ای ماذکر من الجزاء والرضوان .''

یعنی جو نیک بدلہ اور رضائے الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے ہر اس شخص کو حاصل ہوگا جو خدا تعالیٰ کی خشیت رکھتا ہے۔

اِن آیات کی موجودگی میں کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ'' رضی اللّٰه عنه'' کی اصطلاح بنا بر نصِّ قرآنی حضرت رسول کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے لئے مخصوص ہے۔ ان کی پَیروی کرنے والے اس سے محروم ہیں۔

مندرجہ ذیل حوالوں سے ثابت ہوتا کہ۔

''رضی اللّٰه عنه'' کے الفاظ نیک بزرگوں کے حق میں ہمیشہ استعمال ہوتے رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتاب الیواقیت والجواہر میں یہ الفاظ سینکڑوں مرتبہ غیر صحابہ کرامؓ کے حق میں استعمال ہوئے ہیں:۔

---

[1] البیّنہ ع ۱

(الف) حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' ایک صفحہ میں تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ [1]

(ب) الشیخ الامام ناصر الدین القانی المالکی رضی اللہ عنہ [2]

(ج) امام شافعی رضی اللہ عنہ [3]

(د) الشیخ ابوطاہر المدنی رضی اللہ عنہ [4]

(ح) کتاب الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر برحاشیہ الیواقیت جلد ا صفحہ ۳۸ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور صفحہ ۳ پر حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

(ط) کتاب قلائد الجواہر میں حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ اور دوسرے بزرگوں کے لئے رضی اللّٰہ عنہ سینکڑوں مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اور ''فتوح الغیب'' کا تو ہر مقالہ قال رضی اللّٰہ عنہ سے شروع کیا گیا ہے۔ یعنی حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا۔

اسی طرح ہر زمانے میں ان الفاظ کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ اور اگر ان کے استعمال کا شمار کیا جائے تو اسکی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہو جائے گی۔ موجودہ زمانے میں بھی انکا استعمال موجود ہے۔

دوسرے لوگوں سے قطع نظر خاص ان لوگوں کے بزرگوں کے لئے بھی ''رضی اللّٰہ عنہ'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو ان کا استعمال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے سوا کسی کے لئے انکا استعمال ممنوع و ناجائز اور اپنی دل آزاری اور جزبات کے مجروح ہونے کا سبب بتاتے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) رسالہ تبیان دادو والی شریف ضلع گوجرانوالہ بابت ماہ فروری ۱۹۵۴ء کے صفحہ ۹ پر سیّد فیض الحسن صاحب آلومہاری کے پردادا کے لئے سیّد چنن شاہ رضی اللہ عنہ اور اسکے صفحہ ۱۲ پر سیّد امین شاہ رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

(۲) اور رسالہ وصایا شریف کے ٹائیٹل پیج پر بخط جلی مولانا احمد رضا خان

---

[1] الیواقیت والجواہر جلد ا صفحہ ۶ [2] الیواقیت والجواہر جلد ا صفحہ ۶ [3] ایضاً صفحہ ۲ [4] ایضاً صفحہ ۳

بریلوی کے لئے حضور پُرنور اعلےٰ حضرت رضی اللہ عنہ مرقوم ہے۔اور صفحہ۲‘۳‘۱۰پر اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ اور صفحہ ۲۷ پر حضور پُرنور قبلہ اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیخ الاسلام والمسلمین لکھا گیا ہے۔اور یہ حضور پُرنور اعلیٰ حضرت قبلہ اور رضی اللہ تعالےٰ عنہ صحابہ کرام تو کیا تابعین میں سے بھی کسی کے لئے نہیں لکھے گئے ۔ بلکہ ابوالحسنات مولانا سیّد محمدؒ احمد قادری صدر جمیعتہ العلمائے پاکستان اور انکے والد بزرگوار کے پیرومرشد کے لئے لکھے گئے ہیں۔

پس کیا مؤلف محاسبہ ومؤلفینِ تبصرہ کے نزدیک اِن الفاظ واصطلاحات کا استعمال صرف ان کے اوران کے ہم عقیدہ وہم خیال لوگوں کے لئے جائز ہے اور باقی سب کے لئے ممنوع ۔اوراگر غیر انہیں استعمال کریں تو دلآزای کا باعث ہوگا؟

احمدی افسر

مؤلفین محاسبہ وتبصرہ لکھتے ہیں:۔

’’عدالت نے یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ احمدی سرکاری افسر اور ملازم دوسروں کا مذہب تبدیل کراتے رہے ہیں۔‘‘ [۱]

رپورٹ کے الفاظ اس بارہ میں یہ ہیں:۔

’’احمدی افسروں اور عہدیداروں کے متعلق صدر مقام کواس اطلاع کا موصول ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کواحمدی فرقے میں داخل کیا۔لیکن مرکزی حکومت کے سرکاری اعلان مؤرخہ ۱۴ اگست ۵۲ء کے بعدامام جماعت احمدیہ نے ایک ہدایت نامہ جاری کر کے ان تبلیغی سرگرمیوں کوروک دیا تھا۔‘‘ [۲]

اسی طرح رپورٹ میں ایک دوسرے مقام پرلکھا ہے:۔

---

[۱] محاسبہ صفحہ ۲۳ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۱۰

''احمدی افسروں نے لوگوں کو احمدی بنانے کی مہم میں ازسرتاپا مصروف ہو جانا اپنا مذہبی فریضہ خیال کیا۔ان کے اس رویّہ کی وجہ سے احمدیوں کواس امر کا حوصلہ ہوُاکہ جہاں کہیں انہیں افسروں کی حمایت حاصل تھی یاحاصل ہونے کی توقع تھی وہاں اپنے مقصد کے حصول میں زورشور سے مصروف ہو جائیں۔ہمیں پورایقین ہے کہ اگر ضلع منٹگمری کا حاکم اعلیٰ احمدی نہ ہوتا تو احمدیوں کو ہرگز جرأت نہ ہوتی کہ غیر احمدی دیہات کے علاقے میں کھلم کھُلا اپنے تبلیغی مشن پر روانہ ہو جاتے۔'' [۱]

احمدی افسروں کے متعلق صدر مقام کو جو اطلاع موصول ہوئی اسکے متعلق تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کون افسر تھے' جنہوں نے خلافِ اصولِ احمدیت اپنی سرکاری پوزیشن کا ناجائز استعمال کرکے دوسروں کواحمدی فرقہ میں داخل کیا۔لیکن حکومت پاکستان کے سرکاری اعلان کی توضیح میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے جو بیان دیا تھااس میں انہوں نے پوزیشن کوواضح کردیا تھا۔آپ نے فرمایا:۔

''مَیں ان تعلیماتِ اسلامی کے مطابق جوقرآن میں مندرج ہیں اور جن کانمونہ رسول پاکؐ کی حیات طیّبہ میں موجود ہے۔ایک مسلمان کی حیثیت سے آزادیٔ ضمیر پر پورااعتقادرکھتا ہوں۔میرے خیال میں سرکاری اثر ونفوذ کا استعمال بھی براہِ راست دباؤ یا تشدّد ہی کی مانند آزادیٔ ضمیر میں مداخلت کاحکم رکھتا ہے۔۔۔۔۔مَیں اِس امر کوخلافِ دیانت اور خلافِ تعلیمات اسلامیہ سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے سرکاری عہدہ واختیار کو بالواسطہ یا بلا واسطہ استعمال کرکے اپنے مذہبی عقائد کو دوسروں پر زبردستی منڈھ دے یااسی قسم کے اثر ونفوذ سے کام لے کر کسی شخص کو اسکے حقیقی عقائد کے ترک پر مجبور کرے۔مَیں جس جمات سے تعلق رکھتا ہوں اس میں اِس اصول کی وسیع تعلیم دی جاتی ہے اوراس کو مسلّمہ اصول سمجھا جاتا ہے۔اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ اس جماعت کا کوئی فرد اس صحیح اور مفید اصول کی خلاف ورزی کررہا ہے تو مجھے یقیناً بیحد حیرت اورانتہائی اذیّت ہوگی۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۸۰

اس معاملے کا ایک اَور پہلو بھی ہے ۔جس جماعت کے خلاف بعض حلقے جو عظیم اکثریت ہونے کے دعوید ار ہیں ۔ برابر غلط بیانی اور جبر وظلم میں مصروف ہیں ۔۔اس جماعت کے ارکان اس قسم کے طور طریقے اختیا ر ہی نہیں کر سکتے ۔ جب انہیں ایسی باتوں کے لئے اتہام‘ استہزاء اور نفرت کا نشانہ بنایا جارہاہے جو ان کے عقائد میں بھی شامل نہیں ۔اور جن پر انہوں نے کبھی عمل بھی نہیں کیا ۔تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ان طور طریقوں کو اختیار اور استعمال کرنا شروع کر دیں گے جو نہ صرف اسلام کے بلکہ عقل صحیح کے بھی خلاف ہیں ۔اور جن سے ان کا مقصد ہی فوت ہو جائیگا۔ پھر ایسی حالت میں وہ شدید سزا اور شدید مذمّت سے بچنے کی کیونکر توقع رکھ سکتے ہیں ۔‘‘ [1]

ڈپٹی کمشنر منٹگمری

فاضل ججوں نے ڈپٹی کمشنر منٹگمری کا جو احمدی تھے ۔خاص طور پر ذکر کیا ہے ۔کہ اگر وہ وہاں حاکم اعلیٰ نہ ہوتے تو احمدیوں کو ہرگز یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ غیر احمدی دیہات کے علاقے میں کھُلم کھُلا اپنے تبلیغی مِشن پر روانہ ہو جاتے ۔ہم فاضل ججوں کی رائے کا پورا احترام کرتے ہوئے یہ ظاہر کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ چونکہ یہ امر عدالت میں موضوع بحثِ نہیں بنایا گیا۔اس لئے اس کا مالہ وماعلیہ فاضل ججوں کے سامنے نہیں آسکا ورنہ دوسرے ضلعوں میں بھی جہاں غیر احمدی ڈپٹی کمشنر تھے اس یوم تبلیغ پر احمدی غیر احمدی دیہات میں تبلیغ کے لئے گئے تھے ۔مثلاً :۔

جماعت احمدیہ دھیرو چک نمبر ۳۳۴ ضلع لائلپور میں افراد جماعت کے دو گروپ بنائے اور وہ علیحدہ علیحدہ گاؤں میں گئے ۔

علی پور ضلع مظفر گڑھ میں جملہ احباب جماعت کے سات گروپ بنا کر اور ان کو ٹریکٹ وغیرہ دے کر ملحقہ دیہات میں بھیجا گیا ۔تمام احباب سارا دن تبلیغ میں مصروف رہے ۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۳۰-۱۲۹

گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ کی جماعت نے افرادِ جماعت کے دو گروپ بنائے۔ ایک گروپ زیرِ قیادت چوہدری عطاء اللہ صاحب اپنے گاؤں کے شمال مغرب کی طرف کوٹ گوندل، شیر پور، کوٹلی تارڑاں اور کوٹ مٹواں میں سے ہوتا ہؤا تقریباً چار بجے بعد دوپہر فریضہ تبلیغ ادا کر کے واپس لوٹا۔

قلعہ صوبا سنگھ کی جماعت نے افرادِ جماعت کے آٹھ وفد بنا کر بارہ دیہات میں بھیجے۔ دیہاتی احباب نے دلچسپی سے تبلیغ کو سُنا۔

اسی طرح قصور ضلع لاہور اور ڈیرہ اسماعیل خان کی جماعتوں نے کیا۔[۱] لیکن کسی جگہ بھی فساد نہ ہؤا۔ پس تحصیل اوکاڑہ میں فساد کا اصل باعث احرار کی وہ تقریریں تھیں جن میں بلالحاظ قانون حد درجہ اشتعال انگیزی کی گئی تھی اور احمدیوں کے قتل کی ترغیب دلائی گئی تھی۔

''خونی مُلّا کے آخری دن''

اِس عنوان کے ماتحت جو مضمون الفضل مؤرخہ ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع ہؤا اور جسے فاضل ججوں نے اشتعال انگیز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں مولانا احتشام الحق اور مولانا محمد شفیع جیسے علماء کا ذکر تحقیر آمیز پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ یہ ایک احمدی دوست کا لکھا ہؤا ہے۔ اور محاسبہ اور تبصرہ کے مؤلفین نے خاص طور پر ججوں کے حوالے سے اسکے اشتعال انگیز ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مگر افسوس کہ دونوں کتابوں کے مؤلفین نے رپورٹ سے اس مضمون کے متعلق فاضل ججوں کی مکمّل رائے نقل نہیں کی۔ اور اسکا یہ ضروری حصہ چھوڑ دیا ہے:۔

> ''لیکن اس مضمون کے متعلق ایک بات قابل ذکر ہے کہ یہ اس وقت لکھا گیا ہے جب آل مسلم پارٹیز کنونشن (کراچی) اور آل مسلم پارٹیز کنونشن (لاہور) اپنی اپنی مجلس عمل مرتّب کر چکی تھی۔ ان میں پانچ مذکورہ بالا علماء شامل تھے۔ اور احمدیوں کو ایک غیر مُسلِم اقلیت قرار دلانے کی مہم کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ لہذا یہ مضمون جذبۂ انتقام کے ماتحت لکھا گیا تھا۔''[۲]

[۱] ملاحظہ ہو الفضل ۲۷/اکتوبر ۱۹۵۰ء [۲] رپورٹ صفحہ ۲۱۱

کیا دیانتداری کا تقاضہ نہ تھا کہ مؤلفین محاسبہ وتبصرہ اس مضمون کے متعلق فاضل ججوں کی رائے کے اس حصّہ کا بھی ذکر کرتے ۔جس میں فاضل ججوں نے اس مضمون کے لہجہ کی شدّت کی اصل وجہ جزبۂ انتقام قرار دیا ہے ۔اس وجہ سے کہ علماء احمدیوں کو غیر مُسلِم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرر ہے تھے۔

علاوہ ازیں جیسا کہ فاضل ججوں نے بھی رپورٹ میں اشارہ کیا ہے مضمون نگار نے ''ملاّ کی موت'' سے قائد اعظم مرحوم کے اصولِ اتحاد کی فتح مراد لی ہے چنانچہ اس مضمون میں قائد اعظم کا یہ اصول (وہ تمام لوگ جو اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں ۔اورجن کواغیار مسلمان سمجھ کران سے یکساں سلوک کرتے ہیں ۔ایک ہی محاذ پر جمع ہو جائیں) پیش کر کے لکھا ہے:۔

> ''جب یہ اصول تمام دُنیا میں پھیل جائے گااور اچھی طرح جڑ پکڑ جائیگا تو خونی ملاّ آپ اپنی موت مر جائیگا۔اسی طرح جس طرح مصر کا سرکاری ملاّ مفتی الشیخ حسنین مخلوف اپنی موت آپ ہی مرگیا۔اسی طرح پاکستان کا خونی ملاّ بھی اپنی موت مرنے کے لئے کھڑا ہوگیا ہے۔مفتی مصر بھی پاکستان کے ذریعہ ہی مرا ہے اور یہ تمام ملاّ بھی پاکستان کے ذریعہ ہی مریں گے ۔کیونکہ اتحاد کا اصول پاکستان کا بنیادی اصول ہے۔اور یہی اصول ملاّ کی موت کا پیغام ہے۔''

دوسری قابلِ اعتراض تقریریں

فاضل ججوں نے احمدیوں کے خلاف دوسری جماعتوں کی اس شکایت کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ احمدیہ عقائد کی تبلیغ کے لئے جارحانہ پروپیگنڈا کرتے ہیں ۔اوراسی شکایت کے سلسلے میں تین تقریروں کا حوالہ دیا گیا ہے:۔

(۱) چودھری ظفراللہ خان کی تقریر جوانہوں نے ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں کی ۔

(۲) مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ کی کوئٹہ والی تقریر جوالفضل ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء

میں شائع ہوئی۔

(۳) ان کا وہ خطبہ جو ۱۹۵۱ء کے کرسمس میں انہوں نے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا۔اور جو الفضل مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع کیا گیا تھا اس خطبہ میں انہوں نے اپنے پیرووں سے پُر زور اپیل کی تھی کہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز کر دیں۔تا کہ جو لوگ اب تک منکر رہے ہیں وہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک احمدیت کی آغوش میں آجائیں۔

(۴) ایک اور خطبے کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو الفضل مؤرخہ ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا اور جس میں احمدیوں کو ترغیب دی گئی تھی کہ صرف ایک محکمے یعنی فوج ہی میں جمع نہ ہو جائیں بلکہ تمام دوسرے محکموں میں بھی پھیل جائیں۔ [1]

یہاں تک تو فاضل ججوں نے دوسرے مسلمانوں کی احمدیوں کے خلاف شکایت درج کی ہے۔البتہ دوسری جگہ نمبر ۲۔۳ کے متعلق اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔یہاں ہم نمبروار ان چاروں حوالوں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔کیونکہ دونوں کتابچوں یعنی محاسبہ اور تبصرہ میں ان کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر کے متعلق مؤلف محاسبہ لکھتے ہیں :۔

''اس تقریر کا اور اس سے پیدا ہونے والے ہیجان اور ہنگاموں کا جامع تذکرہ فاضل جج صاحبان کی طرف سے کسی قسم کے تبصرے کے بغیر موجود ہے۔'' [2]

رپورٹ میں جہاں اس تقریر کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس تقریر کا لب لباب بھی دیا گیا اور وہ یہ ہے :۔

''چودھری ظفر اللہ خاں نے اس عنوان پر تقریر کی کہ 'اسلام زندہ مذہب ہے'۔ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے اسلام کی برتری اور ختمیت

---

[1] رپورٹ صفحہ ۲۱۳ [2] محاسبہ صفحہ ۲۶

کے مسئلہ پر یہ ایک فاضلانہ تقریر تھی۔مقرر نے واضح کیا قرآن آخری الہامی کتاب ہے۔جس میں عالمِ انسانیت کے لئے آخری ضابطہ حیات مہیا کیا گیا ہے کوئی بعد میں آنیوالا اس کو منسوخ نہیں کرسکتا۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن ہیں جنہوں نے عالَمِ انسانی کو آخری پیغام پہنچایا۔'' [۱]

یہ ہے چودھری ظفراللہ خان صاحب کی تقریر کا خلاصہ جو فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے اور اس تقریر پر ہنگامہ اور فساد برپا کیا گیا۔

اور صرف اسی دن نہیں بلکہ رپورٹ سے ظاہر ہے کہ ۱۷مئی کے جلسہ میں بھی گڑبڑ پیدا کرنے کی غرض سے حاضرین پر پتھر پھینکے گئے۔پندرہ کانسٹبلوں کے چوٹیں آئیں بلوائیوں کا ایک گروہ شیزان ہوٹل میں جس کے مالک احمدی ہیں پہنچا۔اسکی کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے' عمارت کو آگ لگانے کی کوشش کی۔اسی طرح احمدیہ فرنیچر کی دکان کو بھی آگ لگانے کی کوشش کی۔بلوائیوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہم احمدیوں کا جلسہ نہیں ہونے دیں گے۔اسی لئے ان بلووں کے بعد چیف کمشنر کراچی نے ایک کانفرنس منعقد کی جس میں انہوں نے اپنی انتظامی پالیسی کی یہ تصریح کی کہ:۔

> ''پاکستان کے ہر شہری کو مذہبی عقائد کی آزادی حاصل ہے۔اور اگر آئندہ اس آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔'' [۲]

اور اخبار جنگ کراچی نے لکھا کہ کمشنر نے کہا:۔

> ''ہجوم کا رویّہ بہت قابل اعتراض تھا اور وہ اپنے اس رویّہ کا کوئی جواز نہیں پیش کرسکتے۔یہ ضروری ہے کہ ہر پاکستانی کو قانون کی حد میں رہتے ہوئے اپنے مذہبی اعتقادات پر عمل کرنے کے پوری آزادی حاصل ہے۔''

کمشنر نے بتایا کہ:۔

> ''ان کے جلسے سے کئی روز قبل اس قسم کے تار آئے تھے کہ جلسے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۷۷ [۲] رپورٹ صفحہ ۷۸

میں گڑبڑ ہوگی ۔مسٹر نقوی نے کہا کہ غنڈوں اور کرایہ کے آدمیوں کے ذریعہ ہنگامہ کرایا گیا۔'' ؎۱

اسی طرح ڈان مؤرخہ ۲۰ مئی ۱۹۵۲ء وسندھ آبزرور ۲۰ مئی ۵۲ء وسول ملٹری گزٹ کراچی ۱۹ مئی ۵۲ء وغیرہ اخبارات نے اس ہنگامہ کی سخت مذمّت کی ۔اوران کے فعل کو غیرمہذبانہ اورغیرشریفانہ قرار دیا اور پاکستان میں ہرفرقہ کو جوآزادی کا حق حاصل ہے اسکی حمایت کی ۔

پس حقیقت یہ ہے کہ احمدیوں کے اس جلسہ میں فساد کرنے والے عوام جن کی پُشت پناہی علماء کررہے تھے مورِدِالزام تھے ۔

(۲) کوئٹہ والے خطبہ میں جو۱۳راگست ۱۹۴۸ء کے الفضل میں شائع ہوا ہے جماعت کوتبلیغ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔آپ فرماتے ہیں :۔

''خداتعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمانہ میں لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہےاورآپ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپکی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچادے گا۔'' ؎۲

اس سے ثابت ہوا کہ امام جماعت احمدیہ نے اس خطبہ میں جماعت کوئٹہ کوتبلیغ کی اہمیت بتاتے ہوئے بلوچستان میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ دلائی ہے ۔اور خطبہ میں جو (Base) کا ذکرآیا ہے جس کو باعث اشتعال بنایا گیا۔اس سے تبلیغی Base مراد ہے۔

چنانچہ خطبہ میں تبلیغ کی وسعت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے:۔

''تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ہماری بیس (Base) محفوظ نہ ہو ۔بیس (Base) محفوظ ہوتو پھرتبلیغ پھیلتی ہے۔ پہلے اپنی بیس (Base) بنالوکسی ملک میں ہی بنالو۔''

چنانچہ یہی Base کا لفظ آپ تقسیم ہند سے قبل بھی استعمال کرتے رہے ۔آپ نے ایک تقریر میں فرمایا:۔

''ہم نے ہندوستان کوتبلیغ اسلام کے لئے (Base) بنانا ہے

؎۱ جنگ کراچی ۲۱رمئی ۱۹۵۲ء ؎۲ الفضل ۱۳راگست ۴۸ء صفحہ ۴ کالم ۳

خدا کرے ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو جائے اور وہ احمدی ہو جائیں تو ہم تھوڑے سے عرصہ میں ہندوستان کو اپنا Base بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ اسوقت تو ہماری تھوڑی سی جماعت کے لئے اتنی بڑی آبادی کو تبلیغ کرنا ایک وقت چاہتا ہے لیکن ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان احمدی ہو جائیں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ایک احمدی کے حصّہ میں تین ہندو تبلیغ کے لئے آئیں گے۔'' [۱]

(۳) مندرجہ ذیل حوالہ کو بھی فاضل ججوں نے حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

''اسی طرح جب انہوں نے اپنے پیروؤں کو یہ ہدایت کی کہ تبلیغ احمدیت کے پروپیگنڈا کو تیز کر دیں تا کہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک پُوری مسلم آبادی احمدیت کے آغوش میں آجائے۔ تو گویا مسلمانوں کو تبدیل مذہب کے متعلق سرگرمیوں کا کھلا نوٹس دے دیا۔'' [۲]

اس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ججوں کے نوٹس میں یہ امر نہیں آیا کہ یہ نوٹ حضرت امام جماعت احمدیہ کا نہیں ہے۔ گو مولانا مودودی صاحب نے اپنے تحریری بیان میں اس حوالہ کا ذکر ایسے رنگ میں کیا ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا سمجھا جائے۔ ہم نے ان کے تحریری بیان کے جواب میں جو عدالت میں داخل کر دیا گیا تھا لکھدیا تھا۔

''مولانا مودودی صاحب نے الفضل ۱۶؍جنوری ۱۹۵۲ء کے الفضل سے جو حوالہ پیش کیا ہے وہ احمدی نوجوانوں کی مجلس کے مہتمم تبلیغ کے ایک نوٹ سے ماخوذ ہے جس میں نوجوانوں کو تبلیغ کرنے کے لئے ترغیب دلائی گئی ہے اور لکھا ہے کہ انہیں تبلیغی فریضہ کو ایسے رنگ میں ادا کرنا چاہئیے کہ کثرت سے لوگ احمدیت میں داخل ہو جائیں اور مخالف محسوس کرنے لگیں کہ احمدیت مٹائی نہیں جاسکتی۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو لوگوں کے لئے اشتعال یا تشویش کا باعث ہو۔ ہر

---

[۱] الفضل ۱۲؍اپریل ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۳ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۸۰

جماعت اپنی جماعت کو بڑھانے کے لئے جائز کوشش کرسکتی ہے۔''

اپنے آپکو حق پر سمجھنے والی جماعت یہ کہا کرتی ہے کہ حق دنیا میں پھیلے گا اور لوگ اسے قبول کریں گے۔قرآن مجید کی مکّی سورتوں میں فتح اور غلبہ کی پیشگوئیاں موجود ہیں۔اور جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً مکّی آیت ہے۔جس کے یہ معنے ہیں کہ حق آ گیا اور باطل شکست کھا کر بھاگ گیا اور باطل تو ہمیشہ سے بھگوڑا ہے۔

قابلِ اعتراض بات تو صرف یہ ہے کہ آیا کوئی جماعت اپنے عقائد کی اشاعت کے لئے جبر واکراہ اور تشدّد کو تو استعمال نہیں کرتی۔

(۴) یہ حوالہ بھی مولانا مودودی صاحب نے اپنے تحریری بیان میں لکھا تھا۔جس کا یہ جواب دیا گیا تھا:۔

''اس خطبہ میں جماعت کی اقتصادی بہبودی اور جماعت میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین پیدا کرنے اور مختلف محکموں میں اپنے حقوق محفوظ کرنے اور مخالفین کے شر سے بچنے کے لئے جماعت کو توجہ دلائی گئی ہے۔

اور اس خطبہ میں نوجوانوں کو بھیڑ چال کی طرح ایک ہی محکمہ میں چلے جانے سے منع کیا تھا۔تا دوسروں کو ان پر اعتراض کا موقع نہ ملے۔''

تنظیم کی شکایت

ایک شکایت یہ کی گئی ہے کہ ''احمدی متحد و منظّم جماعت ہیں۔ان کا صدر مقام ایک خالص احمدی قصبے میں واقع ہے۔جہاں ایک مرکزی تنظیم واقع ہے۔''[۱] اسی شکایت کے متعلق فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''احمدی اس تنظیمی بندوبست کو اس بناء پر جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر جماعت جس کے سامنے ایک قطعی مقصد حکمت عملی اور لائحہ عمل موجود ہے۔اسکو حق حاصل ہے کہ اپنے معاملات کو اپنے طریقے

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۱۱

پر منظّم کرے تا کہ بہترین نتائج پیدا ہوں۔'' ؎۱

مؤلف محاسبہ نے تنظیم کے متعلق اپنے کتابچہ میں شکایت کے الفاظ دہرا دیئے ہیں جو رپورٹ میں فاضل ججوں نے درج کئے ہیں اور مؤلفینِ تبصرہ نے اس شکایت کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ خود ان کی اپنی تنظیم موجود ہے۔ انکی تنظیم میں امیر کا مقام یہ ہے۔ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

''آپکو معلوم ہے کہ جس نظریئے پر جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس کی رُو سے تمام معروف کاموں میں بالخصوص امیر جماعت یا اپنے مقامی امیر کے احکام ومنشاء سے بے اعتنائی برتنا ویسا ہی گناہ ہے جیسے کہ خدا اور رسول کے احکام ومنشاء سے بے اعتنائی برتنے کا گناہ ہوتا ہے۔ وہ امیر شرعی اور آپ کے لیڈر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انجمن کے صدر نہیں کہ جنہیں محض انجمن کے انتظامی کاموں کے لئے ان پر چُن لیا گیا۔'' ؎۲

فرقان بٹالین

جب جنگ کشمیر کو پاکستان کی موت وحیات کا خیال کیا جا رہا تھا اور مولانا مودودی صاحب پاکستانیوں کے لئے جنگ کشمیر میں حصّہ لینا ازروئے شریعت حرام قرار دے رہے تھے۔ ان حالات میں جماعت احمدیہ نے کشمیر کے محاذ پر لڑنے کے لئے ایک بٹالین تیار کر کے دی۔ جس کی ٹریننگ پاکستانی فوج کے ذریعہ ہوئی اور کشمیر کی لڑائی ختم ہونے پر کمانڈر انچیف نے فرقان بٹالین کے ممبروں کو فارغ کرتے ہوئے اِن الفاظ میں ان کے شاندار کام کی تعریف کی:۔

کشمیر محاذ کا ایک حصّہ آپکے سپرد کیا گیا۔ اور آپ نے تمام توقعات کو پورا کر دکھایا۔ جو اس ضمن میں آپ سے کی گئی تھیں۔ دشمن نے ہوا سے اور زمین سے آپ پر شدید حملے کئے۔ لیکن آپ نے ثابت قدمی

؎۱ رپورٹ صفحہ ۲۱۱ ؎۲ روداد جماعت اسلامی حصّہ چہارم صفحہ ۵۱

اوراولوالعزمی سے اس کا مقابلہ کیا اورایک انچ زمین اپنے سے نہ جانے دی۔

آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا۔اور تنظیم کا جزبہ بھی بہت قابلِ تعریف۔اب جب کہ آپ کا مشن مکمّل ہو چکا ہےاورآپ کی بٹالین تخفیف میں لائی جارہی ہے۔مَیں اس قابلِ قدر خدمت کی بناء پر جوآپ نے وطن کی سرانجام دی ہےآپ میں سے ہرایک کا شکریہ ادا کرتاہوں۔‘‘

چونکہ احراری اورمولانا مودودی صاحب کے ہم عقائد پاکستان کے دل سے مخالف ہیں اس لئے ان کا فرقان بٹالین کومورِدِاعتراض اورجائز شکایت قرار دیناطبعی امر ہے۔

رشتہ ناطہ‘ نماز ومسئلۂ تکفیر

ایک شکایت غیراحمدیوں نے یہ کی ۔کہ احمدی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ یا ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے یا اپنی لڑکیاں انکو نکاح میں نہیں دیتے ۔اور یہ کہ دوسرے مسلمانوں کوایسا کافر سمجھتے ہیں جو دائرۂ اسلام سے خارج ہیں ۔رشتہ ناطہ اورنماز کے متعلق فاضل ججوں نے رپورٹ میں احمدیوں کا یہ موقف لکھاہے:۔

’’کہ غیراحمدی کے ساتھ لڑکی کا نکاح ہمارے نزدیک کالعدم یا ناجائز نہیں ہے ۔لیکن لڑکی کے مفاد کے پیشِ نظراس کے والدین کو یہی مشورہ دیاجاتاہے کہ اس کے لئے اپنی جماعت میں شوہر تلاش کریں۔اس سلسلے میں دوسرے فرقوں اورجماعتوں کی مثالیں دی گئی ہیں۔جواسی طریق پرعمل کرتی ہیں ۔مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے الزام کا جواب بھی یہی دیا جاتاہے کہ دوسرے فرقے بھی اسی امتیاز پر عامل ہیں۔‘‘ [۱]

رضاخانیوں‘ دیوبندیوں اورشیعوں اورسُنّیوں نے توایک دوسرے کوکافراورمرتد

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۱۱-۲۱۲

قرار دے کر یہ لکھا ہے کہ ان کے نکاح باطل اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہو گی ۔

آنحضرت ﷺ نے نکاح کے متعلق کفو کی شرط لگائی ہے اور کفو کے لئے جس طرح ظاہری حالت کو دیکھا جاتا ہے اسی طرح افکار و نظریات میں وحدت اور یگانگت کو دیکھنا بھی ضروری ہے ۔

ہم تحقیقاتی کمیشن کے ''سات سوالوں کا جواب'' اور ''مولانا مودودی صاحب کے تحریری بیان پر تبصرہ'' اور اسی طرح ''مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ'' میں اِن تمام امور کے متعلق تفصیل سے اپنا موقف بیان کر چکے ہیں۔ اور بتا چکے ہیں۔ کہ علماء سالہا سال تک احمدیوں کے متعلق یہ فتویٰ شائع کرتے رہے ۔ کہ انکی نماز جنازہ ادا نہ کی جائے ۔ اور نہ صرف یہ کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے بلکہ انکو اپنے پیچھے بھی نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے ۔ ان سے رشتہ ناطہ اور سلام و کلام اور میل ملاقات حرام ہے ۔ کیا یہ جائے تعجب نہیں کہ جنہوں نے سینکڑوں بار ایسے فتوے شائع کئے وہ احمدیوں کے متعلق اس قسم کی شکایت کریں ۔

تکفیر

اسی طرح علماء نے حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ اور احمدیوں کو کافر اور مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کے فتوے دیئے اور حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے نہ ایک بار بلکہ بار بار لکھا کہ :۔

''اے لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور مجھے یہ مت کہو کہ تُو مسلمان نہیں اور اس خدا سے ڈرو کہ جس کے سامنے ایک دن تم نے پیش ہونا ہے ۔'' [1]

لیکن علماء تکفیر سے باز نہ آئے اور دعویٰ پر کئی سال گزرنے کے بعد آپ نے حسب ارشاد آنحضرت ﷺ کے کافر کہنے والوں کو ان کے فعل کے مناسب حال جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں

''ایّما رجل مسلم کفّر رجلاً مسلماً فان کان کافراً و الّا کان هو الکافر.'' [2]

یعنی ایک مسلمان مرد کو کافر کہنے والا مسلمان خود کافر ہو جاتا ہے ۔

---

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۲ [2] ابوداؤد جلد ۲ کتاب السنۃ ۔

علاوہ ازیں حضرت بانی جماعت احمدیہ نے ۲۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ایک اعلان اپنی جماعت کے نام لکھا کہ:۔

کسی کے دل کو ان الفاظ سے دُکھ نہ دیں کہ یہ کافر ہے یا دجّال ہے یا کذّاب ہے یا مفتری ہے۔ہم نے ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۲۷ میں شیخ محمد حسین اوراس کے گروہ سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ وہ سات سال تک اس طور سے ہم سے صلح کرلیں کہ تکفیراور تکذیب اور بدزبانی سے مُنہ بند رکھیں اور انتظار کریں کہ ہمارا انجام کیا ہوتا ہے لیکن اسوقت کسی نے ہماری یہ درخواست قبول نہ کی۔اور نہ چاہا کہ کافراور دجّال کہنے سے باز آجائیں۔یہاں تک کہ عدالت کو اب امن قائم رکھنے کے لئے وہی طریق اختیار کرنا پڑا جس کو ہم صلحکاری کے طور سے چاہتے تھے۔'' [1]

پس حضرت بانی جماعت احمدؑیہ کی یہی کوشش رہی کہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر ودجّال کہنے سے اجتناب کیا جائے ۱۹۱۰ء کے بعد جماعت احمدیہ میں باہم اختلاف پیدا ہوگیا اوراحمدیوں کی اصطلاحات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جماعت احمدیہ ہی کے ایک حصّہ کو مخاطب کرکے کفرواسلام کے متعلق خیالات کا اظہار کیا گیا۔اوریہ الفاظ درحقیقت مسلمانوں کی عام مروجہ اصطلاح کے معنوں میں استعمال نہیں کئے گئے تھے اورگفت وشنید بھی ۱۹۲۲ء تک ختم ہوگئی ۱۹۲۲ء کے بعد اگرکوئی تحریرشائع ہوئی ہے تو وہ صلح کی تائید میں ہوئی ہے چنانچہ امام جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک تحریر ریویو آف ریلیجنز اُردو جولائی ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

''جوشخص غیر احمدیوں کو کافر' یہودی اورجاہل بلاضرورت کہتا پھرتا ہے وہ درحقیقت شریعت کا مجرم اورفتنہ انگیز ہے۔اگرغیراحمدی اسکے نزدیک کافرہیں تو اسکو یہ کہاں سے حق حاصل ہوگیا کہ وہ ان کو کافر کہتا پھرے۔۔۔۔۔بلاوجہ اور بے ضرورت اس قسم کے مضامین اخبار میں نکالنا اورزبانی کہتے پھرنا واقعہ میں فتنہ کا موجب ہے۔اوراگرکوئی

---

[1] تبلیغ رسالت جلد ہشتم۔

شخص ایسا کرتا ہے تو مَیں اسکو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاق کو درست کرے ورنہ وہ خدا کے نزدیک گنہگار رہے۔‘‘

اسی طرح یکم مئی ۱۹۳۵ء کو آپکا ایک خطبہ الفضل میں چھپا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

’’اب بھی ہمیں کس طرح بار بار ان کی طرف سے کافر کہا جاتا ہے اور اخبارات میں لکھا جاتا ہے کہ احمدی کافر ہیں۔ہم تو کہتے ہیں جو کسی کو بلا وجہ کافر کہتا ہے وہ اس کی دلآزاری کرتا ہے۔‘‘

اور اسی خطبہ میں آپ نے یہ بھی وضاحت سے بتا دیا کہ ہماری طرف سے جب کبھی کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ ان معنوں میں نہیں کہ ایسا شخص غیر مُسلم ہو جاتا ہے بلکہ ان معنوں میں کہ وہ کامل مسلم نہیں۔آپ نے فرمایا:۔

’’ہم میں اور ان میں تو کفر کی تعریف میں اختلاف بھی بہت سا پایا جاتا ہے ۔یہ لوگ کفر کے معنے سمجھتے ہیں اسلام کا انکار‘ حالانکہ ہم یہ معانی نہیں کرتے اور نہ کفر کی یہ تعریف کرتے ہیں۔ہم تو سمجھتے ہیں کہ اسلام کے ایک حد تک پائے جانے کے بعد انسان مسلمان کے نام سے پکارے جانے مستحق سمجھا جاسکتا ہے لیکن جب وہ اس مقام سے نیچے گر جاتا ہے تو گو وہ مسلمان کہلا سکتا ہے مگر کامل مسلم اسے نہیں سمجھا جاسکتا۔‘‘

پس جہاں کہیں حضرت امام جماعت احمدیہ کی تحریرات میں یہ لکھا ہے کہ غیر احمدی مسلمان نہیں تو اس سے کامل مسلمان ہونے کی نفی مراد ہے نہ یہ کہ وہ قومی لحاظ سے بھی (جبکہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) مسلمان نہیں۔

دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا مطلب

عدالت نے حضرت امام جماعت احمدیہ سے یہ سوال کیا تھا:۔

سوال۔’’کیا آپ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں جو آپ نے کتاب آئینہ صداقت کے پہلے باب میں صفحہ ۳۵ پر ظاہر کیا تھا۔یعنی یہ کہ تمام وہ مسلمان جنہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت نہیں کی۔خواہ انہوں نے مرزا صاحب

کا نام بھی نہ سُنا ہو وہ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں؟''

جواب۔آپ نے اس کا یہ جواب دیا:۔

''یہ بات خود اس بیان سے ظاہر ہے کہ مَیں ان لوگوں کو جو میرے ذہن میں ہیں مسلمان سمجھتا ہوں۔پس جب مَیں ''کافر'' کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میرے ذہن میں دوسری قسم کے کافر ہوتے ہیں۔''

دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا مطلب:۔معزز عدالت نے حضرت امام جماعت احمدیہ سے ''آئینہ صداقت'' کے اس حوالے کے متعلق جس میں حضور نے غیر احمدیوں کے لئے خارج از اسلام کی اصطلاح استعمال کی ہے دریافت کیا تھا۔کیا آپ اب بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں؟ آپ نے اس کا یہ جواب دیا تھا:۔

''یہ بات خود اس بیان سے ظاہر ہے کہ مَیں ان لوگوں کو جو میرے ذہن میں ہیں مسلمان سمجھتا ہوں۔پس جب میں کافر کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میرے ذہن میں دوسری قسم کے کافر ہوتے ہیں جن کی مَیں پہلے ہی وضاحت کر چکا ہوں یعنی وہ جو ملّت سے خارج نہیں۔جب میں کہتا ہوں کہ وہ دائرہ ُاسلام سے خارج ہیں تو میرے ذہن میں وہ نظریّہ ہوتا ہے' جس کا اظہار کتاب مفرداتِ راغب کے صفحہ ۲۴۰ پر کیا گیا ہے جہاں اسلام کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ایک دون الایمان اور دوسرے فوق الایمان۔دون الایمان میں وہ مسلمان شامل ہیں جن کے اسلام کا درجہ ایمان سے کم ہے۔فوق الایمان میں ایسے مسلمانوں کا ذکر ہے جو ایمان میں اس درجہ پر ممتاز ہوتے ہیں کہ وہ معمولی ایمان سے بلند تر ہوتے ہیں۔اس لئے جب مَیں نے یہ کہا تھا کہ بعض لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں تو میرے ذہن میں وہ لوگ تھے جو فوق الایمان کی تعریف کے ماتحت آتے ہیں۔مشکوٰۃ میں بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کرتا اور اس کی حمایت کرتا ہے وہ اسلام سے خارج ہے۔''

یہ حدیث جس کا ذکر حضرت امام جماعت احمدیہ نے کیا وہ اوس بن شرجیل سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

من مشیٰ مع ظالم لیقویه وهویعلم انّه ظالم فقد خرج من الاسلام.'' [۱]

یعنی جوشخص ظالم کے ساتھ یہ علم رکھتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے اس لئے چلتا ہے کہ اسکوتقویت پہنچائے تو وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔

''اسی طرح ابن ماجہ نے حضر حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صاحبِ بدعت کے متعلق فرمایا:۔

''یخرج من الاسلام کماتخرج ا لشعرة من العجبن.'' [۲]

کہ وہ اسلام سے ایسے خارج ہوجاتا ہے جیسے کہ بال آٹے سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ظلم یا ظالم کی حمایت کرنا بُری چیز ہے اوراسی طرح بدعت کا جاری کرنا بھی بُری بات ہے لیکن سب علماء متفق ہیں کہ ایک صاحب بدعت مسلمان اورایک ظالم مسلمان غیر مسلم کافرنہیں بن جاتے بلکہ مسلمان ہی رہتے ہیں۔اسلئے لازمی طور پریہی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حدیث میں ''**فقد خرج من الاسلام**''یعنی''وہ اسلام سے خارج ہوگیا'' سے مراد حقیقی اسلام کے دائرہ سے باہر ہوجانا ہے نہ کہ عام دائرۂ اسلام سے نکل کر غیر مسلم کافروں میں شامل ہوجانا۔اورحضرت امام جماعت احمدیہ نے بھی انہی معنوں میں یہ الفاظ استعمال فرمائے اوراحمدیہ لٹریچر میں غیر احمدیوں کے متعلق کفر کا لفظ اِن معنوں میں ہرگز استعمال نہیں کیا گیا کہ وہ ملّت اسلامیہ سے خارج ہیں بلکہ ساراا حمدی لٹریچر اس امر کا شاہد ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کومسلمان کہہ کر پکارا جاتا رہا۔احمدیوں کے غیر احمدی رشتہ داراوراہل قریہ اوراہل شہراس امر کے کافی شاہد ہیں کہ احمدی ان سے بھائیوں کا سا معاملہ کرتے رہے اورکبھی انہوں نے انہیں غیر مُسلِم نہیں سمجھا۔اورسیاسی جدوجہد میں احمدیوں نے ہمیشہ مسلمانوں کا ساتھ دیا۔اورکبھی کانگرس یا ہندوؤں کا ساتھ نہیں دیا۔اوردس شرائطِ بیعت کی چوتھی شرط یہ رکھی کہ جماعت احمدیہ میں داخل ہونے والا یہ اقرار کرے کہ''عام خلق اللہ کو

---

[۱] مشکوٰۃ باب الظلم۔ [۲] ابن ماجہ صفحہ ۶ مجتبائی دہلی۔

عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے، نہ ہاتھ سے، نہ کسی اَور طرح سے۔‘‘

مسلمان کون ہے؟

ہمارے نزدیک مسلمان کی وہ تعریف جو اسلامی اتحاد کو قائم رکھ سکتی ہے وہ ہے جو حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۹۲۷ء میں بمقام شملہ اپنے لیکچر میں بیان کی تھی کہ:۔

’’جو فرقہ اپنے آپکو مُسلم کہتا ہے اور قرآن مجید کی شریعت کو منسوخ قرار نہیں دیتا اس سے اتحاد کر لو۔[۱] یعنی وہ مسلمان ہے۔

اور مولانا مودودی صاحب کے نزدیک:۔

’’یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اسکے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں، نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔۔۔۔۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے۔‘‘[۲]

پھر مولانا مودودی صاحب ان نام کے مسلمانوں کو اہل کتاب جیسے ’’نسلی مسلمان‘‘ قرار دیتے ہیں۔ [۳]

اور اپنے متعلق لکھتے ہیں:۔

’’پس در حقیقت مَیں ایک نومُسلِم ہوں۔‘‘ [۴]

پھر لکھتے ہیں:۔

’’ایک طرف تو آپ پوری مسلمان قوم کو ’’مسلمان‘‘ کی حیثیت سے لے رہے ہیں جس کے ننانوے فیصدی افراد اسلام سے جاہل اور پچانوے فیصدی منحرف اور نوے فیصدی انحراف پر مصر ہیں۔ یعنی وہ خود اسلام کے طریقہ پر چلنا نہیں چاہتے اور نہ اس منشاء کو کو پُورا کرنا چاہتے

---

[۱] لیکچر شملہ صفحہ ۲۹ [۲] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم بار ششم صفحہ ۱۰۵ [۳] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم بار ششم صفحہ ۱۲۲ [۴] ایضاً صفحہ ۱۶

ہیں۔‘‘ [1]

پھر جناب علاّمہ ڈاکٹر سر محمدؒ اقبال نے موجودہ مسلمانوں کے متعلق اپنا خیال اِن اشعار میں بیان فرمایا ہے کہ۔

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلمان نابود — ہم یہ کہتے تھے کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود — یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغاں بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو [2]

پھر صرف نام کے طور پر اسلام کے باقی رہنے کے متعلق مولانا حالی کا یہ شعر بھی لائقِ ملاحظہ ہے۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی — اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی [3]

پھر عطاء اللہ شاہ بخاری کمیونزم اور اسلام کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے متعلق کہتے ہیں:۔

’’مقابلہ تو تب ہو کہ اسلام کہیں موجود بھی ہو۔ ہمارا اسلام! ہم نے اسلام کے نام پر جو کچھ اختیار کر رکھا ہے وہ تو صریح کفر ہے ۔۔۔۔کیا یہی اسلام ہے جو نبی نے سکھایا تھا؟ ۔۔۔۔ہمارا تو سارا نظام کفر ہے قرآن کے مقابلہ میں ہم نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے۔قرآن صرف تعویذ اور قسم کھانے کے لئے ہے۔‘‘ [1]

علماء کے فتاویٰ نے کسی کو مسلمان ہی نہیں رہنے دیا

فاضل جج علماء کے فتاویٔ کفر کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

’’شیعوں کے نزدیک تمام سُنّی کافر ہیں اور اہلِ قرآن یعنی وہ لوگ جو حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور واجب التعمیل نہیں مانتے متفقہ

---

[1] رسل رسائل صفحہ ۴۳۶ بحوالہ ترجمان القرآن جولائی‘ اکتوبر ۱۹۴۴ء [2] بانگ درا ایڈیشن ۱۲ صفحہ ۲۲۶ جواب شکوہ [3] مسدس حالی مطبوعہ تاج کمپنی صفحہ ۲۶ [4] تقریر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری آزاد ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء

طور پر کافر ہیں ۔اور یہی حال آزاد منکرین کا ہے ۔اِس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ ٗسُنّی ٗ دیوبندی ٗاہلحدیث اور بریلوی لوگوں میں سے کوئی بھی مُسلِم نہیں ۔'' [۱]

معاشرہ میں تلخی

مؤلفین تبصرہ نے اِن امور کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس سے :۔

''مسلم معاشرے کے اندر ایک دوسرا منظّم معاشرہ پیدا ہوتا ہے ۔اس کی توسیع سے خاندانوں اور برادریوں میں تفریق بھی بڑھتی جاتی ہے ۔ایک ہی کنبے کے افراد میں شادی بیاہ بند ہوتا ہے ۔الخ'' [۲]

ہمارا ساٹھ سال کا تجربہ ہے کہ دیہاتوں اور شہروں میں احمدی جن جن برادریوں سے تعلق رکھتے تھے احمدیت کی وجہ سے ان کے تعلقاتِ برادری میں کبھی فرق نہیں آیا۔اگر شاذ و نادر کے طور پر کوئی تلخی کا واقعہ ہؤا بھی تو وہ محض مولویوں کی انگیخت پر ہؤا ۔ورنہ ان کے درمیان اختلافِ افکار وخیالات ہی رہا اور ظاہری معاملات میں ان کا تعلق محبت اور پیار اور حسنِ سلوک کا رہا۔

کیا مؤلفین تبصرہ کے لئے یہ زیبا تھا کہ وہ معاشرہ میں تلخی کا سوال اٹھاتے جبکہ خود ان کی جماعت کے عقائد وخیالات سے معاشرہ میں جو تلخی پید ہوتی ہے اسکی کیفیت مولانا مودودی صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد ارکانِ جماعت کو اپنے اقرباء سے اور شوہروں کو اپنی بیویوں سے علیحدہ ہونا پڑا۔اور :۔

اس بناء پر بعض والدین نے اپنے اکلوتے جگر گوشوں کو گھر سے باہر کر دیا۔۔۔۔بعض بے دین شوہروں نے اپنی بے گناہ بیویوں کو معلّق کر کے چھوڑ دیا۔'' [۳]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۶ [۲] تبصرہ صفحہ ۱۸۸ [۳] روداد جماعت اسلامی حصّہ سوم صفحہ ۲۷

اسی کتاب (روداد جماعت اسلامی حصہ سوم) کے صفحہ ۵۳ پر لکھتے ہیں :۔

''اس مسلک کو عملاً اختیار کرتے ہی آدمی کا قریب ترین ماحول اس کا دشمن بن جاتا ہے ۔اسکے اپنے والدین' اس کے بھائی بند' اس کی بیوی اور بچے اور اسکے جگری دوست سب سے پہلے اس کے ایمان سے قوت آزمائی کرتے ہیں ۔اور بسا اوقات اس مسلک کا پہلا اثر ظاہر ہوتے ہی آدمی کا اپنا گہوارہ جس میں وہ نازوں سے پلا تھا اسکے لئے زنبورخانہ بن کررہ جاتا ہے ۔''

اورافراد جماعت کے متعلق جماعت کو یہ نصیحت کرتے ہیں :۔

''یہی آپ کے دوست ہوں' یہی آپکے غمخوار ہوں' ان کے سوا دوسروں کے ساتھ آپ کا تعلق دوستی اور محبت کا نہ ہو۔'' ؎۱

؎۱ روداد جماعت اسلامی حصّہ چہارم صفحہ ۱۱۹

حِصّہ چہارم

(الف) علماء اور مُسلِم کی تعریف

(ب) اِرتداد اور اُس کی سزا

چونکہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب اور مملکت کی کلیدی آسامیوں سے دیگر احمدی عہدیداروں کی برطرفی کا مطالبہ اس بناء پر کیا گیا تھا کہ احمدی غیر مسلم ہیں۔اس لئے تحقیقاتی عدالت نے یہ ضروری خیال کیا کہ علماء سے مسلم کی جامع و مانع تعریف دریافت کرے۔چنانچہ فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''یہ مسئلہ بنیادی طور پر اہم ہے کہ فلاں شخص مسلم ہے یا غیر مسلم۔اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اکثر ممتاز علماء سے یہ سوال کیا کہ وہ ''مسلم'' کی تعریف کریں۔اس میں نقطہ یہ ہے کہ اگر مختلف فرقوں کے علماء احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ صرف اس فیصلے کی وجوہ بالکل روشن ہوں گی بلکہ وہ ''مسلم'' کی تعریف بھی قطعی طور پر کرسکیں گے۔کیونکہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص یا جماعت دائرۂ اسلام سے خارج ہے تو اس پر لازم آتا ہے کہ دعویٰ کرنیوالے کے ذہن میں اِس امر کا واضح تصور موجود ہو کہ ''مسلم'' کس کو کہتے ہیں۔

تحقیقات کے اِس حصے کا نتیجہ بالکل اطمینان بخش نہیں نکلا۔اور اگر ایسے سادہ معاملے کے متعلق بھی ہمارے علماء کے دماغوں میں اس قدر ژولیدگی موجود ہے تو آسانی سے تصور کیا جاسکتا ہے کہ زیادہ پیچیدہ معاملات کے متعلق ان کے اختلافات کا کیا حال ہوگا۔'' [۱]

علماء نے معزز عدالت کے سوال پر ''مُسلم کی جو تعریف بتائی اسے درج کر کے فاضل جج لکھتے

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۱

ہیں:۔

''اِن متعدد تعریفوں کو جوعلماء نے پیش کی ہیں پیش نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟ بجز اسکے کہ دین کے کوئی دو[۲] عالم بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں ہیں۔ اگر ہم اپنی طرف سے مُسلم کی کوئی تعریف کردیں جیسے ہر عالمِ دین نے کی ہے اوروہ تعریف ان تعریفوں سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہیں تو ہم کو متفقہ طور پر دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا۔[۱] اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کرلیں تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے لیکن دُوسرے علماء کی تعریف کی رُو سے کافر ہو جائیں گے۔'' *

رپورٹ کی اِس تحریر سے ہی ''مُسلِم'' کی تعریف متعیّن ہونے کی اہمیت وضرورت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ ہر صاحب فہم خود بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ مسلم کی تعریف کا متعیّن ہونا یقیناً نہایت ہی اہم اور ضروری تھا کیونکہ جب تک ''مُسلِم'' کی تعریف متعیّن نہ ہو کسی فرد یا جماعت کے مسلم یا کافر ہونے کا فیصلہ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ اِسی طرح ہر صاحب فہم کو اِس امر سے اتفاق کئے بغیر بھی چارہ نہیں۔ کہ جن علماء نے احمدیوں کی کلیدی آسامیوں سے برطرفی کا مطالبہ اِس بناء پر کیا تھا کہ احمدی باوجود اپنے آپکو مُسلم کہنے کے غیر مُسلِم ہیں ان کو قطعی طور پر مسلم کی جامع و مانع تعریف کا عِلم ہونا چاہئے تھا جس کے ذریعے مُسلِم اور غیر مُسلِم میں یقینی طور پر فرق کیا جاسکتا ہو۔

مگر افسوس ہے کہ تحقیقی عدالت کی رپورٹ پر محاسبہ اور تبصرہ کے مؤلفین نے اِس بدیہی اور واضح بات کو بھی عام لوگوں پر مشتبہ کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ مؤلف محاسبہ لکھتا ہے:۔

''اگروہ علمائے دین جن سے یہ سوال کیا گیا عدالت کے سامنے مُسلِم کی

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۵-۲۳۶

* مؤلفین تبصرہ اس پر طنزیہ رنگ میں لکھتے ہیں:۔ ''یہ بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہمارے فاضل جج اپنی اس خاص تعریف کو اِس رپورٹ میں بیان کردیتے۔۔۔اس سے نہ صرف علماء کو راہنمائی ملتی بلکہ علم و تحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کھُل جاتیں۔'' (تبصرہ صفحہ ۱۱۹)

جامع و مانع تعریف پیش کرنے سے قاصر رہ گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اچانک اس سوال کا سامنا کرنا پڑا۔'' [۱]

مؤلف محاسبہ کے اس قول کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ عُلماء جن سے مُسلِم کی تعریف دریافت کی گئی تھی کس درجہ کے علماء تھے۔ کیا اس درجہ کے تھے جن سے اس سوال کے جواب کی امید نہ کی جاسکتی ہو۔ یا اس درجہ کے جن سے ہر عاقل وفہیم کو اس سوال کے جواب کی پُوری توقع ہوسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ دوسری بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ کیا ان علماء کو ''مسلم'' کی جامع و مانع تعریف کے سوال کا اچانک سامنا کرنا پڑا تھا۔ یا اس سے پہلے بھی اس سوال کو جانتے تھے۔ اور اپنے مناصب و مدارج کے لحاظ سے ان کا اس سوال کے جواب سے واقف ہونا نہایت ضروری تھا۔ اب ہم ان علماء کے اسماء درج کرتے ہیں جن سے عدالت نے ''مُسلِم'' کی تعریف دریافت کی تھی۔ اور وہ اسماء یہ ہیں:۔

۱۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر جمیعتہ العلمائے پاکستان۔
۲۔۔ مولانا احمد علی صاحب صدر جمیعتہ العلمائے اسلام مغربی پاکستان۔
۳۔۔ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی۔
۴۔ غازی سراج الدین صاحب منیر
۵۔ مفتی محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعۂ اشرفیہ
۶۔ مولانا حافظ کفایت حسین صاحب (ادارہ تحفّظ حقوقِ شیعہ)
۷۔ مولانا ابوالحامد صاحب بدایوانی صدر جمیعتہ العلمائے پاکستان۔
۸۔ مولانا محمد علی صاحب کاندھلوی دارلشہابیہ سیالکوٹ۔
۹۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی (جماعت اسلامی)

کیا ان علمائے فحول [۲] کے متعلق یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ وہ اس لئے مسلم کی جامع

---

[۱] محاسبہ صفحہ ۳۸ [۲] ان میں سے غازی سراج الدین صاحب منیر کو جماعت اسلامی کے مؤلفین تبصرہ نے علماء کی فہرست سے خارج کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ عالم نہیں ہیں (تبصرہ صفحہ ۵) گو وہ اپنے آپکو سب علماء سے زیادہ عقلمند اور زیادہ عالم اور فلسفی خیال کرتے ہوں۔

ومانع تعریف کرنے سے قاصر رہے کہ تحقیقاتی عدالت کا سوال انکے لئے غیر متوقع اور اچانک سوال تھا۔ ہر عاقل کے نزدیک ان علماء کو مُسلِم کی جامع ومانع تعریف کا علم ہونا ضروری تھا۔

مرتد' کافر اور زندیق ہونے کے فتوے اس سے قبل یہ علماء صادر کر چکے تھے۔ کون خیال کرسکتا ہے کہ ایسے علماء کو اپنی تمام عمر میں کبھی مسلم کی تعریف معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی تھی ۔ اور تحقیقاتی عدالت کا سوال ان کے لئے غیر متوقع اور اچانک سوال تھا۔ جسے سُن کر وہ حیران و پریشان ہوگئے اور مُسلِم کی جامع و مانع تعریف نہ کر سکے۔

اولاً علماء کو بحیثیت عالم ہونے کے ''مسلم'' کی جامع ومانع تعریف سے واقف ہونا چاہیئے تھا۔

ثانیاً۔ کفر کے فتوے دیتے رہنے کی وجہ سے انہیں معلوم ہونا چاہئیے تھا کہ ''مسلم'' کی جامع ومانع تعریف کیا ہے ۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے خدا ہی جانے کتنی بار مختلف فرقہائے اسلام کے حق میں غیر مسلم' مرتد' کافر اور زندیق ہونے کے فتوے صادر کر چکے تھے ۔ اور کفر کا فتویٰ اسی حالت میں دیا جا سکتا ہے کہ ''مسلم'' کی تعریف معلوم ہو۔

ثالثاً ۔ حضرات علماء حکومت سے ایک دعویٰ اسلام کرنے والی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ کرنے اور اسکے منوانے کے لئے مدت سے سرگرمِ کار تھے۔ اور یہ امر بھی پکار رہا ہے کہ علماء کو ''مسلم'' کی جامع ومانع تعریف سے کماحقّہٗ واقف ہونے کی ضرورت تھی ۔

پس مندرجہ بالا وجوہ کے پیش نظر نہ تو ''مسلم'' کی جامع ومانع تعریف کے متعلق عدالت کا سوال علماء کے لئے کوئی نیا سوال تھا اور نہ ان کو اچانک اس سوال کا سامنا کرنا پڑا۔ بلکہ بارہا یہ سوال ان کے سامنے آ چکا تھا۔ اور تحقیقاتی عدالت نے بھی ایک دن سب علماء سے اس کے متعلق دریافت نہیں کیا تھا۔ بلکہ علماء کی شہادت متعدد دنوں میں ختم ہوئی تھی اور ایک پر سوال ہونے سے باقی علماء کو تو اس سوال کا پتہ لگ گیا تھا۔ پھر ان کے لئے یہ اچانک سوال کہاں ہوا۔

مؤلفینِ تبصرہ کی تنقید!

مؤلفِ محاسبہ تو یہ تسلیم کرتا ہے کہ علماء ''مسلم'' کی جامع و مانع تعریف کرنے سے اس لئے قاصر رہے کہ اُن سے یہ سوال اچانک کیا گیا تھا۔مگر مؤلفینِ تبصرہ فاضل ججوں کو غلطی پر قرار دیتے ہیں جو انہوں نے علماء کے جوابات کے متعلق مندرجہ ذیل رائے ظاہر کی:۔

''ہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ہمیں یہ دیکھ کر بے انتہا افسوس ہوا کہ علماء جن کا پہلا فرض اس موضوع پر پختہ آراء کو قائم کرنا تھا مایوس حد تک باہم غیر متفق تھے۔''[۱] اور بقول مؤلفین تبصرہ ''مایوس کن حد تک باہم مختلف الرائے پائے گئے۔''[۲]

عدالت کی اِس رائے کے جواب میں مؤلفین تبصرہ لکھتے ہیں:۔

''اِن حضرات کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لئے ٹھیٹھ عدالتی جرح کا طریق اختیار کیا گیا ۔۔۔۔۔جو علمی و نظریاتی مسائل کے طے کرنے کے لئے کافی اور مفید نہیں۔''[۳]

۲۔واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی شاید ہی کوئی معروف حقیقت ایسی ہو جس کی تعریف بیان کرنے میں اہل علم کے درمیان اختلاف نہ ہو۔''[۴]

مثلاً صحت اور مرض کی تعریف دریافت کی جائے تو دنیا بھر کے طبیبوں اور ڈاکٹروں میں سے ہر ایک کا بیان دوسرے سے مختلف ہوگا۔*اسی طرح ہر قانون دان وفاداری اور بغاوت کے متعلق اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرے گا کہ دوسرے بیان سے وہ بالکل مطابق نہ ہوگا۔مگر یہ سب اختلافات زیادہ تر تعبیر کے اختلافات ہوتے ہیں۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۲۰ [۲] تبصرہ صفحہ ۱۱۸ [۳] تبصرہ صفحہ ۱۰۵ [۴] تبصرہ صفحہ ۱۱۹

*اول تو صحت و مرض کی تعریف کو ''مسلم'' کی تعریف پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔دوسرے تعریف میں اختلاف ایسا تو نہیں ہونا چاہیئے کہ صحت مرض بن جائے اور مرض صحت۔جیسا کہ ''مسلم'' کی تعریف بیان کرنے کی صورت میں ہوا ہے۔

ایسا ہی حال مسلمان کی تعریف کا بھی ہے ۔ایک ہی حقیقت کو مختلف اہلِ علم نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے ۔ان کے درمیان حقیقت شے میں نہیں اندازِ بیان میں اختلاف ہے۔ [۱]

اس ظاہر ہے کہ مؤلفین تبصرہ کے نزدیک فاضل ججوں نے علماء کے بیانات سے ''مسلم'' کی تعریف کے متعلق جو نتیجہ اخذ کیا ہے غلط اور خلافِ واقعہ ہے ۔لیکن جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فاضل ججوں نے جو کچھ اِس ضمن میں لکھا ہے وہ بجا اور درست ہے ۔علماء کی بیان کردہ تعریفوں میں ایسا فرق پایا جاتا ہے جس سے ایک عالم کی تعریف کے مطابق جو شخص مسلمان قرار پاتا ہے وہی شخص دوسرے کی تعریف کے مطابق غیر مسلم ثابت ہوتا ہے ۔مثلاً

۱۔مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے مسلمان کی سیاسی اور حقیقی دو ۲ قِسمیں کرکے سیاسی مسلمان میں دس شرطوں کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے جن میں سے مسلمانوں کی طرح نماز پڑھنا' روزے رکھنا اور اسلامی شریعت کے ظاہری قوائد کی تعمیل کرنا بھی شامل ہیں۔

پھر واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ:۔

> ''سیاسی معاملے میں عمل ضروری ہے ۔اگر کوئی شخص ان عقائد کے مطابق عمل نہیں کرتا جو ایک سیاسی مسلمان کے لئے ضروری ہیں تو وہ سیاسی مسلمان کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔'' [۲]

۲۔لیکن برخلاف اسکے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے یہ جواب دیا ہے:۔

''وہ شخص مُسلِم ہے جو(۱) توحید پر (۲) تمام انبیاء پر (۳) تمام الٰہی کتابوں پر (۴) ملائکہ پر (۵) یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو ۔اور اِن باتوں کے محض زبانی اقرار سے کسی شخص کو مسلم کہلانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے ۔اور ایک مسلم مملکت میں اس سے وہ سلوک کیا جائے گا جو مسلمان سے کیا جاتا ہے۔'' [۳]

۳۔مولانا ابوالحسنات نے مسلمان کے لئے چھ باتوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ تارک الصلوٰۃ بھی مسلمان ہوتا ہے۔ [۴]

---

[۱] تبصرہ صفحہ ۱۱۰ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۳۵ [۳] رپورٹ صفحہ ۲۳۲ [۴] رپورٹ صفحہ ۲۳۲

۴۔اور مولانا احمد علی صاحب نے مُسلِم کہلانے کے لئے صرف دو شرطیں ضروری سمجھی ہیں ۔قرآن پر ایمان رکھنا۔اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر ایمان رکھنا۔اور کہا ہے کہ مُسلِم کہلانے کا حق دار ہونے کے لئے اس سے زیادہ عقیدے اور اس سے زیادہ عمل کی ضرورت نہیں ۔ ۱؎

کیا مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اور مولانا مودودی صاحب اور مولانا ابوالحسنات اور مولانا احمد علی صاحب کی تعریفوں میں اختلاف واضح نہیں ہے؟انہوں نے نہ صرف یہ کہ جن امور پر ایمان لانے کا اظہار ضروری ہے اُن کے تعیّن میں اختلاف کیا ہے۔ بلکہ ایک کے نزدیک مسلم کہلانے کے لئے عمل بھی ضروری ہے اور دوسرے کے نزدیک ضروری نہیں ۔

ضروریاتِ دین کے متعلّق اختلافات

جن علماء نے مُسلِم کہلانے کے لئے ضروریاتِ دین پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے ان کے خیالات ملاحظہ فرمایئے ۔

۱۔مولانا عبدالحامد بدایوانی نے اس سوال کا کہ ''مسلمان کون ہے'' یہ جواب دیا کہ:۔

''جو شخص ضروریاتِ دین پر ایمان رکھے وہ مومن ہے ۔اور ہر مومن مسلمان کہلانے کا حق دار ہے ۔اور جو شخص پنج ارکانِ اسلام اور ہمارے رسول پاک ﷺ پر ایمان رکھتا ہے وہ ضروریات دین کو پورا کرتا ہے۔'' ۲؎

۲۔اور جب مولانا محمد علی کاندھلوی سے ضروریات دین کی تعریف پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا:۔

''ضروریاتِ دین ہر مسلمان کو معلوم ہے خواہ وہ دینی علم نہ رکھتا ہو۔اور وہ اتنی بیشمار ہیں کہ ان کا ذکر بیحد دشوار ہے۔مَیں ان

۱؎ رپورٹ صفحہ ۲۳۲ ۲؎ رپورٹ صفحہ ۲۳۳و۲۳۴

ضروریات کوشمار نہیں کرسکتا۔'' [۱]

۳۔ اِسی طرح حافظ کفایت حسین صاحب نے کہا ہے کہ:۔

'' جو شخص توحید' نبوّت اور قیامت پر ایمان رکھے وہ مسلمان کہلانے کا حقدار ہے۔''

پھر کہا:۔

''لیکن ان کے علاوہ بعض امور جن کو ضروریاتِ دین کہتے ہیں مسلمان کہلانے کا حق دار بننے کے لئے انکی تکمیل ضروری ہے۔''

پھر عدالت کے سوال پر جواب دیا:۔

''اِن ضروریات کے تعیّن اور شمار کے لئے مجھے دو دن چاہئیں۔''

ان علماء نے مسلمان کی جو تعریف کی ہے اسکا پہلے علماء کی بیان کردہ تعریف سے مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ وہی لوگ جو صرف چند عقائد پر ایمان کا اظہار کر کے مسلمان کہلانے کے حقدار ہوں گے وہی بیشمار ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کے منکر ہونے کی وجہ سے غیر مُسلِم قرار پائیں گے۔ بریلویوں نے دیو بندیوں کو اور احناف نے اہلحدیث کو اور اہلحدیث نے احناف اور اہل قرآن کو۔ اسی طرح سُنّیوں نے شیعوں کو اور شیعوں نے سُنّیوں کو ان بے شمار ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا منکر ہی قرار دے کر تو کفر اور ارتداد کے فتوے دئے ہیں۔

پھر ان حقائق کے پیشِ نظر مؤلفین تبصرہ کا یہ کہنا کہ فاضل ججوں نے جو نتیجہ علماء کے بیانات سے اخذ کیا وہ غلط ہے کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ یہ کوئی نظریاتی بات نہیں بلکہ ایک بدیہی امر کا انکار ہے۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۴

مسئلہ اِرتداد اور اس کی سزا

احراری اور دیگر غیر احمدی علماء اپنی تقریروں اور تحریروں میں اِس امر پر زور دیتے رہے ہیں کہ مرزائی مرتد اور احکامِ اسلامی کے مطابق واجب القتل ہیں[۱]۔اور احمدیوں نے ہمیشہ عقیدہ قتلِ مرتد کی تردید کی ہے اور اس موضوع پر کتب بھی لکھی ہیں۔جن میں قرآن مجید اور احادیث سے بدلائل بیّنہ ثابت کیا ہے کہ اسلام حرّیتِ ضمیر کو انسان کا پیدائشی حق قرار دیتا ہے۔اور مذہبی امور میں جبر واکراہ کا شدید مخالف ہے۔فاضل ججوں نے پوری تحقیق وتدقیق کے بعد احمدی نقطہ نظر کی تائید کی ہے اور علماء کو غلطی پر قرار دیا ہے۔

(۱) علماء کے نزدیک مرتد کی سزا قتل ہے

عدالت تسلیم کرتی ہے کہ اس پر علماء متفق الرائے ہیں کہ اسلامی مملکت میں ارتداد کی سزا موت ہے۔(ملاحظہ ہو مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، مولانا احمد علی صدر جمیعۃ العلماء مغربی پاکستان، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بانی وسابق امیر جماعت اسلامی پاکستان اور مولانا داؤد غزنوی صدر جمیعت اہلحدیث مغربی پاکستان وغیرہ کی شہادتیں) [۲]

(۲)۔اس عقیدہ کا بھیانک منظر

عدالت تسلیم کرتی ہے کہ:۔

"اگر مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری یا مرزا رضا احمد خان[۳] بریلوی یا ان بیشمار علماء میں سے کوئی صاحب (جو فتویٰ (E.X.D.E 14) کے خوبصورت درخت کے پتے پر مرقوم دکھائے گئے ہیں) ایسی اسلامی مملکت کے رئیس بن جائیں تو یہی انجام (یعنی موت۔ناقل) دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہوگا جن میں مولانا محمد شفیع دیوبندی ممبر بورڈ تعلیمات

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۹ و ۱۲۴ و ۳۳۷ و ۳۶۰ و ۳۶۳ و ۳۶۵ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۳۶ [۳] اصل نام مولوی احمد رضا خان ہے جو مولانا محمد احمد قادری اور ان کے والد مولانا دیدار علی کے پیر و مرشد اور ۱۳۴۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔

اسلامی ملحقہ دستور ساز اسمبلی پاکستان اورمولانا داؤد غزنوی بھی شامل ہیں اور اگرمولانا محمد شفیع دیو بندی رئیسِ مملکت مقرّر ہو جائیں تو وہ ان لوگوں کو جن نے دیو بندیوں کو کافر قرار دیا ہے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیں گے۔اوراگروہ لوگ مرتد کی تعریف میں آئیں گے (یعنی انہوں نے اپنے مذہبی عقائد ورثے میں حاصل نہ کیئے ہوں گے (یعنی خود اپنا عقیدہ بدل لیا ہوگا تو مفتی صاحب ان کوموت کی سزادیں گے؟)'' [۱]

(۳)فتووں کی رُو سے سب کافر ہیں

عدالت تسلیم کرتی ہے کہ''دیوبندیوں کا فتویٰ (E.X.D.E 13) جس میں اثنا عشری شیعوں کو مرتد قرار دیا گیا ہے اصلی ہے اور اسکی تصدیق دارالعلوم دیو بند کے دفتر سے ہوچکی ہے۔۔۔۔۔شیعوں کے نزدیک تمام سُنّی کافر ہیں اور اہل قرآن یعنی وہ لوگ جو حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اورواجب التعمیل نہیں مانتے متفقہ طور پر کافر ہیں ۔اوریہی حال آزاد مفکرین کا ہے ۔اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ ۔سُنّی ٗ دیوبندی ٗ اہلحدیث اور بریلوی لوگوں میں سے کوئی بھی مسلم نہیں ۔اوراگرمملکت کی حکومت ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہو جو دوسری جماعت کو کافر سمجھتی ہے تو جہاں کوئی شخص ایک عقیدے کو بدل کر دوسرا اختیار کرے گا اسکو اسلامی مملکت میں لازماً موت کی سزا* دی جائے گی۔'' [۲]

(۴)قرآن مجید سے قتلِ مرتد کا نظریّہ بالکل غلط ثابت ہوتا ہے

فاضل ججوں نے مولانا شبیراحمد عثمانی دیو بندی (جو بعد میں پاکستان کے شیخ الاسلام بن گئے تھے) کے کتابچہ''الشہاب'' کا ذکر کر کے جس میں مولانا نے قرآن ٗسُنّت ٗاجماع اور قیاس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے اور جسے

---

*مؤلف محاسبہ نے فتویٰ زدہ اشخاص کوموت کی سزا سے محفوظ کرنے کے لئے کفرقطعی اور کفرفقہی کی طرف توجہ دلائی ہے ۔رپورٹ میں فاضل ججوں نے جن فتووں کا ذکر کیا ہے ان مفتیوں نے اپنے مخالفین کو بالاجماع کافر ٗمرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ [۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۶ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۳۷

حکومتِ پنجاب نے وزیر داخلہ کے مشورہ سے ضبط کرلیا تھا لکھا ہے:۔

''ارتداد کے لئے موت بہت دُور رس متعلّقات کی حامل ہے اور اس سے اسلام مذہبی جنونیوں کا دین ظاہر ہوتا ہے جس میں حُرّیتِ فکر مستوجب سزا ہے ۔قرآن تو بار بار عقل وفکر پر زور دیتا ہے ۔رواداری کی تلقین کرتا ہے اور مذہبی امور میں جبر واکراہ کے خلاف تعلیم دیتا ہے لیکن ارتداد کے متعلق جو عقیدہ اس کتابچہ میں پیش کیا گیا ہے وہ آزادیٔ فکر کی جڑ پر ضرب لگا رہا ہے ۔کیونکہ اس میں یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ جو شخص پیدائشی مسلمان ہو یا خود اسلام قبول کر چکا ہو وہ اگر اس خیال سے مذہب کے موضوع پر فکر کرے کہ جو مذہب اسے پسند آئے اس کو اختیار کرلے تو وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔اس اعتبار سے اسلام کامل ذہنی فالج کا پیکر بن جاتا ہے ۔اور اگر اس کتابچہ کا یہ بیان صحیح ہے کہ عرب کے وسیع رقبے بارہا انسانی خون سے رنگین ہوئے تھے تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا سکتا ہے کہ عین اس زمانے میں بھی جب اسلام عظمت وشوکت کے نقطۂ عروج پر تھا اور پُورا عرب اسکے زیرِ نگین تھا اس ملک میں بے شمار ایسے لوگ موجود تھے جو اس مذہب سے منحرف ہوگئے تھے اور انہوں نے اس نظام کے ماتحت رہنے پر موت کو ترجیح دی تھی۔''[۱]

(۵)مصنّفِ رسالہ ''الشہاب'' کی رائے کہ ارتداد کی سزا قتل ہے

بالکل غلط ہے!

وزیر داخلہ جنہوں نے حکومت پنجاب کو اس کتابچہ کی ضبطی کا مشورہ دیا تھا اور جو خود بھی دینی امور میں خاص مہارت رکھتے ہیں کا ذکر کرکے فاضل جج لکھتے ہیں کہ:۔

''انہوں نے ضرور یہ سوچا ہوگا کہ اس کتابچے کے مصنّف نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ اس نظیر پر مبنی ہے جو عہد نامہ عتیق کے فقرات ۲۶۔۲۷۔۲۸ میں مذکور ہے پھر جس کے متعلق قرآن کی دوسری سورت کی چوّنویں آیت میں جزوی سا اشارہ دیا گیا ہے اس نتیجے کا اطلاق اسلام

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۷

کے ارتداد پر نہیں ہوسکتا۔اور چونکہ قرآن مجید میں ارتداد پر سزائے موت کی کوئی واضح آیت موجود نہیں اس لئے کتابچے کے مصنّف کی رائے بالکل غلط ہے۔ بلکہ اسکے برعکس ایک تو سورۂ کافرون کی چھ مختصر آیات اور دوسری سورت کی آیت ''لا اِکراہ'' کی تہ میں جو مفہوم ہے اس سے وہ نظریہ بالکل غلط ثابت ہوتا ہے جو''الشہاب'' میں قائم کیا گیا ہے۔''

(٦) مذہبی آزادی

''سورت کافرون صرف تیس الفاظ پر مشتمل ہے اس کی کوئی آیت چھ الفاظ سے زیادہ نہیں۔اس سورت میں وہ بنیادی خصوصیت واضح کی گئی ہے جو کردارِ انسانی میں ابتدائے آفرینش سے موجود ہے۔اور''لا اکراہ'' والی آیت میں جس کا متعلق حصّہ صرف نَو الفاظ پر مشتمل ہے ذہن انسانی کی ذمّہ واری کا قاعدہ ایسی صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے بہتر صحت ممکن نہیں ۔یہ دونوں متن جو الہام الٰہی کے ابتدائی دَور سے تعلق رکھتے ہیں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اس اصول کی بنیاد واساس ہیں جن کو معاشرہ انسانی نے صدیوں کی جنگ و پیکار اور نفرت اور خونریزی کے بعد اختیار کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ یہ انسان کے اہم ترین بنیادی حقوق میں سے ہے لیکن ہمارے علماء محققینِ اسلام کو جنگجوئی سے کبھی علیحدہ نہیں کریں گے۔''[۱]

یہ ہیں وہ تصریحات جو فاضل ججوں نے ارتداد کے زیرِ عنوان بڑے غور وخوض کے بعد سپردِ قلم کی ہیں اور ان سے ظاہر ہے کہ فاضل ججوں کے نزدیک اسلام میں ارتداد کی سزا موت قطعاً نہیں ہے۔

مؤلف ''محاسبہ'' کا موقف

ارتداد کی سزا موت ماننے سے جو مفاسد اور قباحتیں اور مشکلات پیش آتی ہیں اُن کا بھی فاضل ججوں نے ذکر کر دیا ہے اور وہ ایسی کھلی اور واضح ہیں کہ مؤلفِ ''محاسبہ'' بھی یہ لکھنے سے نہیں رُک سکے کہ:۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۸

''وہ بلا شبہ غور طلب ہیں اور ایک اسلامی مملکت کے علمائے دین کو اِن مسائل کے بارے میں معیّن اصول وقواعد ضبطِ تحریر میں لانے پڑیں گے جن کو دستورِ اساسی اور قوانینِ ملکی کے لئے مشعلِ راہ بنانا پڑے۔'' [1]

مؤلفینِ ''تبصرہ'' کا موقف

مؤلف ''محاسبہ'' کے برعکس مؤلفین ''تبصرہ'' نے فاضل ججوں کے خیالات پر نقطہ چینی کی ہے اور ارتداد کی سزا قتل ثابت کرنے کے لئے اپنا پورا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

۱۔ ''قرآن جب کسی معاملے پر براہ راست اور واضح طور پر ایک حکم بیان کر دے تو اس معاملے میں اس حکم کو اسلام کا قانون تسلیم کیا جائے گا۔'' [2]

۲۔ ''مولانا شبیر احمد صاحب کی پیش کردہ آیت سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ خدا نے جو دین موسیٰ پر نازل کیا تھا اس میں یقیناً ارتداد کی سزا موت تھی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ سزا نافذ کی گئی یا نہیں؟''

۳۔ ''اب گفتگو اس میں ہے کہ آیا محمد ﷺ پر نازل شدہ دین میں بھی یہ قانون باقی تھا یا منسوخ ہو گیا۔ اسکے لئے سورۂ توبہ کی آیت ایک سو بارہ تک ملاحظہ ہوں۔'' [3]

آیات کا ترجمہ نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

''آخری فقرے میں جن سرداروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اُن سے مراد مرتدین کے سوا اَور کوئی نہیں ہوسکتا۔'' [4]

(۴) ''ارتداد کی سزا کے متعلق احادیث کے حکم کو بلا استثناء سارے ہی فقہا نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ احکامی حدیثوں کو وہ بڑی چھان بین کے بعد

---

۱ محاسبہ صفحہ ۳۹ ۲ تبصرہ صفحہ ۱۳۱ ۳ تبصرہ صفحہ ۱۳۱ ۴ تبصرہ صفحہ ۱۳۴

قبول کرتے ہیں خصوصاً ایسی حدیث کی تو انتہائی چھان بین کی جاتی ہے جس سے کسی انسان کا خون حلال ہوتا ہے۔''

(۵) (ارتداد کی سزا موت ہونے پر) ''اجماع صرف اس سے ثابت نہیں ہے کہ فقہ اسلامی کے تمام مدارس ارتداد کی سزا پر متفق ہیں۔ بلکہ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند ہی مہینے بعد تمام صحابہؓ نے بالاتفاق مرتدین کے خلاف جنگ کی۔ اور یہ جنگ بربنائے بغاوت نہ تھی بلکہ بربنائے ارتداد تھی جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اعلانِ عام میں بالفاظِ صریح مذکور ہے۔'' [۱]

اب ہمیں بتایا جائے کہ جو چیز قرآن، سُنّت اور اجماع سے ثابت ہے وہ اسلامی قانون نہیں ہے تو اَور کیا ہے؟

یہ ہے مؤلفین تبصرہ کی تنقید کا ملخص جو اُنہوں نے فاضل ججوں کی آراء پر کی ہے۔ اب ہم اِس کا نمبروار جواب دیتے ہیں۔

جواب

نمبر۱ درست ہے۔ لیکن ارتداد کی سزا موت ہونے کے متعلق قرآن میں کوئی حکم واضح یا براہ راست موجود نہیں ہے جیسا کہ فاضل ججوں نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔

اور آج سے تیس سال قبل ۱۹۲۵ء میں جب قتلِ مرتد کے مسئلہ پر بہت سے علماء اور مسلمان لیڈروں نے مضامین لکھے تو اس وقت بھی

(الف) مولانا شاکر حسین شہسوانی کو صاف الفاظ میں اقرار کرنا پڑا تھا کہ:۔

''اِس امر میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں کہ قرآن پاک میں قتلِ مرتدین کا کوئی صریح و غیر صریح حکم موجود نہیں۔'' [۲]

(ب) اور مولانا ظفر علی خان صاحب نے اخبار ہمدرد کے ان مضامین

---

[۱] تبصرہ صفحہ ۳۶ [۲] زمیندار ۲۳ /مارچ ۱۹۲۵ء

کا جواب دیتے ہوئے جن میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے یہ اعتراف کیا تھا کہ :۔

''بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ ہمدرد کی پیش کردہ آیات میں مرتد کے لئے سزائے قتل کا ذکر نہیں ۔اور ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ غالباً کسی دوسری آیت میں بھی بالتصریح ایسا حکم نظر نہیں آتا۔''

مگر آج مؤلفین تبصرہ لکھ رہے ہیں کہ قرآن مجید نے براہ راست اور واضح طور پر یہ حکم بیان کیا ہے کہ ارتداد کی سزا موت ہے۔

نمبر ۲ و ۳۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ سورہ بقرہ ۵۴ ویں آیت **فاقتلوا انفُسکم** سے ثابت ہوتا ہے کہ دینِ موسوی میں ارتداد کی سزا موت تھی اور وہی قانون اسلام میں بھی باقی رکھا گیا۔

اب ہم اِس آیت کی تفسیر قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں ۔کیونکہ مؤلفینِ تبصرہ نے اس آیت کو بُنیاد کے طور پر قرار دیا ہے ۔وہ آیت یہ ہے:۔

''اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجلَ فَتُوْبُوْآ اِلٰی بَآرِئِکُمْ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ.'' [1]

یعنی اے بنی اسرائیل! یقیناً تم نے بچھڑے کو معبود بنانے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔پس تم اپنے پیدا کرنیوالے کی طرف اپنی جان و دل سے رجوع کرو۔توبہ کرو اور اپنی جانوں یا مردوں کو قتل کرو۔

اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ ارتداد کی سزا موت ہے اس لئے درست نہیں کہ مرتد کے لئے جو خود ساختہ سزا اسلامی سزا بتائی جاتی ہے وہ اس سزا سے جو ان کے خیال میں گوسالہ پرستوں کو دی گئی تھی مطابقت نہیں رکھتی ۔اور گوسالہ پرستوں کے متعلق قرآن مجید شاہد ہے کہ انہوں نے توبہ بھی کی تھی جیسا کہ آیتِ شریفہ مندرجہ ذیل سے ظاہر ہے:۔

---

[1] البقرہ ع ۶

وَلَمَّاسُقِطَ فِیۡ اَیۡدِیۡھِمۡ وَرَأَوۡااَنَّھُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡاقَالُوۡالَئِنۡ لَّمۡ یَرۡ حَمۡنَا رَبُّنَاوَ یَغۡفِرۡلَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ ا لۡخٰسِرِیۡنَ o'' [۱]

یعنی جب وہ اپنے کئے پر نادم ہوئے اورانہیں یقینی طور پر اپنی ضلالت اور غلطی کا علم ہوگیا توانہوں نے کہایقیناً اگر اللہ ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری کمزوریوں کو نہ ڈھانپے تو ہم ضرور ٹوٹا پانے والے ہوں گے۔

مشہورومعروف مفسّرین میں سے محمد اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان نے اِس آیت کی تفسیر میں لکھاہے:۔

''توبہ سے مرادقتلِ نفس نہیں بلکہ یہ بیان کرنامقصود ہے کہ

''ان تو بتھم لاتتم و لا تحصل الّا بقتل ا لنفس ''

یعنی ان کی توبہ کی تکمیل قتلِ نفس کے ساتھ ہوسکتی ہے۔کیونکہ موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی مطلع فرمایا تھا:۔

''انّ توبۃ المرتدّ لاتتم الّابالقتل ''

کہ مُرتد کی توبہ اُسی وقت تمام ہوسکتی ہے جب وہ قتل کردیا جائے۔'' [۲]

(۲)تفسیر مذکورہ کے جلد ا صفحہ ۹۴ میں لکھاہے کہ ان میں سے ستّر ہزار قتل کئے گئے:۔

''فکان من قتل شھیداًومن مغفورۃ ذنوبہ ''

یعنی جوقتل کئے گئے وہ شہید تھےاورجو باقی رہ گئے ان کے گناہ بخش دیئے گئے۔

(۳) سامری کوجو اس فتنہ کا بانی تھااورجس نے بچھڑا بنا کر لوگوں کواسکی پرستش کے لئے ورغلایا تھااورجس نے حضرت موسیٰؑ کے جواب طلب فرمانے پر بے باکانہ اقرارجُرم بھی کیا تھا سزائے موت نہیں دی گئی۔بلکہ صرف یہ فرمادیا گیا:۔

---

[۱] اعراف ع ۱۸

[۲] روح البیان جلد ا صفحہ ۹۳ بحوالہ تفسیر کبیرالرازی۔اوریہی معنے فتح البیان میں لکھے ہیں۔

''فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوۃِ اَنْ تَقُوْلَ لَامِسَاسَ.'' [1]

جا اِس زندگی میں تیری یہی سزا ہے کہ کہتا رہے مجھے ہاتھ نہ لگانا۔

آیت کی مندرجہ بالا تفسیر کو مدّنظر رکھتے ہوئے ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) سامری کے بچھڑے کو پُوجنے والوں کی سزا قتل مقرر نہیں کی گئی تھی بلکہ تکمیلِ توبہ کی شرط قتل رکھی گئی تھی۔ یعنی ان کی توبہ اسی وقت مکمّل ہوگی جب وہ قتل ہوں گے۔ جب بعض مجرم دوسرے مجرموں کے ہاتھوں قتل کئے جا چکے تو قتل کا حکم منسوخ کر دیا گیا اور بقیہ مجرم قتل نہ کئے گئے۔

(۲) جو قتل کئے گئے وہ شہید کہلائے کیونکہ قتل سے پہلے وہ حقیقی توبہ کر چکے تھے۔ اور جن کے حق میں قتل کا حکم منسوخ ہوگیا ان کے گناہ بھی معاف کر دیئے گئے۔

(۳) اور سامری کو جو اس فتنہ کا بانی تھا۔ جس نے کھُلے بندوں اقرارِ جُرم کیا جو اس اقرار پر آخر دم تک قائم ومُصر رہا تھا قتل کی سزا نہیں دی گئی۔

(۴) علاوہ ازیں فاقتُلوا انفُسَکُم کے ایک معنے تفسیر مذکورہ کے صفحہ ۹۵ اور دوسری تفاسیر میں بھی یہ لکھے ہیں:۔

''فاقتلوا انفسکم بقمع الھویٰ''

کہ تم اپنے نفسوں کو خواہشات نفسانی کا قلع قمع کرنے کے ذریعہ مارو۔

اِس تفسیر کے لحاظ سے اِس آیت میں قتلِ نفس کا مطلقاً کہیں ذکر نہیں ہوگا اور اِس آیت شریفہ میں قتلِ نفس سے نفسانی خواہشات کا قتل مراد لینا جائز اور درست تسلیم کر لیا گیا تو قتلِ نفس جیسے نازک اور اہم معاملہ میں اس آیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔ بلکہ بحکم اذاجاء لاحتمال بطل الاستدلال وہ استدلال باطل ہوگا۔

اور دوسرے مقام پر گوسالہ پرستوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

''یقیناً جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب اور اِس دنیا میں ذلّت پہنچے گی۔ اور جھوٹ باندھنے

---

[1] طٰہٰ ع ۵

والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔
اور وہ لوگ جنہوں نے بُرے عمل کئے پھر انکے بعد توبہ کی اور ایمان لائے
یقیناً تیرا رب ان کے ایمان لانے کے بعد غفور رحیم ہے۔'' [۱]

اِس آیت میں بھی گوسالہ پرستوں کی سزا قتل نہیں بیان کی گئی بلکہ اصولاً بتایا گیا ہے کہ جو بدی کے بعد توبہ کر لیتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کے گناہ بخش دیتا ہے۔اور بشرطِ تسلیم کہ فاقتلوا انفسکم سے مراد ظاہری قتل ہی ہے تو حکم یہ بنتا ہے کہ مرتد پہلے تو حقیقی توبہ کرے اور جب وہ توبہ کر لے تو اسکو قتل کر دینا چاہئیے۔اور جو شخص فتنۂ ارتداد کا اصل بانی ہونے کے بعد اپنے جُرم کا علی الاعلان معترف بھی ہو وہ بے شک قتل نہ کیا جائے۔ بلکہ کھُلا چھوڑ دیا جائے۔

پس اس آیتِ شریفہ کو اسلام میں ارتداد کی سزا موت کے لئے بنیاد قرار دینا قطعاً باطل ہے۔

۲۔آیت لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

عجیب بات ہے کہ آیت شریفہ فاقتلوا انفسکم سے مراد ارتداد کی سزا قتل ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ بچھڑے کی پرستش کے جُرم میں ہزار ہا بنی اسرائیل قتل کئے گئے بحالیکہ اس کے بعد آیت شریفہ لن نؤمن لك حتّٰى نرى الله جهرةً میں پھر ان کی اسی قسم کی ایک اَور سرکشی اور اُنکے تمّرد کا ذکر ہے کہ انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ ''جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔'' انکا یہ گناہ بھی گوسالہ کو معبود بنانے سے کچھ کم گناہ نہ تھا۔کیونکہ پہلی بار تو انہوں نے ایک مجسّم مادّی چیز کو خدا بنایا تھا۔اور دوسری بار اللہ تعالیٰ کو جو نُور ہی نُور ہے مادّی صورت میں اپنے سامنے دیکھنے پر اتنے مصر ہوئے کہ جب تک دیکھ نہ لیں اپنے وقت کے نبی حضرت موسیٰؑ کو بھی نہیں مانیں گے۔اگر وہ انکا پہلا فعل کفر تھا تو یہ دوسرا بھی کفر تھا لیکن اسکی پاداش میں وہ قتل نہیں کئے گئے۔

۳۔اور بنی اسرائیل کے متعلق اللہ تعالیٰ خاص طور پر فرماتا ہے

---

[۱] اعراف ع ۱۹

''مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادًافِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًاط'' ؂۱

یعنی اس لئے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض کیا تھا کہ جس شخص نے ایسے شخص کو قتل کیا کہ اس نے کوئی ناحق کا خون نہیں کیا تھا یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو نہ بغاوت کے طور پر امن عامہ میں خلل ڈالتا تھا اور نہ زمین میں فساد پھیلاتا تھا تو اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل کو سوائے ان دو سبب کے کسی نفس کو قتل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو گوسالہ پرستی کے وقت قتل کی سزا دی گئی تو وہ اُنہی لوگوں کو دی گئی ہوگی جو حضرت موسیٰؑ سے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ بائیبل میں یہ صاف آتا ہے کہ انہوں نے موسیٰؑ کے خلاف باتیں کیں اور قرآن مجید میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت ہارونؑ کی بات نہ مانی۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بنی اسرائیل کے نبی ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھے۔

پس آیت زیر بحث میں نہ تو عام مرتدین کے ارتداد کی سزا میں قتل کئے جانے کا حکم ہے اور نہ وہ سزا جس کا ذکر اس آیت میں علماء تسلیم کرتے ہیں۔ اس سزا کے مطابق ہے جو انہوں نے مرتد کی اسلامی سزا قرار دے رکھی ہے۔

سورۂ توبہ کی آیات

مؤلفین تبصرہ نے سورۂ توبہ کی ابتدائی بارہ آیات کا ترجمہ نقل کرکے بارھویں آیت کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

''آخری فقرے میں کفر کے جن سرداروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے مراد مرتدین کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔'' ؂۲

یاد رہے کہ اِن آیات میں اُن مشرکوں کا ذکر ہے جنہوں نے اس زمانہ میں جبکہ

؂۱ المائدہ ع ۵ ؂۲ تبصرہ صفحہ ۱۳۴

آنحضرت ﷺ مکّہ معظّمہ میں تھے نہایت بے دردی اور بے رحمی سے کئی مسلمان مرد، عورتیں اور بچّے ناحق قتل کر دیئے تھے۔ اور ان مظلوموں کا خون ان کی گردن پر تھا۔ اور ان کا ایک بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اقدامِ قتل کے مرتکب ہوئے تھے۔ نہ ایک بار بلکہ بار بار۔ اور ہجرت کے بعد بھی انہوں نے مسلمانوں کی بربادی، تباہی اور ہلاکت کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اور ان سے جنگ کی۔ اور اس جرم کے مرتکب سب کے سب مشرک تھے۔ بعض اُن میں سے قاتل تھے اور بعض اُن کے ہم راز ومعاون۔ پھر اُنہوں نے مسلمانوں سے صلح کے معاہدات کئے لیکن کسی معاہدے پر قائم نہ رہے۔ اور جب موقع پاتے عہد کو توڑ دیتے اور دورانِ مدّتِ معاہدہ میں مومنوں کو قتل کر دیتے۔ اور اُن کے مال لُوٹ لیتے تھے۔ اِنہیں فتنہ پرداز مشرکینِ عرب کو جو ریاست کے لئے ایک مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے اور اپنی بد عہدیوں، زیادتیوں، خونریزیوں اور دیگر سیاسی جُرموں کی وجہ سے قتل کے مستوجب ٹھہر چکے تھے۔ ۹ھ میں حج کے موقع پر یہ عام نوٹس دیا گیا کہ اب انہیں زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک اس ملک میں ٹھہرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اِس عرصہ میں وہ یا تو ملک سے نکل جائیں (جیسا کہ انہوں نے خدا کے رسولؐ اور مومنوں کو ان کے وطن سے نکالا تھا) یا سمجھ لیں کہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے قتل کر دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اِنہی مشرکین کے معاہدات کی عدم پابندی اور مومنوں کے متعلق ان کی بُری نیّتوں اور بد ارادوں کا ذکر فرماتا ہے:۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ .'' الخ

یعنی کیسے ہوسکتا ہے مشرکین کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کوئی عہد بجُز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ وہ جب تک اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے جبکہ مشرکوں کا یہ حال ہے کہ تم پر قابو پا جائیں تو تمھارے معاملے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں نہ کسی عہد و پیماں کا۔''

''اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے متعلق جنہوں نے معاہدات کی پابندی نہ کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے لئے جبر وتشدّد کا طریق اختیار کیا۔فرماتا ہے:۔

''فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوۡا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ ط''

یعنی اِن متواتر بدعہدی کرنیوالے لوگوں کے لئے جن کے سخت جرائم کی وجہ سے ہم نے ان کے قتل کا حکم دیا یہ رعایت رکھی جاتی ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور ایسے جرائم سے باز آجائیں اور نماز قائم کرلیں اور زکٰوۃ دیں تو اے مسلمانو! وہ تمھارے دینی بھائی ہوں گے یعنی پھر ان سے تعرض نہ کیا جائے۔وہ ہمارے اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

اس سے اگلی آیت یہ ہے:۔

''وَاِنۡ نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَھُمۡ مِنۡ بَعۡدِ عَھۡدِھِمۡ وَطَعَنُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّۃَ الۡکُفۡرِ اِنَّھُمۡ لَاۤ اَیۡمَانَ لَھُمۡ لَعَلَّھُمۡ یَنۡتَھُوۡنَ ۝''

یعنی اگر وہ اپنی قسمیں معاہدہ کرنے کے بعد توڑ دیں اور تمھارے دین میں طعن کریں تو کفر کے سرداروں کے ساتھ جنگ کرو۔ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید وہ باز آجائیں۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ فتح البیان لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اِن نکثُوا سے مراد ایمان کے بعد ارتداد نہیں بلکہ اس کے معانی یہ ہیں کہ اگر کفار ان عہدوں کو جو مسلمانوں سے باندھے تھے توڑ دیں اور عہد شکنی پر قائم رہیں (فتح البیان جلد۴ صفحہ ۲۷)

اور علامہ الالوسی مفتیٔ بغداد اپنی مشہور تفسیر رُوح المعانی میں لکھتے ہیں:۔

''وان نکثوا عطف علی قولہ سبحانہ فان تابوا''

یعنی وانکثوا معطوف ہے فان تابو پر۔یعنی مشرکینِ عرب جن کا اِن آیات میں ذکر ہے۔اگر توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکٰوۃ دیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں اور اگر ایسا نہ کریں بلکہ عہد شکنی کریں یا عہد شکنی پر قائم رہیں تو ان کے لیڈروں سے جنگ کرو۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ معنے اس مقام کے زیادہ مناسب اوراولیٰ ہیں ارتداد کے نہیں۔(روح المانی جلد۳ صفحہ ۲۷۹)

گویا اِن دونوں آیتوں میں مشرکینِ عرب کی جن کا پہلی آیات میں ذکر دو حالتیں بیان کی ہیں۔ایک حالت اسلام اختیار کرنے کی دوسری حالت اسلام اختیار نہ کرنے کی اور عہد شکنی کی۔

برخلاف اسکے مؤلفینِ تبصرہ اِس بات پر مُصر ہیں کہ یہاں ''اَیْمَان'' سے اسلام قبول کرنے کا عہد اوراسکی قسمیں مراد ہیں۔پہلی صورت جو مقبولۂ مفسّرین بھی ہے ارتداد یا اس کی سزا کے ذکر کا شائبہ تک نہ پایا جانا تو ظاہر ہی ہے۔مؤلفینِ تبصرہ نے اینچ تان کر جو بات پیدا کی ہے اس سے بھی محض ارتداد کی سزا قتل ثابت نہیں ہوتی۔

(۱) اوّل اس لئے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انہیں قتل کردو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اُن سے جنگ کرو۔

(۲) دوسرے اس لئے کہ جنگ کرنے کی وجہ اس سے اگلی آیت میں فرمائی ہے کہ:۔

''اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْماً نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ وَھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَھُمْ بَدَاءُ وْکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط اَتَخْشَوْنَھُمْ فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْہُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ o قَاتِلُوْھُمْ یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ بِاَیْدِیْکُمْ وَیُخْزِھِمْ وَیَنْصُرْکُمْ عَلَیْھِمْ ط''

یعنی کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑوگے جنہوں نے قسمیں کھا کر بارہا اپنے عہد توڑ دیئے۔اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو بدر کرنے کے عزائم کئے تھے۔اورتم سے جنگ کرنے میں پہل کی۔کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو سُنو! اللہ تعالیٰ ہی کا یہ حق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ اِن سے لڑو۔اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے گا اوران کو رسوا وذلیل کرے گا۔اوران کے خلاف تمھاری مدد

کرے گا۔''

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی تین وجہیں بیان فرمائی ہیں ۔اوّلاً یہ کہ انہوں نے اپنے معاہدات کی پابندی نہیں کی ۔دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے اخراج کا باعث بنے ۔تیسری یہ کہ جنگ میں ابتداء انہیں کیطرف سے ہوئی ۔لیکن ان تینوں وجہوں میں سے ایک میں بھی ارتداد کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ بحالیکہ اگران آیتوں میں مرتدین کا ذکر تھا۔اور بقول مؤلفینِ تبصرہ مرتد کی سزا قتل تھی تو ان سے جنگ کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی کہ انہوں نے ارتداد کیا۔اور یہ اسوجہ کے بیان کر دینے کا بہترین موقع تھا۔کیونکہ اس کے بیان کر دینے سے ایک تو وجوہِ جنگ میں ایک نہایت اہم اور جنگ کے لئے جوش دلانے والی وجہ کا اضافہ ہو جاتا۔دوسرے یہ بات بھی کہ مرتد کی سزا قتل ہے پوری صفائی سے ظاہر ہو جاتی ۔

اوراگران نکثوااَیمانھُم میں عہد شکنی سے توبہ اورظاہری نماز ادا کرنے اورزکوٰۃ دینے سے انکارمرادلیا جائے تواس صورت میں بھی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنے جرائم کی وجہ سے قتل کی سزاء کے مستوجب ہو چکے تھے اوران کے متعلق فاقتلو ا المشر کین حیث وجد تمو ھم کا الٰہی حکم بھی نازل ہو چکا تھا۔لیکن ظاہری طور پر اسلام کا اظہار کرنے اوراپنی گزشتہ خلاف اسلام کارروائیوں سے توبہ کرنے کی وجہ سے وہ قتل کی سزا سے مستثنٰی کئے گئے تھے لیکن جب انہوں نے اپنے اعمال سے ثابت کردیا کہ وہ اس عہد کے پابند نہیں رہے اور پھر مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ۔اُنہیں قتل کرنا شروع کردیا اوراُن کے مال لُوٹ لئے ۔نمازیں ترک کردیں ۔زکوٰۃ دینے سے انکارکردیا تواب ان کی وہی پوزیشن ہوگئی جوتوبہ سے پہلے تھی ۔اس لئے وہ اپنے سابقہ اورموجودہ جرائم کی وجہ سے اِس لائق ہوگئے کہ اُن سے جنگ کی جائے اورانکی طاقت توڑ دی جائے ۔اس میں محض ارتداد کی سزا موت ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے ۔

ان آیات میں توارتداد کا لفظ بھی مذکور نہیں ہے لیکن جن آیتوں میں ایمان کے بعد کفراورارتداد کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں ان میں سے بھی کسی آیت میں ارتداد کی

سزا موت ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے ان آیات میں تو ارتداد کا لفظ بھی مذکور نہیں ہے لیکن جن آیتوں میں ایمان کے بعد کفر اور ارتداد کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں ان میں سے بھی کسی آیت میں ارتداد کی سزا موت ذکر نہیں کی گئی۔ آخرت ہی میں عذاب دیئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے اور دنیا میں ناکامی کا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں آیات:۔

۱۔ بقرہ ۲۷ع کی آیت:۔ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ.

۲۔ آل عمران ۹ع کی آیت:۔ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

۳۔ مائدہ ۸ع کی آیت:۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِه. الخ

۴۔ نحل ۱۴ع کی آیت:۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ بَعْدَ اِيْمَانِهٖ. الخ

۵۔ سورۂ محمد ۳ع کی آیت:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ الخ

وغیرہ آیات میں ارتداد اور ایمان کے بعد کفر کا ذکر ہے مگر کسی آیت میں بھی ارتداد کی سزا موت نہیں بتائی گئی۔

۶۔ سورۂ بقرہ ۱۷ع کی آیت:۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ

کی تفسیر میں ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ بہت سے لوگ تحویلِ قبلہ کے وقت اسلام سے مرتد ہو گئے تھے لیکن کسی کو قتل کی سزا نہ دی گئی۔

۷۔ آل عمران ۸ع کی آیت:۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ جو مومنوں پر نازل ہوا ہے شروع دن میں اس پر ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصّے میں انکار کردو، تا دوسرے مومن بھی اپنے دین کی طرف واپس آجائیں۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو وہ ایسا کہاں کر سکتے تھے۔

۸۔ سورۂ نساء ع کی آیت:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا

سے بھی ظاہر ہے کہ اگر ارتداد کی سزا موت ہوتی تو دوبارہ ایمان لانے کا موقع ہی کہاں تھا۔

اِس آیت کی تفسیر میں علّامہ الالوسی البغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ میں امام حسن بصری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اہل کتاب کا ایک گروہ ایمان لاتا تھا اور پھر انکار کر دیتا تھا لیکن اس میں سے کسی کو بھی موت کی سزا نہیں دی گئی۔

۴۔ احادیث

ہمارے نزدیک احادیث میں بھی محض ارتداد کی سزا قتل اور موت کہیں بیان نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے متعدد احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ محض ارتداد کی سزا ہرگز قتل نہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ بخاری میں جابر بن عبد للہؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی مدینہ منورہ میں آیا اور اس نے اسلام پر بیعت کی اور پھر اس نے تین دفعہ بیعت واپس لینے کے لئے کہا مگر وہ قتل نہیں کیا گیا اور نہ اس سے کسی نے کچھ کہا۔ آخر مدینہ چھوڑ کر چلا گیا۔[۱]

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر مشرکینِ مکّہ کے ساتھ صلح کے معاہدے میں یہ شرط تسلیم فرمائی کہ جو شخص مرتد ہو کر ان کے پاس چلا جائیگا اُسے واپس نہیں کریں گے اور جو مسلمان ہو کر مدینہ آئیگا وہ اُن کے پاس واپس کر دیا جائیگا۔[۲]

اگر اللہ تعالیٰ نے مرتد کی سزا قتل مقرر کی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِس شرط کو جس کی

۱۔ بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۲۔ بخاری کتاب الصلح

رُو سے مرتد کو زندہ چھوڑنا پڑتا تھا منظور ہی کہاں فرما سکتے تھے مگر حضور ﷺ نے تو یہ شرط منظور فرمالی اور اتنا فرمانے کی بھی ضرورت نہ سمجھی کہ جب ہم مسلمان ہو کر مدینہ آجانیوالے کو تمھیں واپس کردیں گے تو یہاں سے مرتد ہو کر مکّہ چلے جانیوالے کو تمھیں بھی واپس کرنا ہوگا تا شریعت کی مقررہ سزا دینے کے لئے اس کی گردن ماری جائے۔

۳۔ فتح مکّہ کے دن عبداللہ بن ابی سرح کاتبِ وحی کو جب مرتد ہوگئے تھے حضرت عثمانؓ کے پناہ دینے پر رسول اللہ ﷺ نے بھی پناہ دیدی اور وہ قتل نہ کئے گئے۔ بعد کو وہ اسلام لے آئے۔ [۱]

۴۔ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الدیات میں ابو قلابہؓ سے روایت کی ہے جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوائے تین حالتوں کے کسی کو قتل نہیں کیا۔ ایک ان میں سے **اورجل حارب اللّٰہ ورسولہ وارتدّ عن الاسلام** کا ذکر کیا ہے یعنی وہ شخص جس نے اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کیا اور اسلام سے مرتد ہوگیا۔

اور یہی روایت امام بخاریؒ نے زیر آیت **اِنَّمَا جَزٰٓؤُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَاداً.** الآیۃ ذکر کی ہے اور اس میں صرف ''اَو **حارب اللّٰہ ورسولہ**'' ذکر کیا ہے۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ قتل کی اصل وجہ خدا اور رسولؐ سے محاربہ کرنا اور زمین میں فساد کرنا ہی ہے۔

فقہا نے استخراجِ احکام کے لئے یہ اصول تسلیم کیا ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ اِس اصول کے ماتحت محاربہ کی جو قید ان روایات میں بیان ہوئی ہے وہ اِن روایات میں بھی تسلیم کرنی پڑے گی۔ جن میں قطعاً یہ قید موجود نہیں ہے۔

ہمیں آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک کے خاص حالات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اسوقت مسلمان اور کافر دو متحارب کیمپوں کی صورت میں تھے۔ ایک کیمپ دارالاسلام کہلاتا تھا، دوسرا دارالکفر یا دارالحرب۔ باقاعدہ فوج دونوں کے پاس نہ تھی۔ جو مسلمان تھے وہ سب کے سب اسلامی فوج کے سپاہی شمار کئے جاتے تھے اور

---

[۱] تفسیر کبیر للرازی جلد ۵ صفحہ ۵۶۷ و روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۴۸۴۔

جو دارالحرب کے رہنے والے تھے وہ مخالف فریق کے فوجی سمجھے جاتے تھے۔ اسلئے ایسے حالات میں ایک مسلمان کے مرتد ہو کر کفار سے جا ملنے کا یہ مطلب تھا گویا اسلامی لشکر کا ایک سپاہی اپنے کیمپ کو چھوڑ کر دشمن کی فوج میں جا شامل ہوا ہے اور ایسے مفرور سپاہیوں کی سزا آجکل بھی تمام مہذّب ممالک میں بھی قتل ہی ہے۔ خصوصاً جبکہ اس سپاہی کی غدّاری روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہو۔ پس اگر آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بعض مرتدین قتل کئے گئے تو وہ مذہبی انحراف کی وجہ سے نہیں بلکہ سیاسی وجوہ کی وجہ سے قتل کئے گئے ہیں۔

۵۔ اجماع

جب قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے محض ارتداد کی سزا موت ثابت نہیں ہے تو اس پر اجماع کے کیا معنے؟ مؤلفین تبصرہ نے اجماع کے ثبوت میں وہ جنگ پیش کی ہے جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین سے کی تھی۔ اور لکھا ہے کہ یہ جنگ بر بنائے بغاوت نہ تھی بلکہ بر بنائے ارتداد تھی جیسا کہ ابو بکر صدیقؓ کے اعلانِ عام میں بالفاظِ صریح مذکور ہے۔ [۱]

جس شخص نے اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ اِس معاملہ میں مؤلفینِ ''تبصرہ'' کی تغلیط کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے محض ارتداد کی بناء پر ان سے جنگ نہیں کی تھی بلکہ ان لوگوں نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے سفّا کی و غارتگری شروع کر دی تھی اور اُن کو جو اُن میں سے اسلام پر قائم رہے تھے قتل کیا تھا اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت اسامہؓ نے اسی خطرہ کے پیشِ نظر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اس کے لشکر کو مدینہ واپس لانے کی اجازت چاہی تھی جو انکی سرکردگی میں ملک شام کی طرف جانے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی ''ان معی وجوہ الناس۔ [۲] الخ'' یعنی میرے ساتھ بڑے بڑے آدمی ہیں۔ اور مجھے ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرکین خلیفۂ وقت اور آنحضرت ﷺ کے حرمِ محترم اور دوسرے مسلمانوں پر حملہ کر دیں

---

[۱] مؤلفین تبصرہ نے اپنے استدلال کی بنیاد تو اس اعلان پر رکھی مگر اعلان کے الفاظ پیش نہیں کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ ابو بکرؓ کے کسی اعلان میں نہیں ہیں۔ [۲] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۶ واقعات ۱۱ھ۔

لیکن حضرت صدّیق اکبرؓ نے لشکر کو واپس لانے کی اجازت نہ دی۔
اور لشکر کی روانگی کے بعد مرتد قبائل میں سے بعض نے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ مشہور مؤرخ طبری لکھتا ہے:۔

''عبسؔ اور ذبیانؔ دو قبیلے جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ پر حملہ کیا حضرت اسامہؓ کی واپسی سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کے ساتھ جنگ کی''

تاریخ الخمیس میں ہے کہ خارجہ بن حصن جو مرتدّین میں سے تھا اپنی قوم کے کچھ سوار لے کر مدینہ کی طرف بڑھا اور اس نے مسلمانوں پر اُن کی بے خبری کی حالت میں چھاپہ مارا۔ [۱]

اور طبری لکھتا ہے کہ بعض مرتدین قبائل نے زکوٰۃ وغیرہ کی معافی کے لئے وفد بھیجے۔ ان کے واپس جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانانِ مدینہ کو اکٹھا کر کے یوں خطاب کیا:۔

''تمام ملک اب کافر ہے اور ان کے وفد نے تمہارا قلیل التعداد ہونا دیکھ لیا ہے۔ تمھیں معلوم نہیں کہ وہ رات کے وقت تم پر حملہ کر دیں یا دن کو۔ اور اُن میں سے قریب ترین لوگ تم سے صرف ایک منزل پر ہیں۔'' (ترجمہ از عربی عبارت)

تین ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے رات کے وقت آ کر مدینہ پر چھاپہ مارا۔
پس یہ وہ باغی مرتدین تھے جو کہ پایۂ تخت پر قابض ہو کر آپ حاکم ہونا چاہتے تھے۔ پھر ان مرتدین نے صرف مدینہ پر حملہ ہی نہیں کیا بلکہ اُن مسلمانوں کو بھی تہ تیغ کیا جو اُن قبائل میں سے مرتد نہیں ہوئے تھے۔

ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

''ووثب بنوذ بیان وعبس وعلیٰ من کان فیھم من المسلمین فقتلوھم وفعل ذٰلک غیر ھم من المرتدین.'' [۲]

---

[۱] تاریخ الخمیس جلد۲ صفحہ ۲۲۷ [۲] تاریخ ابن خلدون بقیہ جلد۲ صفحہ ۶۶

یعنی آنحضرت ﷺ کی خبرِ وفات سُنتے ہی بنوذبیان اور عبس نے ان لوگوں کوقتل کردیا جو اُن میں سے مسلمان تھے ۔اور اُن کے سوا جو دوسری مرتد قومیں تھیں انہوں نے بھی ان مسلمانوں کوقتل کرڈالا جو اُن میں آباد تھے ۔

پھرابن خلدون لکھتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :۔

''بنو ربیعہ نے (جو بحرین کا ایک قبیلہ تھا) ارتداد اختیارکیا اورمرتد ہونے کے بعد المنذر بن النعمان کو جومغرور کے لقب سے مشہور تھا اپنا بادشاہ بنالیا۔''

اسی طرح طبری لکھتا ہے :۔

''**ولم یقبل خالد بعد ھزیمتھم من احد** ۔[۱] الخ''

یعنی جب بنی اسد ، غطفان ، ہوازن ،بنی سلیم اوربنی طے کو شکست ہوئی توحضرت خالدؓ نے اُن کومعافی دینے س انکارکیاجب تک کہ وہ ان لوگوں کو پیش نہ کریں جنہوں نے مرتد ہونے کے بعد مسلمانوں کو آگ میں ڈال کرجلا دیا تھااوران کے ہاتھ پاؤں ناک وغیرہ کاٹے اوراُن پرظلم کئے تھے ۔

علامہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں :۔

''**وانّماقاتل الصدّیق مانعی الزکوٰۃلا نّھم امتنعوابالسیف ونصبوالحرب للامّۃ**''. [۲]

یعنی حضرت ابوبکرصدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے اس لئے قتال کیا کہ انہوں نے تلوار کے ذریعہ زکوٰۃ روکی اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ برپا کی ۔

اورمسلیمہ کذّاب نے بھی یمامہ سے آنحضرت ﷺ کے مقررہ فرمودہ والی ثمامہ بن اثال کو نکال کرخود اپنے حاکم ہونے کا اعلان کردیااورسجاح باغیہ سے جومسلمانوں کیساتھ قتال پرآمادہ تھی اتحاد کرلیااور کہا:۔''**آکل بقومی وقومک العرب .**'' ۔[۳]

یعنی میں اپنی اور تیری قوم کی مدد سے تمام عرب کوفتح کرلوں گا۔

باوجود اِن تاریخی حقائق کے مؤلفینِ تبصرہ کا یہ ادّعا کہ ارتداد کی سزاموت ہونے

---

[۱] طبری جلد۴صفحہ ۱۹۰۰ [۲] عینی جلد ۱۱صفحہ ۲۳۶ [۳] تاریخ الخمیس جلد۲صفحہ ۱۷۷

کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ:۔

''رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چند ہی مہینے بعد تمام صحابہؓ نے بالاتفاق مرتدین کے خلاف جنگ کی۔اور یہ جنگ بر بنائے بغاوت نہ تھی بلکہ بربنائے ارتداد تھی۔'' ۱؎

ان کی قلبی کیفیات کا پورا آئینہ دار اور ان کی دماغی کاوشوں کا ایسا شاہکار ہے جس کے متعلق کچھ کہنے سے نہ کہنا ہی بہتر ہے اگر یہ قتال محض ارتداد کی بناء پر ہوتا تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کو ارادۂ قتال سے باز رکھنے کے لئے کیوں کوشش کرتے۔وہ مرتدین سے قتال کے لئے اس لئے راضی نہیں ہوئے تھے کہ اسلام میں اتداد کی سزا قتل ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ قتال کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر ہے تو مَیں نے جان لیا کہ ایسا کرنا ہی درست ہے۔

تاریخی واقعات ناظرین کے سامنے ہیں وہ خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مرتد قبائل کے ساتھ جنگ جیسا کہ مؤلفینِ تبصرہ نے یقین دلانا چاہا ہے صرف اس لئے تھی کہ وہ مرتد ہوگئے تھے اور اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور ارتداد کے سوا ان کے ساتھ جنگ کرنے کی اَور کوئی وجہ نہ تھی۔یا یہ کہ وہ مانعینِ زکوٰۃ بھی تھے (جو حکومت کا حق تھا) اور بانیانِ فسادات بھی باغیٔ حکومت بھی تھے اور مرتکبِ بغاوت بھی۔اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے جنگ اس لئے کی تھی کہ انہوں نے اسلام پر قائم رہنے والوں کو قتل کیا اور ان کے اموال لُوٹ لئے۔مدینہ پر حملہ کرنے میں ابتدا کی اور وہ مدینے کی اسلامی حکومت کو بذریعہ شمشیر مٹا کر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔

۵۔مؤلفینِ تبصرہ کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ:۔

''ارتداد کی سزا کے متعلق احادیث کے حکم کو بلا استثناء سارے ہی فقہا نے صحیح تسلیم کیا ہے۔'' ۲؎

ہم نے اُوپر ثابت کر دیا ہے کہ احادیث میں محض ارتداد کی سزا موت نہیں بتائی گئی بلکہ ان میں محاربہ کی شرط لگائی گئی ہے اور ائمہ مجتہدین کے فیصلوں میں بھی ہمیں حارب

۱؎ تبصرہ صفحہ ۱۳۶ ۲؎ تبصرہ صفحہ ۱۳۶

اللّٰہ ورسولہ کی شرط مقدر ماننی پڑیگی اورفقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ اورفتح القدیراورعنایہ میں بالتصریح لکھا ہے کہ مرتد کوقتل کرنے میں یہ ضروری ہے کہ وہ اسکے حراب یعنی جنگی شرکو دُور کرنے کے لئے ہو نہ کہ اُس کے کفر اختیار کرنے کی سزا۔

پس قتل اسی شخص کے ساتھ خاص ہے جس سے حراب سرزد ہو اسی لئے انہوں نے عورتوں کو جو جنگ نہیں کیا کرتیں مرتد ہونے پر قتل کی سزا سے مستثنیٰ کیا ہے۔اورخود مؤلفینِ تبصرہ بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ارتداد کی سزالازماً ہرحال میں موت نہیں بلکہ انتہائی سزا ہے:۔

''مذہب حنفی میں مرتد عورتوں کو مستقلاً سزائے موت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ابراہیم نخعی مرتد کو رجوع کرنے کی غیر محدود مہلت دینے کے قائل ہیں۔'' [۱]

اسی طرح اور مثالیں بھی مختلف فقہا کے مذاہب میں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سزائے موت کو ارتداد کی واحد سزا سمجھنے کا خیال صحیح نہیں۔'' [۲]

پہلے تو مؤلفینِ تبصرہ نے بڑے کرّ وفر سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ احادیث میں جوارتداد کی سزا موت بیان ہوئی ہے وہ بلا استثناء سارے فقہا کو مسلّم ہے لیکن اب خود ہی یہ اقرار بھی کرلیا کہ حضرت امام ابراھیم نخعی جیسے بلند پایہ امام جن کے ممتاز تلامذہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت حمادؒ تھے۔مرتد کو رجوع کرنے کے لئے غیر محدود مہلت دینے کے قائل ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے قتل کے قائل نہیں۔نیز یہ بھی تسلیم کرلیا کہ حنفی مرتد عورت کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارتداد اختیار کرنے والے شخص کی سزا موت قرار دی ہے تو حضرت امام ابراہیم نخعی اور اُن جیسے اَور بلند پایہ بزرگ ائمہ نے اس حکم الٰہی کے خلاف مرتد کو غیر محدود مہلت دینے اور بعض قسم کے مرتدوں کو موت کی سزا سے مستثنیٰ کرنے کا جواز کہاں سے نکالا؟

پس حقیقت یہی ہے کہ محض ارتداد کی سزا موت نہ تو قرآن مجید میں بیان ہوئی نہ

---

[۱] نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۱۶۰و۱۶۲
[۲] تبصرہ صفحہ ۱۴۱

احادیث میں۔ اور نہ عقلِ سلیم ہی محض دینی اختلاف کی بناء پر یہ سزا تجویز کر سکتی ہے۔

اسلامی ریاست

پھر ان قباحتوں کی طرف اشارہ کر کے جو رپورٹ کے فاضل مؤلفین کی نگاہ میں اسلام کے اِس قانون سے لازم آتی ہے مؤلفینِ ''تبصرہ'' لکھتے ہیں کہ:۔

''ارتداد کی سزا اس صورت میں نہیں دی جاتی جبکہ اسلام ایک مذہب ہو۔ بلکہ اِس صورت میں دی جاتی ہے جبکہ وہ ایک ریاست کی شکل اختیار کر لے۔''[۱]

گویا ریاست کی شکل میں اسلام کی شکل وصورت مذہب کی نہیں رہتی بلکہ وہ نعوذ باللہ ہٹلری نیشنلزم کی صورت اختیار کر لیتا ہے مؤلفینِ تبصرہ نے اِس موقع پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ قرآن مجید کے بالکل مخالف ہیں۔ ایک مذہبی عقیدہ سے ارتداد اختیار کرنیوالے کو خواہ وہ اسلامی ریاست کا ہی باشندہ کیوں نہ ہو بہ جبر و اکراہ روکے جانے کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ ریاست میں منافقوں کی جماعت پیدا ہو جائے جو اسلامی تعلیم کا ہرگز منشاء نہیں ہے۔ اور قرآن مجید میں ان اصحابِ ریاست کی جنہوں نے تبدیلیٔ مذہب پر موت کی سزائیں جاری کیں سخت مذمّت کی گئی ہے اور انہیں مستوجبِ غضبِ الٰہی اور سزاوار جہنم قرار دیا ہے۔ مثلاً:۔

فرعونی ریاست (۱) فرعون کی ریاست میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نشان دیکھ کر ساحر ایمان لے آئے تو فرعون نے اُن کو مخاطب کر کے کہا:۔

''اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔۔۔۔ اِلىٰ ۔۔۔۔ مُنْقَلِبُوْن o''[۲]

یقیناً یہ تمہارا ایک مکر ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے۔ تاکہ اہل شہر کو شہر سے نکال دو (گویا بعینہٖ وہی الزام قائم کیا جو مؤلفینِ تبصرہ اسلامی ریاست کے ماتحت ارتداد اختیار کرنے والوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں جس کی بناء

[۱] تبصرہ صفحہ ۱۳۸ [۲] سورۂ اعراف ع ۱۴

پر ارتداد کی سزا موت ہونے کو جائز مستحسن خیال کرتے ہیں۔فرعون نے بھی یہی کہا سو تم کو اپنی کرتوت کا نتیجہ بھی جلد ہی معلوم ہو جائیگا۔ پہلے تو مَیں تمھارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا پھر تم سب کو سُولی چڑھاؤں گا۔ وہ بولے ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔

پھر فرعون کی مجلس شوریٰ کے ممبر یعنی سردارانِ قوم نے اپنی اجماعی رائے قائم کر کے فرعون سے کہا:۔

''اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ وَیَذَرَکَ وَاٰلِهَتَکَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَ هُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَ هُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ o'' [۱]

کیا آپ موسیٰ اور اسکی قوم کے لوگوں کو اِس حال پر چھوڑ دیں گے کہ ملک میں فساد پھیلاتے پھریں اور اُن کے لیڈر آپ سے اور آپکے معبودں سے سرتابی کریں؟ فرعون نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو تو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور یقیناً ہم ان پر غالب ہیں۔

قوم شعیبؑ کی ریاست (۲) پھر شعیبؑ کے سرداروں نے شعیبؑ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو یہ الٹی میٹم دیا:۔

''لَنُخْرِجَنَّکَ یَاشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَا اَوْلَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ کُنَّا کَارِهِیْنَ o'' [۲]

اے شیعب! یا تو ہم تم کو اور جو لوگ تمھارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔

مطلب یہ کہ تم ہمارے آبائی مذہب سے مرتد ہو گئے ہو اس لئے ہم تمھیں نکالنے سے پہلے توبہ کا موقع دیتے ہیں۔ حضرت شعیبؑ نے انہیں جواب دیا کہ

''خواہ ہم تمھارے دین سے بیزار ہوں تب بھی؟''

---

[۱] اعراف ع ۱۵ [۲] اعراف ع ۱۱

حضرت شعیبؑ کے اِس جواب سے دو باتیں ظاہر ہیں :۔

(۱) اوّل یہ کہ جب ہم تمھارے دین سے بیزار ہیں تو ہم سے یہ کہاں ہوسکتا ہے کہ اس میں واپس آئیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ بیزاری کی حالت میں واپسی ہو بھی تو اس سے تمھیں کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

رومی حکومت کے ماتحت یہود کی ریاست (۳) پھر حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے۔ یہود کو ان کی غلطیوں پر آگاہ کیا۔ لیکن یہود نے ان کے قتل کے منصوبے کئے اور کفر کا فتویٰ لگایا۔ چنانچہ سردار کاہن کائفا نے یہ سُن کر کہ وہ مسیح ہے کہا:۔

> ''اس نے کفر بکا ہے اور دوسرے کاہنوں سے کہا کہ تم نے یہ کفر سنا ہے تمھاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا۔ وہ قتل کے لائق ہے۔ پھر انہوں نے اسکے مُنہ پر تھوکا اور اس کے مُکّے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا۔ اے مسیح! ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا۔'' [۱]
>
> ''جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اُسے مار ڈالیں اور اُسے باندھ کر لے گئے اور پلاطس حاکم کے حوالے کیا۔'' [۲]

اور کہا:۔

> ''شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے'' [۳]

یہاں تک کہ اُنہوں نے انواع واقسام کے دُکھ دینے کے بعد آپکو صلیب پر لٹکا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور حکمت سے آپکو موت سے بچالیا۔

آپ کے شاگرد پیٹے اور عدالتوں میں گھسیٹے جاتے تھے۔ اُنہیں سزائیں دی جاتی تھیں اور مسیحؑ کا نام لے کر بات کرنے کی ممانعت کی جاتی تھی۔ [۴]

اُن میں سے بعض قتل اور بعض بے رحمی سے سنگسار کردیئے گئے اور یہود آپکے شاگرد ستفنس پر یہ الزام لگا کر کہ ہم نے :۔

---

[۱] متی ۲۶/۶۴-۶۷ [۲] متی باب ۲۷ [۳] یوحنا ۱۹/۷ [۴] یوحنا ۱۰/۲۱

''اسکو موسیٰ اور خدا کے خلاف کفر کی باتیں کرتے سُنا'' اور عام لوگوں اور فقیہوں کو اسکے خلاف اُبھار کر صدر عدالت میں لے گئے اور جھوٹے گواہ کھڑے کئے کہ یہ شخص اس پاک مقام اور شریعت کے خلاف بولنے سے باز نہیں آتا۔ اور بالآخر اسے شہر سے باہر نکال کر سنگسار کر دیا۔''[۱]

ان ایام میں حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں پر بڑا ظلم ہوُا۔ گھروں میں گھُس گھُس کر مرد اور عورتیں پکڑ لے جاتے اور قید کر دیئے جاتے تھے۔[۲]

رومی ریاست ۔ یہ سلسلۂ مظالم تین صدیوں تک جاری رہا۔ اصحاب الکھف جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے انھیں مظالم سے تنگ آ کر تاریک و تار غاروں میں سکونت اختیار کرنی پڑی تھی اور ان غاروں میں بھی ان کا تعاقب کیا جاتا۔ اور جس وقت ہاتھ آ جاتے نہایت بھیانک طریق سے قتل کر دیئے جاتے تھے۔ کیٹا کومبز آف روم ان مظالم کی زندہ گواہ ہیں ۔ اور ان پر مصیبت کے پہاڑ اس لئے ڈھائے جاتے تھے کہ ان کے عقائد اربابِ ریاست کے عقائد سے مختلف تھے۔

بُت پرستوں کی ایک ریاست ۔ ہاں ایک اَور ریاست کا ذکر سُنیئے ۔

آنحضرت ﷺ سے صحیح مسلم میں اصحابِ اخدود کے متعلق یہ روایت لکھی ہے کہ ایک بُت پرست بادشاہ نے ایک نوجوان کو ایک ساحر سے تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ اپنے گھر سے ساحر کے پاس جاتا تو راستے میں ایک عیسائی راہب کے پاس بیٹھ جاتا اور اس سے توحید سیکھا کرتا۔ جب بادشاہ کو اس کا علم ہوُا تو راہب گرفتار کر کے دربار میں لایا گیا اور اسے کہا گیا ''ارجع عن دینک'' یعنی اپنے مذہب کو چھوڑ دو۔ جب اس نے انکار کیا تو آرے سے چیر کر اسکے دو ٹکڑے کر دئے گئے ۔ اسکے بعد وہ نوجوان بھی قتل کر دیا گیا۔ اِس واقعہ کی وجہ سے بہت سے لوگ ان بُت پرستوں میں سے توحید پر ایمان لے آئے ۔ اُس بادشاہ نے کچھ خندقیں تیار کروا کر ان میں آگ جلوائی اور حکم دیا:۔

''من لم یرجع عن دینه فاقحموه فیها.''

---

[۱] اعمال ۷/۵۸   [۲] اعمال ۸/۳

یعنی یہ سب لوگ مرتد ہو گئے ہیں انہیں پہلے توبہ کا موقع دو اور جو شخص اپنے
سابق دین کی طرف نہ لوٹے اُسے آگ میں ڈال دو۔

آخر وہ سب آگ میں ڈال کر جلا دیئے گئے۔

سورۃ البروج کی آیات قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

مشرکینِ مکّہ کی ریاست ۔اب ایک اَور ریاست کا حال سُنیے ۔جس میں سردارِ دوجہاں قائد المرسلین خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ زینت بخشِ منصبِ نبوت ہوئے۔آپؐ نے پیغام الٰہی کی تبلیغ شروع کی تو مشرکینِ مکّہ نے آپؐ کی اس قدر شدید مخالفت کی کہ آپ کو پیغام الٰہی پہنچانا دشوار ہو گیا اور آپؐ کے ماننے والے پیاسے تڑپائے گئے ۔اور دھوپ میں جھلس دینے والی زمین پر لٹا کر سینے پر گرم پتھر رکھے گئے ۔اور ٹھیک دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹے گئے ۔دو مختلف سمتوں کی طرف جانیوالے اونٹوں کے ساتھ باندھ کر اور اونٹوں کو دوڑا کر چیر ڈالے گئے اور اسی طرح اور قِسما قِسم کی اذیتوں سے قتل کئے گئے اور تین سال تک آپؐ کے ساتھ بنی ہاشم کا بھی کلی طور پر بائیکاٹ کیا گیا جب آنحضرت ﷺ طائف تشریف لے گئے تو وہاں غنڈے اور بدمعاش آپؐ کے پیچھے لگا دیئے گئے جو آپ پر پتھر برساتے ہوئے شہر سے باہر دُور تک آپؐ کے تعاقب میں آئے اور بالآخر سردارانِ قریش نے اکٹھے ہو کر آپ کے قتل کا منصوبہ کیا اور کفار مکہ کے اپنی ریاست میں ان مظالم اور وحشیانہ جرائم کے ارتکاب کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مسلمان کو مرتد خیال کرتے تھے اور اسی غرض سے انہیں صابی یعنی اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کرنیوالا کہتے تھے۔

قرآن مجید کی کئی آیات میں مشرکینِ مکّہ کے ان مظالم کا ذکر کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ نے ان ریاستوں کا اور ان لوگوں کا بھی جنہوں نے محض اختلافِ عقیدہ کی بناء پر موت کی سزا دی یہ انجام بتایا ہے کہ وہ تباہ کر دیئے گئے اور ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔

پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جس امر کی بار بار مذمّت کی گئی ہو اُسی

کی اجازت بلکہ حُکم بھی دیا گیا ہو۔

لہذا

فاضل ججوں کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ:۔

(۱)''قرآن مجید میں ارتداد پر سزائے موت کی کوئی واضح آیت موجود نہیں ہے۔''

(۲)''لیکن ہمارے علماء محقّقین اسلام کو جنگجوئی سے کبھی علیحدہ نہیں کریں گے۔''[۱]

غیر مسلموں کا حقِّ تبلیغ

فاضل ججوں نے سزائے ارتداد اور غیر مسلموں کے حقِ تبلیغ کے مسئلہ کو باہم مربوط قرار دے کر لکھا ہے کہ:۔

''مولانا ابوالحسنات' غازی سراج الدین منیر اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے اس کا اعتراف کیا ہے (صرف آخرالذکر نے اس معاملے میں اپنی رائے کو علماء کی رائے کے ماتحت رکھا ہے) کہ ایک اسلامی مملکت میں اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو کھُلم کھُلا تبلیغ کی اجازت نہ ہوگی۔''

''مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے خیالات بھی اِس موضوع پر اس قسم کے ہیں جو انہوں نے اپنے کتابچہ ''اسلام میں مرتد کی سزا'' میں ظاہر کئے ہیں۔''

فاضل جج اس نظریّہ کا ذکر کر کے کہ ارتداد کی سزا موت ہوگی اور اسلام کے خلاف کسی حملے یا خطرے کو بھی غداری قرار دیا جائیگا اور اس کی سزا بھی وہی ہوگی جو ارتداد کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

''تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر غیر مُسلم مذہب کی کھُلم کھُلا تبلیغ ممنوع قرار پائے گی۔''[۲]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۳۸ [۲] رپورٹ صفحہ ۲۳۸

فاضل ججوں کا یہ نتیجہ ایک بدیہی نتیجہ ہے لیکن مولفینِ تبصرہ کے نزدیک یہ نتیجہ غلط اور اسکا یہ طریق تحقیق غیر موزون ہے کہ:۔

(الف) ''ایک آدھ عالمِ دین اور چند دوسرے لیڈروں سے عدالتی جرح میں دس پانچ معیّن اور سرسری سوالات کر کے ان مختصر الفاظ کو لیا جائے اور پھر ایک رائے قائم کر لی جائے۔'' [۱]

گویا مولوی ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صدر جمیعتہ العلماء پاکستان پر یہ سوال بھی اچانک کیا گیا تھا اور عالمِ حیرت میں انہوں نے یہ جواب دے دیا کہ غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہ ہوگی۔ العجب!

(ب) ''باقاعدہ علمی طریقے پر تحقیقات کی جاتی تو حسب ذیل حقائق سامنے آسکتے تھے۔

(۱) ارتداد اسلامی قانون میں بلاشبہ جُرم ہے صرف اسلام سے ارتداد نہ کہ ہر مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب شامل ہو جانا۔''

مگر یہ تو فاضل ججوں نے بھی لِکھا۔ شاید علمی تحقیق کے مکمّل نتائج پیش کرنے کے لئے ذکر کر دیا گیا ہے۔

(۲) ''ارتداد صرف مسلمان کے لئے جُرم ہے جو خود مرتد ہو نہ کہ غیر مسلم کے لئے۔ جس کے اثر سے متأثر ہو کر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے۔'' [۲]

گویا مؤلفینِ تبصرہ کے نزدیک زہر مہیّا کرنے اور اسکے کھانے کی ترغیب دینے والا مجرم نہیں ہوگا صرف کھانے والا مجرم ہوگا۔

مولفینِ تبصرہ نے سینما کی جو مثال دی ہے وہ بھی قطعاً بے محل ہے کیونکہ سینما دکھانے والوں کا یہ منشاء کہاں ہوتا ہے کہ اُسے دیکھ کر کوئی فریب دہی یا سرقہ کا مجرم بنے لیکن تبلیغ کرنے والے کا تو سوائے اس کے کوئی اَور مقصد ہی نہیں ہوتا کہ سُننے والا اس کے مذہب کو قبول کرے۔ اگر اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس مذہب کو اختیار کرنے کی سزا قانون میں موت ہوگی تو یقیناً دنیا کی کوئی سمجھدار حکومت اسکی تبلیغ و اشاعت کی اجازت نہیں دے گی۔

---

[۱] تبصرہ صفحہ ۱۴۳ [۲] تبصرہ صفحہ ۱۴۳

(۳) پھر مولفینِ تبصرہ ارتداد کی سزا موت تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

''غیر مسلم اپنی مذہبی کتاب چھاپ سکتا ہے۔اپنے مذہب کی تعلیمات کو اور اُن خوبیوں کو جو اسکے نزدیک اسکے مذہب میں ہیں تحریر وتقریر میں بیان کرسکتا ہے اور قانون کی حدود میں رہتے ہوئے مسلمانوں سے مذہبی مباحثہ بھی کرسکتا ہے بلکہ اپنے وہ اعتراضات اور شبہات بھی بیان کرسکتا ہے جو وہ اسلام کے بارے میں رکھتا ہو۔اس کی کوئی ممانعت ہمیں کہیں نہیں ملی ۔خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عیسائی، یہودی اور دوسرے لوگ دارالاسلام میں آتے تھے اور حضورؐ سے برسرِ عام مباحثہ کرتے تھے۔مذہبی مباحثہ اِس بات کو یہ مستلزم ہے کہ فریق ثانی اپنے مذہب کی خوبیاں بھی بیان کرے اور اسلام پر تنقید بھی کرے۔اسلام اپنے آپکو دلائل کے لحاظ سے مفلس نہیں پاتا کہ وہ استدلال کے میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے فوجداری عدالت کے ذریعہ سے مخالف مذہبوں اور مسلکوں کا مقابلہ کرے۔''[1]

اگر مولفینِ تبصرہ کا یہی عقیدہ ہے تو وہ بتائیں کہ کسی غیر مسلم کی تبلیغ اور اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے اور مباحثہ اور اسلام پر تنقید کرنے کے نتیجہ میں ۹۹۹ فی ہزار پیدائشی مسلمانوں میں سے جو بقول مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ''محض مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کی طرح نسلی مسلمان ہیں[2]'' بعض غیر اسلام مذہب قبول کرلیں تو آپکے نزدیک اُن کی سزا موت ہوگی یا نہیں ۔جب آپکے نزدیک اُن کی سزا یقیناً موت ہوگی تو کیا اس لغویت کا نام قانون رکھا جاسکتا ہے کہ ایک طرف تو مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ اور اسلام کی تنقیص وتنقید کی اجازت دے دی جائے اور دوسری طرف یہ تنبیہ بھی کی جائے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرے گا وہ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔مولفینِ تبصرہ اس کا نام قانون رکھیں تو رکھا کریں لیکن ظاہر ہے کہ نہ تبلیغ کی آزادی ہے نہ ضمیر کی۔

یہی وجہ ہے کہ احرار کی مجلسِ عاملہ کا مجلسِ دستور ساز سے یہ مطالبہ تھا کہ :۔

''پاکستان میں غیر مسلم تبلیغی اداروں اور خصوصاً مرزائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں پر کامل پابندی عائد کردی جائے تا کہ ملک میں ارتداد

---

[1] تبصرہ صفحہ ۱۴۴ [2] سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم صفحہ ۱۲۲-۱۰۶

کا فتنہ برپا نہ ہو اور مسلمانوں کو جوابی کارروائیوں کی ضرورت نہ پڑے۔"[1]

اخبار آزاد لکھتا ہے:۔

"اسلامی حکومت میں غیر اسلامی مذہب کو تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔"[2]

اور جیسا کہ فاضل ججوں نے لکھا ہے مولانا مودودی صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو تبلیغ کی اجازت نہ ہوگی۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں جب ایک شخص نے اُن سے سوال کیا کہ:۔

کیا اسلامی ریاست میں ایک قادیانی اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکے گا؟ تو آپ نے جواب دیا:۔

"ہمارے ہاں اگر کوئی شخص دین سے نکلنے کا اعلان کرتا ہے تو وہ صرف شخصی زندگی ہی نہیں بدلتا بلکہ ہمارے ریاستی نظام سے بغاوت کرتا ہے اور ملک میں فساد برپا کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص باہر سے آکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے اندر آکر ہمارے نظامِ اجتماعی کے خلاف ہمارے لوگوں کو بغاوت کی دعوت دیتا ہے۔ ان چیزوں کو دُنیا کی کوئی ریاست گوارا نہیں کر سکتی۔

اسی اصول کے ماتحت اب اِن لوگوں کے مسئلہ پر غور کیجئے جو مسلمانوں کے اندر سے خدا کے قانون سے بغاوت کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ ان لوگوں میں داخل نہیں ہوسکتے جن کی طرف نبی کی بعثت براہِ راست نہیں ہوئی (یعنی مسلمان لوگ) کہ ذمیوں میں شمار ہوسکیں۔ لازماً ان لوگوں میں شمار ہوں گے جن پر حق واضح ہو چکا ہے یا جن کے لئے وضاحتِ حق کے تمام وسائل موجود ہیں۔۔۔۔۔ اب اگر وہ خدا کے قانون سے بغاوت کرتے ہیں تو آخر خدا کا قانون ان کو کس غرض کے لئے مہلت

---

[1] "آزاد" ۱۰/اگست ۱۹۵۰ء [2] "آزاد" ۹/اکتوبر ۱۹۵۰ء

دے گا۔اب انکی ہدایت کے لئے کس چیز کا انتظار باقی ہے ۔ان لوگوں کوسورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَاجزٰٓؤُالَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْ ااَوْیُصَلَّبُوْا ۔آلایۃ کی رُو سے امام قتل کردینے کا مجاز ہے۔''[1]

مولانا مودودی صاحب کی اِس وضاحت کے بعدمؤلفینِ تبصرہ کا یہ کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے کہ:۔

''جو چیز اسلامی ریاست میں ممنوع ہے وہ ایک مخالفِ اسلام دعوت اورتحریک کا اُٹھنا ہے۔'' [2]

کیونکہ مولانا کے مذکورہ بالا ارشاد سے ظاہر ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلامی ریاست میں دین سے نکلنے کا اعلان کرے گا وہ باغی ہوگا۔اسلام پرتنقید واعتراضات کی اجازت تو کجاکسی غیر مسلم کی مذہبی تبلیغ بھی برداشت نہیں کی جائیگی ۔مزید برآں ہرغیر صالح مسلمان کے مذہبی خیالات وافکارکا اظہار بھی بغاوت کے مترادف ہوگا۔گویا جماعت اسلامی کے مخالف مسلمان جماعتیں بھی اگراپنے مخصوص اسلامی خیالات کا اظہار کریں گی تو وہ بھی باغی شمار ہوں گی اوراُن کی سزا بھی قتل ہوگی ۔

اس صورت میں مؤلفینِ تبصرہ کی فاضل ججوں کی رائے پر یہ طنزیّہ تنقید کہ:۔

''اثر ونتیجہ کے لحاظ سے یہ گویا ایک تنبیہ ہو جائیگی ۔تمام عیسائی مشنریوں کواوراُن کی پشت پناہ مغربی قوموں کے لئے''ملاّ کاراج'' کیا رنگ لانے والا ہے۔''[3]

کوئی معنی نہیں رکھتی جبکہ ارتداد کی سزا موت قرار دینے کا لازمی یہ نتیجہ ہے کہ غیر مسلموں کوتبلیغ کی اجازت نہ دی جائے ۔

---

[1] ترجمان القرآن ستمبر واکتوبر ۱۹۴۵ء [2] تبصرہ صفحہ ۱۴۵ [3] تبصرہ صفحہ ۱۴۲

غیر مسلم حکومتوں میں اس کا ردِّ عمل !

ظاہر ہے کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا یہ اوّلین فرض قرار دیا ہے کہ تمام دُنیا میں اسکی اشاعت کی جائے ۔اور اگر یہ درست ہے کہ فی الحقیقت اسلام کا قانون یہی ہے کہ اسلامی حکومت میں مرتد کی سزا قتل ہے اور غیر مسلم مذاہب کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی تو ردِّ عمل کے طور پر اگر غیر مسلم حکومتیں بھی اپنے اپنے ملک میں اسلام کو اپنے مذہب کے مخالف تحریک قرار دے کر مسلمانوں کو تبلیغ کی اجازت نہ دیں اور یہ قانون بنا دیں کہ اُن کے مذہب کو چھوڑ کر اسلام اختیار کرنے والے کو موت کی سزا دی جائے تو عقلاً اور انصافاً اُن پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے ؟اور کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو گا کہ اسلام کی تبلیغ رُک جائے ؟

ہر چہ بر خود مپسندی بر دیگراں ہم مپسند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

''احبّ للناس ماتحبّ لنفسک تکن مؤمناً''

یعنی تم مومن اسوقت ہو گے جبکہ تم دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

پس جب تم اپنے لئے یہ پسند کرتے ہو کہ تمھیں تبلیغِ اسلام اور اظہارِ رائے کی آزادی ہو اور نہیں چاہتے کہ غیر مسلمانوں میں سے مسلمان ہونے والوں کو کوئی قتل کرے تو دوسروں کے لئے کس طرح پسند کرتے ہو کہ انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق اور اظہار رائے کی آزادی حاصل نہ ہو۔اور اگر وہ تبلیغ کا کوئی موقع پائیں اور اُن کی تبلیغ سے کوئی شخص تمھارے مذہب سے نِکل کر اُن کے مذہب میں داخل ہو جائے تو تم بغیر اسکے کسی اَور لائقِ قتل جُرم کے محض تبدیلئ مذہب کی وجہ سے اسکو قتل کر دو۔کسی نے خوب کہا ہے ؎

کبھی بھُول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

خَاتمہ

مُطالبات

کیا بچّہ ابھی تک زندہ ہے؟

چونکہ مجلسِ عمل نے اس نوٹس میں جواُس نے وزیراعظم کو دیا تھا یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگروہ مطالبات قبول کرنے پرآمادہ نہیں تواپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیں ورنہ بصورت عدم منظوریٔ مطالبات ڈائریکٹ ایکشن کیا جائے گا۔اسلئے فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''بعد میں رونماہونے والے فسادات کابراہِ راست باعث مطالبات کوہی قراردیا جائے گا۔''[۱]

مطالبات کیا تھے؟

مطالبات تین تھے:۔

۱۔ پہلے مطالبے میں حکومت سے کہا گیا تھا کہ احمدیوں کے قادیانی فرقے کوایک غیرمسلم اقلیت قراردیا جائے۔

۲۔دوسرے مطالبے کامنشاء یہ تھا کہ چوہدری ظفراللہ خاں وزیرِ خارجہ کے عہدے سے برطرف کئے جائیں۔

۳۔اورتیسرا(مطالبہ) یہ تھا کہ وہ احمدی جومملکت کے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں موقوف کردیئے جائیں۔ [۲]

مطالبات مذہبی نوعیّت کے تھے

فاضل جج لکھتے ہیں کہ:۔ ''ہمارے سامنے سب جماعتوں نے تسلیم

۱؎ رپورٹ صفحہ ۱۹۴ ۲؎ رپورٹ صفحہ ۱۹۴

کیا ہے کہ ان تینوں مطالبات کی نوعیت سیاسی نہیں بلکہ قطعی طور پر مذہبی ہے ...اصل بات یہ ہے کہ کوئی شخص جوڈائریکٹ ایکشن میں شامل تھا ان مطالبات کی سیاسی نوعیت کو تسلیم نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا تو براہِ راست فسادات کا ذِمہ دار ٹھہرتا۔ ہر متعلقہ شخص نے اِن مطالبات کی مذہبی نوعیت پر اسلئے زور دیا ہے کہ اس پر کہیں ایک دنیاوی مقصد کی خاطر فسادات کے برپا کرنے کی ذمہ واری عائد نہ ہوجائے۔‘‘ [۱]

کیا مطالبات متّفقہ اورعوامی تھے؟

مؤلفینِ تبصرہ نے اِن مطالبات کو متفقہ اورعوام کے مطالبات قرار دیا ہے۔ اوراسکی دلیل یہ دی ہے سرکاری دفتروں کے ملازمین نے ہڑتال کردی تھی اورکالجوں کے طلبہ درس چھوڑ کر نکل آئے تھے ۔اورسیکرٹریٹ اوردوسرے دفتروں کے کلرکوں نے کام چھوڑ دیااور باہر نِکل آئے اورآئی جی پولیس نے بقول چندریگر یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اِس مسئلہ میں پولیس کے جوانوں کی وفاداری پر پُورا اعتماد نہیں کرسکتا۔ اورمیاں انورعلی نے کہا تھا کہ پولیس کے جونیئر افسروں کے نزدیک مطالبات منظور کر لینے چاہئیں ۔ [۲]

اصل واقعات جیسا کہ رپورٹ میں لکھے ہیں کہ:۔

’’۵؍مارچ کو جبکہ حکومت اوراحمدیوں کے اموال وجائدادکو آگ لگانے اورلُوٹنے کا ہنگامہ جاری تھا۔قتل‘لُوٹ اورآتشزدگی کے واقعات ہورہے تھے ۔اسلامیہ کالج کے طالب علموں کو اپنے میں شامل ہونے پرآمادہ کرلیااورانہوں نے خشت باری کرکے دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے اور پرنسپل کی موٹر کارکوبھی توڑ پھوڑ دیا۔

اسی روز سائیکلوسٹائل سے چھاپے ہوئے اشتہاردیواروں پر چسپاں کیئے گئے جن میں پولیس کے آدمیوں سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہتھیار ڈال دیں کیونکہ حکومت کے خلاف جدّ وجہد ایک جہاد ہے۔‘‘ [۳]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۹۴ [۲] تبصرہ صفحہ ۲۰۳-۲۰۴ [۳] رپورٹ صفحہ ۱۶۱-۱۶۲

اوراسی روز یعنی ۵/مارچ کو جبکہ پولیس کے حوصلے پست ہو چکے تھے اوران کے افسروں کوخوف لاحق ہوگیا تھا کہ پولیس کے ان ملازموں کے خلاف جوشہر میں رہتے ہیں انتقامی کاروائیاں کی جائیں گی انسپکٹر جنرل پولیس نے کہہ دیا کہ وہ اس مسئلے پر پولیس کے جوانوں کی وفاداری پر پُورااعتمادنہیں کرسکتے ۔اوراُن کی رائے میں زودیابدیرصورتِ حالات پر قابو پانے کا کام فوج کے حوالے کرنا ہی پڑے گا۔اورمیاں انورعلی نے کہا کہ پولیس کے جونیئر افسروں کے نزدیک مطالبات منظور کر لینے چاہئیں ۔''[۱]

رپورٹ کے اس حصہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مطالبات عوامی اور جمہور کے تھے کیا ایک یا دو کالجوں کے بعض طلباء کا شوروشغب میں شامل ہوجانا اور پولیس کے جونئیر افسروں کا انتقامی کاروائیوں کے خوف سے یہ کہنا کہ مطالبات منظور کر لینے چاہیئں مطالبات کے جمہوری اورعوامی ہونے کی دلیل بن سکتا ہے؟

کیا پولیس کے سینئر افسروں اوردیگر ملازمینِ پولیس کے مقابلے میں یہ چند جونیئر افسراورلاہور کے لاکھوں امن پسند شہریوں کے مقابلے میں ایک دو کالجوں کے طالب علم اور چند دفاتر کے کلرک جمہوراورعوام تھے؟

سُنیئے !اسی روز یعنی ۵/مارچ کو سہ پہر کے جلسہ میں جس میں گورنراور چیف منسٹر بھی موجود تھے مسٹراحمد سعید کرمانی ایم ۔ایل ۔اے نے کہا:۔

''اِس تحریک کی قیادت اب زیادہ تر بازاری غنڈوں اور دوسرے غیرذمّہ داراشخاص کے ہاتھ میں ہےاورتعلیم یافتہ لوگ اس کے ساتھ نہیں ہیں ۔''[۲]

اورخود مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے خط مؤرخہ ۲۲/فروری ۵۳ء بنام مجلسِ عمل سے صاف ثابت ہے کہ احمدیوں کوغیرمسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ عوام اورجمہور کانہیں ۔ لکھتے ہیں:۔

''مَیں اس سے پہلے بھی مجلسِ عمل کے ذمہ دار حضرات کولکھ چکا ہوں اورپھرآخری طور پرعرض کرتا ہوں کہ اسوقت کسی خاص ایجی ٹیشن کے لئے فضا بالکل تیارنہیں ہے۔اس کی دووجوہ ہیں۔

اوّل یہ کہ پنجاب سمیت سارے ملک میں تعلیم یافتہ پبلک کوقادیانیوں کے

---

[۱] رپورٹ صفحہ۱۶۲ [۲] رپورٹ صفحہ۱۶۳

بارے میں ہمارے مطالبہ کی صحت پر اب تک مطمئن نہیں کیا جا سکا۔
دوئم یہ کہ عوام الناس بھی صرف پنجاب اور بہاولپور ہی میں اِس مطالبہ کی حمایت کے لئے تیار کئے جا سکے ہیں۔ باقی تمام صوبوں اور سب سے بڑھ کر بنگال کے لوگ اس سے بالکل غیر متأثر ہیں۔ اِس صورت میں صرف پنجاب اور بہاولپور کے عوام کو لڑا کر آخر کیسے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔''[۱]

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ ۲۲ ؍فروری ۵۲ء تک اس مطالبہ کو عوام کی تائید حاصل نہیں تھی بلکہ تھوڑے لوگ تھے جو اس کے لئے تیار کئے جا سکے تھے۔ پنجاب اور بہاولپور کے عوام کے سوا دوسرے کسی صوبہ کے عوام اس تحریک سے واقف نہیں تھے اور پنجاب کے تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت بھی مطالبات کی صحت پر مطمئن نہیں تھی۔ اور جو مطالبے کے لئے تیار ہوئے تھے وہ بھی خود تیار نہیں ہوئے تھے بلکہ بڑی کوششوں سے تیار کئے گئے تھے۔ پس ایسے مطالبات کو متفقہ اور عوامی قرار دینا ایک فاش غلط بیانی ہے۔

عدالت کا فیصلہ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے مذکورہ بالا بیان کی طرف اشارہ کر کے فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''لہٰذا مطالبات کے متعلق یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ اولاً احرار کے اور بعد میں علماء کے مطالبات ہیں۔''[۲]

اَور لکھتے ہیں کہ ان مطالبات کو:۔

''اسلام کے تمام فرقوں کے متفقہ مطالبات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہمارے سامنے یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا کہ ہر مذہبی گروہ یا انجمن نے جن میں سے بعض کے اپنے آئین و دستور موجود ہیں الگ الگ اس موضوع پر بحث کی ہے اور اسکے متعلق اپنے آئین کے ماتحت

[۱] ''یہ گرفتاریاں کیوں'' مؤلفہ ناظم شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان صفحہ ۲۹ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۶۴

قرار دادیں منظور کی ہیں ۔ جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ ہر مذہبی گروہ کا کوئی رکن یا بعض ارکان (خواہ وہ عہدیدار ہوں یا نہ ہوں) کنونشن میں اس گروہ کی نمائندگی کے لئے چُن لئے گئے ۔ اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تمام مطالبات تمام مذہبی گروہوں کے متفقہ مطالبات ہیں تو یہ دعویٰ صرف اِس حد تک صحیح ہے کہ ملک کے نہایت اہم مذہبی گروہوں میں سے کسی رُکن یا چند ارکان نے مطالبات کے متعلق استحسان ظاہر کیا ہے ۔'' ؁۱

عوامی مطالبہ کی حقیقت

فاضل جج لکھتے ہیں :۔ ''ہمارے نزدیک لوگ جس چیز کو عوامی مطالبہ کہتے ہیں وہ کوئی ایسی مقدس چیز نہیں ہوتی ۔ اگر چہ وہ مطالبہ کسی حقیقی بات پر مبنی نہ ہو ۔ لیکن اسکو اگر ایک مقبولِ عام اخبار اور ایک فصیح البیان مقرر کی تائید حاصل ہو جائے تو اسکو خاص تقویت پہنچ جاتی ہے ۔'' ؁۲

اَور لکھتے ہیں کہ احمدی اور سرکاری افسروں کے سوا جو دوسرے لوگ فسادات کا شکار ہوئے :۔

''وہ دو طبقوں سے تعلق رکھتے تھے ایک وہ لوگ جنہوں نے درجۂ شہادت حاصل کرنے کی کوشش کی اور دوسرے وہ جو اپنے مجرمانہ منصوبوں کو پورا کرنے کے لئے ایسے موقعوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا کرتے ہیں ۔ ان دونوں طبقوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو قانون و انتظام کی صورتِ حالات اور مقاصد کی جنگ میں کوئی امتیاز کرسکتا ۔ مذہبی دیوانہ تمام حالات میں سمجھتا یہی ہے کہ کوئی بخاری اسے اس کا یقین دلا دے ۔ چور اور بدمعاش کو اِس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ جس چیز کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتا ہے وہ ناموسِ رسول ؐ ہے یا بائیسکل کی درجن بھر ٹیوبیں ہیں ۔ یہاں بھی صرف کسی بخاری کا یہ اعلان چاہئیے

؁۱ رپورٹ صفحہ ۱۹۵ ؁۲ رپورٹ صفحہ ۳۶۴

کہ ناموسِ رسولؐ خطرے میں ہے۔'' [1]

مولانا مودُودی صاحب اورعوامی مطالبہ

مولانا مودُودی صاحب لکھتے ہیں:۔

''ایک قوم کے تمام افراد کومحض اِس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی معنی میں مسلمان فرض کرلینا اور یہ امید رکھنا کہ اُن کے اجتماع سے جوکام بھی ہوگا اسلامی اصول پر ہوگا پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اسکا حال یہ ہے کہ اسکے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا عِلم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ اُن کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویّہ اسلام کے متعلق تبدیل ہؤا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کوبس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے ۔۔۔۔ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اسکی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔'' [2]

احرار شورش کے وقت نہ معلوم مولانا مودودی صاحب کے نزدیک ان ۹۹۹ فی ہزار افراد کی ماہیت کیسے بدل گئی اور آناً فاناً صالح جمہور کے زمرہ میں کیسے شامل ہوگئے کہ ان کی آواز کو ملّت ومُلک کی حقیقی آواز قرار دیا گیا ممکن ہے کہ مولانا صاحب اُن کے رنگ میں رنگین ہوگئے ہوں۔ فاضل ججوں نے جماعت اسلامی کے متعلق بالکل درست لکھا کہ:۔

''ہمارے نزدیک جماعت کے ذہن کی کیفیت صحیح صحیح یہ تھی کہ اگرچہ وہ اس پروگرام کو جائز نہ سمجھتی تھی جو ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد کی تعمیل کے لئے طے ہؤا تھا لیکن وہ شروع سے آخر تک اپنے حقیقی خیالات کا دلیرانہ اور دیانتدارانہ اعلان اِس خوف کی وجہ سے نہ کرسکی کہ مبادا وہ عوام میں

[1] رپورٹ صفحہ ۳۲۲ [2] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم صفحہ ۱۰۵

غیر ہردلعزیز ہوجائے لہذا وہ اپنی ذہنیت اوراپنے رویّے کے اعتبار سے کسی دوسری سیاسی شخصیت یا انجمن سے مختلف نہ تھی اور دوسروں ہی کی مانند ہر ایسے اقدام سے خائف تھی جو اسے عوامی تنقید کا نشانہ بنادے۔''[۱]

کیا مطالبات کا بچّہ ابھی زندہ ہے؟

مؤلفینِ تبصرہ لکھتے ہیں کہ عدالت نے :۔

''مطالبات کے خلاف خالص عقلی اور واقعاتی لحاظ سے کمزور اور بودے مگر مخالفِ مذہب عنصر کے لئے انتہائی دلفریب دلائل پیش کر کے کسی حد تک اس امر کا تو بندوبست کر دیا کہ اِس بچّے کو ٹھکانے لگانے کے لئے یہ مطالبات کبھی قبول نہ کئے جائیں۔ لیکن دوسری طرف عام مسلمانوں کو مطالبات کے غلط ہونے پر مطمئن کرنے کے لئے کوئی مواد نہیں دیا۔''

''اس نے صرف اس منفی بات پر اتفاق کر لیا کہ ان مطالبات کو ردّ کر دیا جائے مگر خود اس قضیّے کو آخر کیسے حل کیا جائے۔ اِس باب میں کوئی مثبت تجویز پیش نہیں کی۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ یہ فتنہ خیز بچّہ صرف زندہ ہی نہ رہے گا بلکہ شاہ راہِ عام پر کھڑا روتا اور بسورتا رہے گا تاکہ پہلا موقع ملتے ہی کوئی نہ کوئی اَور فتنہ پرداز بڑھ کر اُسے گود میں اُٹھالے اور پھر ایک شور محشر برپا کردے۔'' [۲]

اور مؤلفِ محاسبہ نے لکھا ہے کہ فاضل ججوں کی رائے میں :۔

''مطالبات کا یہ بچّہ جسے احرار نے پیدا کیا اور علمائے اسلام نے اپنایا اور دولتانہ نے کراچی کی جانب نہر کھدوائی اور اس بچے کو صندوق میں ڈال کر اس نہر میں مرکزی حکومت کی طرف بہادیا۔'' ابھی زندہ ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ کوئی آئے اور اُسے اُٹھالے۔''[۳]

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۲۷۱ [۲] تبصرہ صفحہ ۲۰۷ [۳] محاسبہ صفحہ ۳۶-۳۵

رپورٹ کیا کہتی ہے؟

۱۔ ''وزیراعلیٰ پنجاب نے لاہور میں ۳۰/اگست (۱۹۵۲ء) اور پھر راولپنڈی میں ۱۱/ستمبر کو تقریر کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ احمدیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دینے کے لئے کوئی دلیل جواز نہیں۔''[۱]

۲۔ حکومتِ پنجاب ۔وزیراعظم نے ۲۶/فروری ۱۹۵۳ء کو مرکزی کابینہ کا اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے نمائندوں کو بھی اِس اجلاس میں شامل ہونے کی ہدایت کی گئی اور پنجاب کی طرف سے مسٹر محمد حسین چٹھہ وزیر مال' مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس شامل ہوئے ۔فاضل جج لکھتے ہیں:۔''پنجاب کے نمائندوں کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ مرکزی حکومت کو بتادیں کہ حکومت پنجاب کی رائے میں مطالبات غیر معقول ہیں اور سختی سے ان کی مذاحمت ہونی چاہیئے۔''[۲]

مسٹر چٹھہ نے اِس اجلاس میں کہا کہ:۔

''حکومتِ پنجاب کی رائے یہ ہے کہ وہ تحریک کے آگے جُھک نہیں سکتی ۔ یہاں جو بھی فیصلہ ہوگا پنجاب اس پر عملدرآمد کرے گا۔ خان عبدالقیوم خان نے پنجاب کے خیالات کی حمایت کی اور کہا کہ تحریک کو کچل دینا چاہیئے ۔خواجہ شہاب الدین نے ان کی تائید کی اور کہا کہ حکومت کو ایک قطعی غلط مسئلہ پر مُلاّؤں کے آگے نہیں جھُکنا چاہیئے۔''[۳]

۳۔ خواجہ ناظم الدین صاحب ۔۲۲/فروری ۱۹۵۳ء کو خواجہ صاحب سے علماء کے ایک وفد کی ملاقات ہوئی جس میں مطالبات کا اعادہ کیا گیا۔لیکن اِس دفعہ ارکان کو واضح طور پر بتادیا گیا کہ:۔

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۱۳ [۲] ایضاً صفحہ ۱۴۷ [۳] ایضاً صفحہ ۳۸۸

''نہ مطالبات تسلیم کیئے جاسکتے ہیں اور نہ خواجہ ناظم الدین ان کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کرنے پر آمادہ ہیں۔'' [۱]

۴۔مرکزی حکومت کا فیصلہ:۔۲۷رفروری ۱۹۵۳ء کو مرکزی حکومت نے حکومت پنجاب کو مطالبات کے متعلق ''ایک نہایت فوری''''انتہائی مرجح'' خفیہ اور ٹی۔پی مرموز تار کے ذریعہ اپنا فیصلہ پہنچایا اور فیصلہ یہ تھا:۔

ا۔''احمدی ہوں یا پاکستانیوں کا کوئی دوسرا طبقہ ہو اس کو اسکی خواہشات کے خلاف اقلیّت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ امر حکومت کے وظائف میں داخل نہیں ہے کہ وہ کسی گروہ کو زبردستی اقلیّت بن جانے پر مجبور کرے۔''

۲۔''احمدیوں کو صرف اِس بناء پر کہ وہ احمدی ہیں حکومت کے کلیدی عہدوں سے برطرف نہیں کیا جاسکتا۔ نہ عزّت مآب وزیر خارجہ کی برطرفی کا مطالبہ محض اس بناء پر کہ وہ احمدی ہیں قابلِ توجہ ہوسکتا ہے۔کسی وزیر کو عہدے سے برطرف کرنے کے لئے ایک آئینی مشینری مہیّا ہے جب تک کسی وزیر کو اپنے رفقائے کار کا اور مرکزی اسمبلی میں منتخب نمائندگانِ جمہور کا اعتماد حاصل رہے اس کو عہدے سے برطرف نہیں کیا جاسکتا۔

کوئی وزیر محض اس لئے عہدے سے برطرف نہیں ہوسکتا کہ عوام کا ایک طبقہ ڈائریکٹ ایکشن کی دھمکی دے کر اسکی برطرفی کا مطالبہ کررہا ہے۔کوئی سرکاری ملازم خواہ وہ مسلمان ہو یا غیرمسلم حکومت کے کسی ماتحت عہدے سے محض اپنے مذہب کی وجہ سے موقوف نہیں کیا جاسکتا۔'' [۲]

عدالت کی اپنی رائے

فاضل جج لکھتے ہیں:۔

''صوبائی حکّام کو خوب معلوم تھا کہ مرکز کسی حالت میں بھی

---

[۱] رپورٹ صفحہ ۱۴۸ [۲] رپورٹ صفحہ ۱۴۹

مطالبات کو منظور نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی فیصلہ ہوا بھی تو وہ نامنظوری ہی کا فیصلہ ہوگا۔ لیکن وہ مُصِر رہے کہ کوئی فیصلہ ضرور ہونا چاہیئے ۔ اور مرکز جس کے نمائندہ خواجہ ناظم الدین تھے کُھلم کُھلا یہ کہنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ مطالبات کو مسترد کر رہا ہے ۔ کیونکہ خواجہ صاحب کے نزدیک ایسے فیصلے سے ان کا علماء سے تصادم ہو جائے گا۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ مطالبات بغیر کسی مذہبی احتیاط کے' بغیر امنِ عامہ کو خطرے میں ڈالے اور بغیر حسیاتِ عامہ کو صدمہ پہنچائے مسترد کئے جا سکتے تھے لیکن ہمارے نزدیک قانون وانتظام کے صورتِ حالات کے مقاصد کے لئے اُن کا جواب دینا بالکل ضروری نہ تھا۔'' [۱]

پس صوبائی حکومت اور مرکزی حکومت' وزیر اعلیٰ' پرائم منسٹر اور معزّز عدالت کے نزدیک یہ مطالبات کئی وجوہ سے غیر معقول اور لائقِ قبول نہ تھے اور قطعاً قابلِ ردّ تھے جیسا کہ بالآخر ظہور میں آیا۔

بین الاقوامی رائے

مؤلفِ محاسبہ نے لِکھا ہے کہ فاضل جج اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:۔

''خواجہ ناظم الدین نے کسی ملکی مفاد کے پیشِ نظر ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں باہر کے اُن ملکوں کی رائے کا خوف لاحق تھا جہاں چوہدری ظفر اللہ خان کو بہت کچھ عزّت واحترام سے دیکھا جاتا ہے۔'' [۲]

نیز لکھا ہے کہ:۔

''فاضل جج صاحبان نے اِس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ اگر علمائے اسلام کے یہ مطالبات مان لئے جاتے تو فساد برپا نہ ہوتا۔ اِس صورت میں ''چوہدری ظفر اللہ خان کے عزل وطرد پر بین الاقوامی حلقوں میں کچھ ہل چل مچتی لیکن پاکستان کی آبادی (حکومت کے) اس اقدام پر

[۱] رپورٹ صفحہ ۴۲۴-۴۲۳ [۲] محاسبہ صفحہ ۳۴

نعرہ ہائے تحسین بلند کرتی ۔'' [۱]

اِن دونوں اقتباسوں سے مؤلفِ محاسبہ نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ فاضل جج اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خواجہ ناظم الدین صاحب نے کِسی ملکی مفاد کے پیشِ نظر نہیں بلکہ صرف بیرونی ملکوں کی رائے سے خائف ہوکر مطالبات ردّ کردیئے ۔اور چوہدری ظفراللہ خان کومعزول نہیں کیا۔بحالیکہ فاضل ججوں کی طرف اِس کا منسوب کرنا قطعاً غلط ہے کیونکہ وہ ہرگز اِس نتیجہ پر نہیں پہنچے ہیں جو مؤلفِ محاسبہ نے محض غلط فہمی پھیلانے کی غرض سے ان کی طرف منسوب کیا ہے ۔بلکہ برخلاف اسکے فاضل جج تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خواجہ صاحب نے کئی ایک دُور رس نتائج کے خیال سے جو مفادِ ملکی کے بالکل خلاف تھے مطالبات کومنظور نہیں کیا ہوگا اور چوہدری ظفراللہ خان کومعزول نہ کیا اور فاضل ججوں نے وہ دُور رس نتائج پوری صراحت سے اپنی رپورٹ میں درج بھی کردیئے اور اس جگہ ان کی طرف اشارہ کردیا ہے۔چنانچہ لکھا ہے:۔

''پھر خواجہ ناظم الدین نے یہ (مطالبات کومنظور کرنے کا۔ناقل) راستہ کیوں نہ اختیار کیا۔ان کا قول یہ ہے کہ یہ راستہ نہ محض اس لئے اختیار نہ کیا گیا کہ ایسا اعلان دوسرے مُسلِم مما لک میں مؤثر نہ ہوتا بلک اس اقدام کے دُور رس نتائج کا خیال حائل ہوگیا جو اِس رپورٹ کے دوسرے مقام پر بیان کئے جاچکے ہیں ۔'' [۲]

وہ دُور رس نتائج کیا تھے؟

فاضل جج لکھتے ہیں کہ:۔

''ان مطالبات کی منظوری کی صورت میں جو نتائج رونما ہونے تھے وہ خواجہ صاحب کے ضرور ذہن میں آئے ہوں گے اور وہ مختصراً یہ ہیں:۔

۱۔خواجہ صاحب نے محسوس کیا ہوگا کہ مطالبات تو محض ''فانے کا پتلا سرا''

---

[۱] محاسبہ صفحہ ۳۴ [۲] رپورٹ صفحہ ۳۰۳

ہیں جو ٹھونکا جا رہا ہے۔ اور اگر یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ ایسے مذہبی مسائل کے متعلق بحث و فیصلہ مملکت کا کام ہے تو شاید انہیں بھی زیادہ دشوار مطالبات کا سامنا کرنا پڑے۔

۲۔ ان مطالبات کے تسلیم کر لینے سے نہ صرف دُنیائے اسلام بلکہ بین الاقوامی دُنیا پر کیا اثرات مترتّب ہوں گے۔ کیونکہ ان مطالبات کی تہ میں ایک لازمی مفروضہ یہ تھا کہ اسلامی مملکت میں مسلموں اور غیر مسلموں کے حقوق کے درمیان بنیادی فرق ہوگا اور اس قسم کی مملکت کے معمولی فرائض میں یہ فیصلہ کرنا بھی شامل ہوگا فلاں فرد یا فلاں جماعت مسلمان ہے یا نہیں۔

۳۔ چودھری ظفراللہ خان اور دوسرے احمدیوں کو جو مملکت کے اہم سرکاری عہدوں پر فائز ہیں برطرف کرنے کا مطالبہ ایک اَور پیچیدہ مسئلہ پیش کرتا تھا۔ چودھری ظفراللہ خان بین الاقوامی دُنیا میں نہایت مشہور و محترم شخصیت تھے ان کی برطرفی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کی وسیع اشاعت ہوتی اور بین الاقوامی تبصرے کئے جاتے اور ایسی تشریح کرنا بے انتہا مشکل ہو جاتا ہے جس سے بین الاقوامی شعور مطمئن ہوسکتا۔

۴۔ قانونِ دستور کے ماتحت چوہدری ظفراللہ خان اور دوسرے عہدیدار محض مذہبی عقائد کی بناء پر ملازمت سے علیٰحدہ نہیں کئے جاسکتے تھے کیونکہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی ۶/ اکتوبر ۱۹۵۰ء ہی میں پاکستان کے شہریوں کے بنیادی حقوق کے متعلق ایک عبوری رپورٹ منظور کر چکی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہر مستند شہری مذہب، نسل، ذات، جنس اور مقامِ ولادت کے امتیاز کے بغیر مملکت کی ملازمت میں تقرر کا حقدار ہے اور اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ آزادیٔ ضمیر اور اپنے مذہب کے تسلیم، تعمیل اور تبلیغ کا حق ہر شہری کے لئے محفوظ ہے۔

۵۔انجمنِ اقوامِ متحدہ (جس کا ممبر پاکستان بھی ہے) کی جنرل اسمبلی کے انسانی حقوق کے متعلق مقرر کردہ کمشن نے انسانی حقوق کے بارے میں جو بین الاقوامی میثاق مرتّب کیا تھا اسکی میثاق دفعہ ۱۳ کا منشاء یہ ہے کہ ہر شخص کو فکرِ ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق ہوگا جس میں اپنے مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اس مذہب یا عقیدے کو تعلیم 'امن' عبادت اور ادائے رسوم میں ظاہر کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔لہذا اگر یہ مطالبات منظور کر لئے جاتے تو بین الاقوامی حلقوں میں خاصہ اضطراب پیدا ہو جاتا اور مطالبات کی منظوری اِس امر کا اعلانِ عام سمجھی جاتی کہ پاکستان اپنی شہریت کو ان وجوہ پر مبنی قرار دے رہا ہے جو دوسری قوموں کے مقابلے میں بنیادی طور پر مختلف ہیں۔اور غیر مسلم محض اپنے عقائد مذہبی کی بناء پر پاکستان میں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے سے محروم کئے جارہے ہیں۔

۶۔ ہندوستان پاکستان کو رُسوا اور بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔لہذا وہ اِس موقع سے بھی ضرور فائدہ اٹھاتا۔ ہندوستان میں بھی فرقہ وار مسئلہ موجود ہے۔وہ یقیناً پاکستان پر اس معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام عائد کرتا جو ۸/اپریل ۱۹۵۰ء کو حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے درمیان قرار پایا تھا۔اور جس کے ماتحت دونوں حکومتوں نے اقلیتوں کے افراد کو اس امر کی ضمانت دی تھی کہ اُن کو اپنے اپنے ملک کی پبلک زندگی میں حصّہ لینے' سیاسی اور دوسرے عہدوں پر فائز ہونے اور سول محکموں اور مسلّح فوجوں میں ملازمت کرنے کے حقوق' اکثریت کے افراد کے بالکل مساوی ہوں گے۔اور یہ حقوق اس معاہدے میں بُنیادی قرار دیئے گئے تھے۔

ہندوستان کو احمدی مذہب یا احمدیوں سے کوئی غرض نہ تھی۔نہ

ایسے مذہبی جھگڑوں سے کوئی سروکار تھا جن سے وہ بعافیت گزر چکا ہے لیکن وہ مطالبات کی منظوری کے نتائج کو ضرور فوراً محسوس کرتا اور صحیح طور پر یہ مقدمہ پیش کرتا کہ اگر احمدیوں کو مملکت میں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی تو ہندوؤں کو (جن سے ہندوستان کو وابستگی ہے) کیونکر دی جائے گی۔'' ۱

یہ وہ دُوررس نتائج تھے جو مطالبات کی منظوری میں حائل ہوئے جن کی اہمیت کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی اس لئے خواجہ صاحب نے پہلے تو علماء کے ساتھ اپنے مذاکرات کو اِس امید موہوم پر طول دیا کہ وہ مطالبات کو ترک کر دیں گے لیکن آخر کار خواجہ صاحب نے مطالبات کو رد کر دیا۔ اور ساتھ ہی علماء کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ ۲

ان تصریحات کی موجودگی میں مؤلفِ محاسبہ کا عدالت کی طرف یہ منسوب کرنا کہ اسکے نزدیک اگر خواجہ صاحب مطالبات منظور کر لیتے تو صرف چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی معزولی پر بین الاقوامی حلقوں میں کچھ ہلچل مچتی کیونکر جائز اور درست ہوسکتا ہے جبکہ عدالت نے اس جگہ مذکورہ بالا ''دُوررس نتائج '' کی طرف رپورٹ میں اشارہ کر دیا تھا۔ اور ان دُوررس نتائج سے ظاہر ہے کہ مطالبات کی منظوری مفادِ ملکی کے سراسر خلاف تھی اور اس سے ملک کو طرح طرح کی دقّتیں اور دشواریاں پیش آنے کا اندیشہ تھا۔

کیا بچّہ زندہ ہے؟

اِن تمام تصریحات کے باوجود مولفینِ تبصرہ بحوالہ انگریزی رپورٹ صفحہ ۲۸۶ لکھتے ہیں کہ عدالت خود کہتی ہے :۔

''یہ بچّہ (یعنی قادیانی مسئلے کا فتنہ خیز بچّہ *) ابھی زندہ ہے

* اِس جگہ انگریزی رپورٹ میں demands کا لفظ موجود ہے۔ اور اس کے اُردو ترجمہ میں صاف لکھا ہے کہ '' اگر مطالبات کو ننھے بچے سے تشبیہ دی جائے'' (رپورٹ صفحہ ۳۱۷) اور مؤلفِ محاسبہ نے بھی ''مطالبات کا یہ بچّہ' ترجمہ کیا ہے (محاسبہ صفحہ ۳۵) لیکن تبصرہ کے صالح مؤلفین نے لکھا ہے کہ عدالت

۱ رپورٹ صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۳ ۲ ایضاً ۲۵۳

اور منتظر ہے کہ کوئی اُسے اُٹھالے۔'' [۱]

اور مؤلفِ محاسبہ لکھتے ہیں کہ:۔

''فاضل جج صاحبان کے ان ریمارکس سے واضح طور پر کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ آیا عدالت نے اس بچّے کو جسے باشندگانِ ملک کی سرپرستی حاصل ہے وہ حاضر کی بین الاقوامی دُنیا کی چہ میگوئیوں کے خوف سے کشتنی اور گردن زدنی قرار دے دیا ہے یا اس کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کیا ہے۔لیکن یہ چاہا ہے کہ سیاسی رہزن اور طالع آزما اور مجہول الکیف اشخاص اسکے سرپرست نہ بننے پائیں۔اور اُسے اپنی دنیوی اغراض کے لئے استعمال نہ کریں۔'' [۲]

ہماری رائے

یہ مطالبات کا ''ننھا بچّہ'' جس کے متعلق خواجہ ناظم الدین صاحب نے اپنی شہادت میں شکایت کی تھی کہ مسٹر دولتانہ یہ چاہتے ہیں کہ:۔

''میں ننّھے کو لئے رہوں''

جو مطابق رپورٹ احرار نے جنا اور علماء کو متبنّٰی بنانے کے لئے پیش کیا۔اور انہوں نے اسکا باپ بننا منظور کرلیا اور مسٹر دولتانہ نے میر نور احمد ڈائریکٹر تعلقاتِ عامہ کی مدد سے نہر کھدوا کر جسے دولتانہ اور اخبارات نے پانی مہیّا کیا تھا صندوق میں ڈال کر مرکز کی طرف بہا دیا۔لیکن خواجہ ناظم الدین نے اسے گود میں لینے سے انکار کیا اور پرے پھینک دیا۔

اب وہ بچّہ عدم کفالت کی وجہ سے مُردہ بشکل زندہ ہے۔گو اس کے پیدا کرنے والے اپنی جماعتی حیثیت سے ناپید ہو چکے ہیں۔اور اُسے متبنّٰی بنانے والے علماء کی حالت

بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۲۲ خود کہتی ہے کہ یہ بچّہ (یعنی قادیانی مسئلہ کا فتنہ خیز بچّہ) ابھی زندہ ہے۔اور یہ انداز صرف اس لئے اختیار کیا گیا ہے تا جن لوگوں نے رپورٹ نہ پڑھی ہو وہ سمجھ لیں کہ مذکورہ بچّے کو خود عدالت نے قادیانی مسئلے کا فتنہ خیز بچّہ قرار دیا ہے نہ کہ ''مطالبات کا بچّہ''

---

[۱] تبصرہ صفحہ ۲۰۶ [۲] محاسبہ صفحہ ۳۶

جیسا کہ ''نوائے وقت'' میں زیرِ عنوان ''سچّی باتیں'' لکھا ہے۔ یہ ہے کہ:۔

''ہمارے مُلک میں علمائے دین کا جوتھوڑا بہت وقار تھا وہ انٹی قادیانی تحریک کے دَوران میں بالکل ختم ہوگیا۔ خصوصاً تحقیقاتی عدالت میں تو ان حضرات نے اپنے علم وفہم ونظر کا جوثبوت دیا ہے ۔اسکے بعد شائد ہی دین کی کچھ قدرومنزلت ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ میں باقی رہ جائے ۔'' [۱]

اوراب ان کے بعض رفقائے کار مثلاً مؤلفین تبصرہ اعلانیہ کہہ رہے ہیں:۔

''حکومت نے مارشل لاء لگا کر اور سوا دو مہینے تک عوام کے سینے پر مونگ دَل کر لوگوں کو خوف زدہ کر دیا۔''

''کیا عوام کے احساسات اور ان کے خیالات وجزبات کو دُنیا میں کبھی رائفلوں اور کورٹ مارشلوں سے بدلہ جاسکا ہے ۔جو یہاں اِن چیزوں سے اِس معجزے کی توقع کی جائے۔'' [۲]

اور وہ بچّہ خود راہ دیکھ رہا ہے کہ کوئی ''سیاسی ڈاکو'' یا ''طالع آزما'' آئے اور اسے گود میں اٹھالے۔ اللہ تعالیٰ مملکتِ پاکستان کو ایسے ''سیاسی ڈاکوؤں'' اور ''طالع آزماؤں'' اور ''گمنام وبے حیثیت آدمیوں'' کے شر سے محفوظ رکھے۔

اللّٰھمّ انّا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم

اللّٰھمّ اٰمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمدُ لِلّٰہ رَبِّ العٰلَمِیْن ط

---

[۱] نوائے وقت ۲۳ر فروری ۱۹۵۵ء   [۲] تبصرہ صفحہ ۲۰۶